چہل اسرار

تصنیف عالمِ ربّانی غوثِ صمدانی

جنابِ امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ

مترجمہ

پیر عبدالکبیر سابقہ ٹیچر ٹی، ٹی کالج سرینگر

حسبِ ارشاد

جناب سیّد میرک شاہ صاحب کاشانی

شالیمار سرینگر

بسعیٔ و حسن کوشش و صرفِ زرِ کثیر

خواجہ عبدالحمید صاحب، بشیر اینڈ کو سرینگر

کوہ نور پریس میں باہتمام عبدالحمید چھپ کر شائع ہوئی۔

خانقاہ معلی

رب یسر و تمم بالخیر و لا تعسر - سہل و یسر و لا تعسر

الحمد للہ الذی ھو نور السموٰت والارض قیم السموٰت والارض ملک السموٰت والارض ومن فیھن ذو القوۃ المتین - والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و آلہ واصحابہ واولیائہ اجمعین - امابعد

عرضِ حال

کچھ عرصہ گذر گیا - اس فقیر نے "جامع الکمالات حضرت الشان جناب شیخ یعقوب صرفی" کاشمیری کے رسالۂ 'تذکرہ' کا ترجمہ کیا تھا - جس کو چھپوا کر زبدۃ السالکین قدوۃ العارفین جناب حضرت سید میرک شاہ صاحب کاشانی نے مریدوں اور محبوں میں تقسیم کیا - اس کے کئی نسخے احقر نے جناب عبدالقادر صاحب "کبروی" کی خدمت میں پیش کئے - جناب کبروی صاحب وقت کے بزرگ ترین سالکوں اور عارفوں میں سے ہیں - منازل سلوک کے رہبر ہیں - عرفان کے نکات و رموز سے باخبر ہیں - لوگوں سے اپنے کمالات کو چھپاتے ہیں - تجارت اور کاروبار پر گذر اوقات کرتے ہیں - سجادہ نشینی اور مسند نشینی سے نفور ہیں - محلہ رعنا واری کے لوہاروں کے خاندان سے ہیں - انہوں نے اپنے ایک عقیدت مند محب غلام حسن بیگ ڈائریکٹر سلک فیکٹری کو "تذکرہ" کا ایک نسخہ دیا - جناب بیگ صاحب کشمیری شاعری میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں - "عارف" تخلص کرتے ہیں اور جناب کبروی صاحب کی صحبت سے تصوف کی طرف رجحان رکھتے ہیں - عارف صاحب نے "تذکرہ" کے مطالعہ سے متاثر ہو کر کبروی صاحب کو بتا دیا "کیا ہی اچھا ہوتا اگر پیر صاحب (احقر) چہل اسرار کا ترجمہ کرتے؟" ملاقات پر جناب کبروی صاحب نے یہ بات احقر کو بتا دی - فقیر نے التماس کی کہ یہ آسان کام نہیں - جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کا کلام ہے - باخبر اور آگاہی والے حضرات ہی اس کی باریکیوں کو سمجھ سکتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں - ممکن ہے کہ جناب کی توجہ اور دعا کی طفیل یہ ہیچمداں فقیر کوشش کرتا لیکن چھپوانے اور شائع کرنے کے بغیر اس کا فائدہ کیا ہوگا - کیا عارف صاحب طبع کرا کے شائع کرنے کی ذمہ داری نبھائیں گے؟ کبروی صاحب خاموش رہے اور قصہ مختصر ہوا۔

۱۹۶۴ء میں ایک ملاقات پر جناب حضرت میرک شاہ صاحب کاشانی نے فقیر کو "منہاج العارفین" تالیفِ عالم ربانی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس اللہ سرہٗ کے ترجمہ کا ارشاد فرمایا - نیاز مند نے

حکم کی تعمیل کی اور جناب نے ۔ چھپوا کر محبوں اور شائقوں میں (مفت بلا قیمت) بانٹ دیا۔ ۲۹ صفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۶۵ئہ فقیر کو قدمبوسی کا شرف پھر حاصل ہوا۔ دوران گفتگو میں زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ "چہل اسرار" کا ترجمہ کرو۔ میں خود چھپواؤں گا۔ فقیر نے عرض کی جیسا ارشاد ہو، کام مشکل ہے۔ فرمایا۔ "ہم دعا کریں گے، تم قلم اٹھاؤ"۔ بہتر جناب۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ شالامار سے واپسی پر جناب "کبروی" صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ حال پرسی کے بعد فقیر نے ان سے التماس کی۔ احقر "چہل اسرار" کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے۔" فرمایا۔ ہماری نیک خواہشیں، ارادے اور دعاء شامل حال ہوں۔ کچھ اور دن گذرنے پر ایک اور بزرگ مرد کامل اوستاد محمد شعبان نجار سے راستے میں ملاقات ہوئی۔ استاد کا درجہ بہت بلند ہے جناب عبہ صاحب مرحوم قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ قلندری سلسلہ رکھتے ہیں، ان پڑھ ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے کماتے ہیں۔ لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ سماع ان کی حقیقی خوراک ہے۔ فقیر پر بہت ہی مہربان ہیں۔ احوال پرسی کے بعد میں نے چہل اسرار کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور عرض کی کہ دعاء کریں تاکہ میری یہ کوشش بار آور ہو۔ فرمایا "اس سمندر کے شناور تم نہیں ہو، غوطہ لگا کر موتی کیونکر ہاتھ لگے"۔ میں نے التماس کی آپ کی توجہ اور دعاء کی برکت سے۔ مسکرائے اور فرمایا، اچھا۔ ہم توجہ رکھیں گے اور دعاء کریں گے۔ میری ڈھارس بندھ گئی۔ اور میرا ارادہ "پکا" ہو گیا۔ اسی اثناء میں مجھے اس صاحب دل خدا رسیدہ قلندر کی یاد آئی۔ جو مدت سے میرے مشفق اور مہربان ہیں۔ ان کو میرے ساتھ دلی محبت ہے اور آزادانہ نیازمندانہ خیالات کرتے ہیں، ان پڑھ ہیں، درزی کا کام کرتے ہیں۔ روحانیت کے دقیق مسائل کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی عالم نہیں کر سکتا ہے قلندری وضع کے ہیں۔ ان کا اسم گرامی غلام رسول بٹ ہے (امیدان پورہ چھتہ بل باغ سندر میں رہتے ہیں) میں ان کے پاس چلا گیا۔ گو ان کے پاس کوئی نہ کوئی عقیدتمند ضرور ہوتا ہے۔ اس وقت یہ اکیلے دکان پہ بیٹھے تھے میں بیٹھ گیا، باتیں شروع ہوئیں۔ میں نے ارادہ کا اظہار کیا۔ کچھ لمحے سوچ کرنے کے بعد فرمایا۔ بہت خوب کام شروع کرو۔ میں نے التماس کی مجھ میں روحانیت کا مادہ اتنا نہیں۔ تھوڑی سی واقفیت علم ظاہر کی ہے۔ یہ علم باطن کا سمندر ہے جب تک آپ کی توجہ اور امداد نہ ہو۔ مجھ سے یہ کام کیونکر سرانجام پائے گا۔ فرمایا۔ قلم تمہارا، دل اور دماغ ہمارا۔ میں نہایت خوش ہوا۔ پھر فرمایا، انشاءاللہ الرحمٰن اس سے بے شمار لوگ مستفید ہوں گے۔ میں رخصت لیکر آیا اور کام شروع کیا۔

اوپر کے حالات میں نے اسواسطے لکھے ہیں تاکہ قارئین کرام جو خوبیاں اس ترجمہ میں پائیں گے ان کو ان حضرات بزرگ کی طرف منسوب کریں جن کا تعارف میں نے سطور بالا میں کیا ہے اور جو کمی اور نقائص اس میں نظر آئیں وہ میری کم فہمی اور روحانیت سے لاعلمی کے باعث ہیں اس واسطے درگذر ہیں

کیونکہ مجھے اعتراف ہے کہ میں حقیقت سے بالکل ناآشنا ہوں۔ میری اصلی حقیقت یہی ہے۔ ساتھ ہی التجا ہے کہ میرے حق میں دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ و تبارک مجھے بھی صالحین کے گروہ میں جگہ عطا کرے۔ آمین

مختصر سوانح حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی قدس سرہ

آپ کی ولادت ۱۲ ماہ رجب ۷۱۴ھ سوموار کو ہمدان میں ہوئی۔ ہمدان ایران کا ایک مشہور شہر ہے۔ آپ صحیح النسب سیّد ہیں۔ آپ کے نجیب الطرفین ہونے کی دلیل یہ ہے۔ کہ آپ کا نسب والد بزرگوار کی طرف سے سیّد الشہدا حضرت امام حسین شہید کربلا علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ والدہ کی طرف سے امام حسن مجتبیٰ شہید علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار سیّد شہاب الدین ہمدان کے حاکم تھے۔

آپ کے والدین نے آپ کی تعلیم تربیت کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر کیا۔ منقول ہے کہ بارہ برس کی عمر میں آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ کے خالو سیّد علاؤ الدین جو علم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ حصول تعلیم میں آپ کے مددگار رہے۔

ایک دن سیّد علاؤ الدین ذکر میں مشغول تھے اور سر ہلاتے تھے۔ آپ آئے ان کو سر ہلاتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا، سر کیوں ہلاتے ہیں؟ فرمایا۔ یاد خدا کر رہا ہوں۔ آپ نے کہا ذکر خدا میں سر ہلانے کی کیا ضرورت ہے؟ سیّد علاؤ الدین نے جواب دیا۔ "اپنے مرشد بزرگوار حضرت شرف الدین مزدقانی نے مجھے اسی طرح ذکر کرنے کی تعلیم دی ہے۔ آپ نے التجا کی "مجھے تعلیم فرمائیں۔ اسی وقت سیّد علاؤ الدین نے آپ کو تعلیم دی، اور آپ ذکر میں مشغول ہو گئے۔ تین ہی دن میں آپ کو ایک ایسی لذّت اور ایک ایسا اثر اپنے آپ میں محسوس ہوا کہ آپ نے سیّد صاحب کو اپنے ساتھ شیخ شرف الدین مزدقانی کی خدمت میں لیجانے کے لئے مجبور کیا۔ سیّد صاحب نے آپ کو شیخ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی "علی تربیت کے لئے حاضر خدمت ہوا ہے۔" شیخ نے فرمایا۔ "اگر آپ بحیثیت آقا آئے ہیں۔ تو میں خدمت کے لئے تیار ہوں۔ اگر خادم کی حیثیت سے آئے ہیں، تو اس غلام کی جوتی (میری جوتی جو خانقاہ کا خاکروب ہے) سامنے رکھنی چاہیئے تاکہ مقصد حاصل کر سکے۔

حضرت امیر نے بیعت کی اور خانقاہ کی ملازمت میں مشغول ہو گئے۔ خیال کرنا چاہیئے عالم شباب کا جوبن، اٹھتی جوانی، ناز پروردہ، حاکم ہمدان کا بیٹا۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کا فاضل

خانقاہ کے فقیروں اور شیخوں کی خدمتگذاری اپنے آپ پر اختیار کرتا ہے)

کچھ مدت کے بعد شیخ کے پاس رہ کر آپ کا مقام اس درجہ پر پہنچا کہ شیخ نے آپ کو لوگوں کی تلقین تربیت، اور تعلیم پر مامور کیا۔ خانقاہ میں آپ کی ترقی کی رفتار اتنی تیز رہی کہ "تیزی" پیدا ہو گئی، اور حضرت شیخ یاروں کو آگاہ کرنے پر مجبور ہو گئے اور ان کو فرمایا، وہ علی کے سامنے ذکر بلند آواز سے نکریں۔ لیکن جوش، مستی اور وجد وحال کا یہ عالم بپا ہوا کہ آپ کو (حضرت علی کو) خانقاہ والے منھکوٹیاں ڈملنے پر مجبور ہو گئے۔ خانقاہ کا کھانا بند کیا گیا۔ بازار کا پکایا ہوا کھانا اور روٹیاں کھانے کو دینی پڑی۔ اسی اثنا میں ابوالبرکات تقی الدین اخی علی کی شرف ملاقات حاصل ہوئی۔ ان کی نظر سے فائدہ مند ہو کر دو برس ان کی خدمت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ معرفت اور شہود سے روشناس ہو گئے۔ ابوالبرکات نے انتقال فرمایا اور آپ پھر شیخ شرف الدین محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے "ارشاد" کی اجازت حاصل کی۔ انہی دنوں میں چار سو اولیاء کرام کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ مجلس کے صدر شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی چنے گئے۔ جب آپ (حضرت امیر) ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں (رکن الدین) نے آپ کے حق میں دعا کی، فاتحہ پڑھی اور چار سو حدیث کی تعلیم دی۔

آپ نے اپنے بزرگوار مرشد (شیخ شرف الدین محمود) کے فرمانے پر تین دفعہ ایشیا کے اکثر ملکوں کی سیر وسیاحت کی۔ ایک بار شہروں کی۔ دوسری دفعہ گاؤں گاؤں کی۔ تیسری دفعہ گھر گھر کی۔ روایت ہے تینتیس ۳۳ اولیاء کبار نے آپ کو خط ارشاد دیا۔ جن میں شیخ ابوسعید معمر حبشی بھی شامل کئے جاتے ہیں۔ نہایت کم خوراک تھے۔ ایک دفعہ حج کے سفر میں اٹھائیس دن فاقہ زدہ سفر کیا۔ لباس میں حد درجہ کفایت شعار تھے۔ ایک مرتبہ سات برس کا لمبا عرصہ ایک ہی کرتہ میں گذارا۔ کلاہ دوزی کرتے تھے جو کی روٹی کھاتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ دنیا طلب کتابی عالموں کو آپ کی رفعت اور علو مقام کا حال سنکر جلن ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ان نفسانیت کی تاریکی میں بھٹکتے ہوئے عالموں میں سے ایک نے آپ کو زہر ملایا ہوا شربت پلایا۔ خدا کے فضل سے آپ بچ گئے لیکن زہر کا اثر عالمانہ ظاہر ہوتا رہا۔

حضرت امیر کبیر قدس اللہ سرہ خود فرماتے ہیں۔ "میں نے پچاس برس کے زمانے میں زمین پر لیٹ کر کبھی نیند نہ کی۔ لذیذ کھانے نہ چکھے۔ ریاضت کے تمام اقسام سرانجام دئے۔ باوجود اس کے شاید میں کتے سے بہتر نہیں ہوں۔"

آپ کی تصانیف یوں تو بے شمار ہیں ان میں سے ایک سو ستر ۱۷۰ کتابیں مشہور ہیں۔ آپ کی کرامات

بے اندازہ ہیں اور سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے نام کے مسلمانوں، کٹر بت پرستوں، ہٹ دھرمی مشرکوں۔ بودے بودھوں اور دہریوں کو صراطِ مستقیم دکھا کر ابدی نجات کا حقدار بنایا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ عمر بھر آپ کا کام تبلیغ اور ارشاد رہا، اور جتنے گمراہ مسلماں ہو کر راہِ راست پر آئے ان کی تعداد لاکھوں ہے۔

ایک کرامت یہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ نے آپ کو دعوت دی۔ آپ نے منظور نہ فرمائی۔ بادشاہ غصے ہوئے۔ حکم دیا کہ تانبے کا گھوڑا بنا کر اس کے پیٹ کو بھٹی بنائیں۔ اس میں ایندھن اور کوئلہ بھر کر اس کو گرم کریں اور حضرت امیر کو اس گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس آنے کا حکم دیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ کوئلہ اور ایندھن تانبے کے گھوڑے کے پیٹ میں جل جل کر راکھ ہو گئے۔ گھوڑا گرم نہ ہوا۔ نیچے سے آگ جلائی گئی گھوڑا گرم نہوا۔ گھوڑے کے چاروں طرف سے اوپر نیچے سے گرم کرنے کی کوشش کی گئی۔ گھوڑا گرم نہوا۔ بادشاہ کو واقعہ کی اطلاع دی گئی وہ شرمندہ ہوا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔

ایک اور روایت بھی مشہور ہے کہ شام کے ملک فلسطین میں مسلمان عالموں اور عیسائی پادریوں میں اس بات پر بحث ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "علماءِ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل" (میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے نبیوں کے جیسے ہیں) پادری اس کے لفظی ترجمہ پر زور دیتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے نبی مردوں کو زندہ کرتے تھے (حالانکہ اصلی مفہوم ہے۔ مردہ دلوں کو جاہلوں کو، نامسلمانوں کو تبلیغ کر کے اسلام کا سچا راستہ دکھاتے ہیں) اگر یہ قول سچا ہے تو مسلمان عالم کسی مردے کو کیوں زندہ نہیں کر سکتے ہیں۔ عالم لاجواب ہو گئے۔ چالیس دن کی مہلت چاہی۔ چالیس دن گذر گئے۔ طرفین کے علماء جمع ہو گئے۔ حضرت امیر کبیر "الہام ربانی" سے طے مکان کر کے مجمع میں حاضر ہوئے۔ پادریوں نے تجربہ کے لئے جو مردہ لایا تھا پیش کیا گیا۔ شام اور فلسطین کے مسلمان علماء پریشان اور حیران تھے۔ حضرت امیر آگے بڑھے مردے کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیکر کہا۔ "میرے حکم سے اُٹھو"۔ مردہ زندہ ہو گیا۔

ایک دفعہ امیر تیمور نے چاہا کہ آپ کی بزرگی اور صاحبدلی کا امتحان کرے۔ آپ کو کھانا کھانے کی دعوت دی۔ نوکروں سے کہا کہ جبراً بلا قیمت کسی غریب کی بھیڑ لا کر ذبح کریں۔ حضرت امیر وقتِ مقررہ پر تشریف لائے۔ دستر خوان بچھا، کھانا حضرت امیر اور بادشاہ کے سامنے رکھا گیا۔ اسی اثنا میں دروازہ پر شور و غل اُٹھا۔ بادشاہ نے فریادی کو دروازہ پر بلایا۔ ایک بیوہ عورت حاضر ہوئی اور عرض کی "بادشاہ سلامت آپ کی کنیز نے شاہِ ہمدان کی نذر کی نیت سے ایک بھیڑ پالی تھی۔ شاہی نوکروں نے زبردستی سے اس کو لے لیا"۔ حضرت امیرؒ نے بیوہ کو تسلی دی اور فرمایا۔ "خوش رہو نذر قبول ہے اور ہم اسی کو کھانے بیٹھے ہیں"۔ تیمور شرمندہ ہو گیا۔ اس کرامات نے تیمور کے دل کو مکدر کیا اور اس نے آپکو پیغام بھیجا۔

کہ آپ میری قلمرو سے ہجرت کریں۔ آپ نے جواب بھیجا "اگر آج ہی تمہاری قلمرو سے باہر نہ گیا تو پانی تک پینا مجھ پر حرام ہے"۔ مسجد پر تشریف لے گئے اور یاروں سے فرمایا۔ "یہ خدا کا ملک ہے۔ بادشاہ کی قلمرو نہیں"۔ سفر کی تیاری کی۔ مریدوں اور متعلقوں کی ایک بڑی جماعت ساتھ لیکر کشمیر کی طرف کوچ فرمایا۔ ۱۲ ربیع الاول ۷۷۴ھ کو شہاب الدین پورہ میں پہنچے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اس ورود مسعود کی تاریخ سید محمد خاوری نے لکھی ہے ؎

میر سیّد علی شہ ہمدان — سیر اقلیم شعبہ کردہ نکو
شد مشرف ز مقدمش کشمیر — اہل آں شد از و ہدایت جو
سالِ تاریخ مقدم او را — گفتم از مقدمہ شریف بجو

ان دنوں میں بادشاہ کشمیر سلطان شہاب الدین پانچ لاکھ سوار اور پیدل فوج لیکر تسخیر ہند کے ارادے سے نکلا تھا۔ حضرت سیّد تاج الدین اور سید حسن بہادر لشکر کے ہمراہ تھے۔ یہاں سلطان قطب الدین قائم مقام بادشاہ تھے۔ سلطان قطب الدین نے کمالِ عقیدت و عزت سے حضرت امیر کا پر جوش استقبال کیا۔ سیّد تاج الدین کی کوٹھی کو جو شاہی محل کے متصل تھی۔ حضرت کے قیام کے لئے آراستہ کیا۔ مہمان نوازی اور خاطر تواضع میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔

حضرت امیرؒ تقریباً چار مہینے کشمیر میں رہے۔ پھر حج اور روضۂ مطہرہ کی زیارت کے ارادہ سے ہندوستان کا راستہ لیا۔ فیروز پور میں سلطان شہاب الدین اور سیّد تاج الدین سے ملے کچھ دن ان کے ساتھ گذارنے کے بعد فیروز شاہ بادشاہ دہلی کی فوج میں پہنچے اور صلح کی تجویز پیش کی۔ دونوں بادشاہوں کے اعلیٰ نمائندے ایک جگہ جمع ہوئے۔ سرحدوں کی تعیّن اور طرفین کے عہد نامے تحریر ہوئے۔ عہد و پیمان اور دوستانہ تعلقات کے استحکام کے لئے فیروز شاہ کی لڑکیاں سلطان قطب الدین اور سید حسن بہادر کے ساتھ بیاہی گئیں۔ سلطان شہاب الدین نے حضرت امیر کو واپس کشمیر آنے کے لئے التجا کی۔ حضرتؒ نے حرمین کے ارادہ کو ترجیح دی اور سلطان سے وعدہ فرمایا، واپسی پر بشرطِ زندگانی کشمیر آؤں گا۔ حضرت امیر وہاں سے سیّد حسین کی ملاقات کو سیّد تاج الدین اور سیّد حسن بہادر کو ساتھ لیکر سامانہ گئے۔ اور سید حسین کو کشمیر آنے کی ترغیب دی۔ جس دن حضرت امیر فیروز پور سے عازم حرمین ہوئے۔ اس روز سید حسین سمنانی سیّد تاج الدین کے ساتھ کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔

مراسم حج زیارت روضۂ مطہرہ اور اطراف و اکناف عرب کی سیر کے بعد جناب حضرت امیرؒ نے ہندوستان کے راستے سے ۷۸۱ھ کے اوائل میں دوسری دفعہ کشمیر کی سرزمین کو تازگی بخشی۔

آپ کے ہمراہ سات سو سے زیادہ سیّد اور عالم تھے۔ محلہ علاؤالدین پورہ کی اس مسجد میں جو خانقاہ معلّیٰ کے متصل ہے، ڈیرہ ڈال دیا۔ ساتھیوں کو سلطان قطب الدین کی کاروانسرای میں جگہ دلوادی۔ تاریخ ہے ؎

شکر کز مقدم امیر کبیر — باغ کشمیر ہمچو گل بشگفت

ہاتفِ غیب سال مقدم او — آمد اینجا علیؑ ثانی گفت ۷۸۱ھ

خانقاہِ معلّیٰ میں جہاں حجرۂ خاص ہے راجہ پرورسین کا بنایا ہوا کالی کا مندر تھا۔ اس کا بڑا پوجاری شاپورنامی پنڈت تھا۔ اسلام کی سچائی اور حضرت امیر کے کمالات سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا۔ خود مندر کو گرا کر اس کے پتھروں سے صیفہ تعمیر کیا۔ حضرت امیر نے حجرۂ خاص کی جگہ اپنا خیمہ نصب کرایا دو چلّے خلوت میں گذارے۔ تجلیّات الٰہی سے مشرف ہوئے۔ باجماعت پنجگانہ نمازیں اسی جگہ ادا کرتے رہے۔

سلطان قطب الدین مریدوں میں شامل ہو گیا۔ کمربستہ ہو کر خدمت گذاری کرتا رہا۔ حضرت امیرؒ فرماتے ہیں۔ "ایک رات میں ایک مسجد میں اکیلا تھا۔ پہر رات گذرنے پر ایک آدمی آیا۔ مجھے مسجد سے نکلنے کو کہا تاکہ دروازہ کو قفل لگادے۔ میں نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ بولا جو رات کو اس مسجد میں رہتا ہے، صبح کو مرا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے نہ مانا۔ اس نے باہر سے قفل لگایا۔ آدھی رات گذری۔ دروازہ کھلا۔ روشنی ظاہر ہوئی ایک نقاب پوش عورت اندر آئی۔ میں نے جا نچ لیا بھتنی ہے۔ قہر و غضب کی نظر ڈالی۔ چینا کی طرح دانہ دانہ ہو کر غائب ہو گئی۔ صبح کو لوگوں نے مجھے زندہ پایا تو حیران ہو گئے۔

حضرت امیرؒ اڑھائی برس کشمیر میں رہے۔ اسلام کی اشاعت کی۔ کشمیر میں "بانی مسلمانی" کا لقب پایا۔ پنڈتوں کے خاندانوں کے خاندان، گروہوں کے گروہ دائرہ اسلام میں آئے، جنہوں نے اپنے مندروں کو خود گرا کر مسجدیں تعمیر کیں۔ ہزاروں اوتاروں کی بجائے ایک وحدہٗ لاشریک کی پرستش ہونے لگی۔ ۷۸۳ھ میں تبت اور ترکستان روانہ ہوئے۔ بلتستان، لداخ، یارقند، کاشغر، ختن۔ تنگالا، روجی وغیرہ ملکوں میں اسلام کو پھیلایا۔ ۷۸۵ھ کو واپس کشمیر پہنچے۔ جہر سے اوراد فتحیہ پڑھنے کی عام اجازت دی۔ ۷۸۶ھ کو پکھلی تشریف لے گئے۔ "کنز سواد" میں پہنچے۔ یہیں ۶ ذالحجہ کو ملکِ جاودانی کو سدھارے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھکر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے عدد ۷۸۶ تاریخ سال وفات ہے۔ دفنانے کے متعلق جھگڑا ہوا۔ ہر ملک کے مرید ساتھ تھے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ مرشد بزرگوار کی نعش اپنے ملک میں دفن کرے۔ شیخ قوام الدین بدخشی نے تجویز پیش کی کہ غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد نعش کو تابوت میں رکھدیں گے۔ جو فرقہ تابوت کو اٹھائے گا

اسی ملک کے لوگ پیر کی نعش لے جائیں گے۔ تجویز پر عمل کی گئی۔ کوئی فرقہ تابوت ہلا نہ سکا۔ شیخ قوام الدین بدخشی آئے، تابوت کو اٹھایا، ختلان پہنچا کر ۵ جمید الثانی ۷۸۷ھ کو نعش مبارک سپرد خاک ہوئی۔

سبب تصنیف چہل اسرار

کشمیر میں زبان زد خاص و عام اور مشہور ہے کہ "چہل اسرار" وہ چالیس غزلیں ہیں، جو سیّد السادات منبع الفیوض والبرکات قطب ربّانی غوثِ صمدانی امیرِ کبیر میر سیّد علی الثانی السید علی الہمدانی قدس اللہ سرہٗ وروح اللہ روحہٗ نے ایک ہی وقت میں ایک شام کو چالیس مریدوں کے گھروں میں لکھی ہیں۔ ملّا حیدر بدخشی نے اپنی ایک تصنیف "منقبتہ الجواہر" میں واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ ایک دن کچھ مرید جناب حضرت سیّد علی ہمدانی کی خدمت میں فرداً فرداً ایک دوسرے کی بے خبری میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک نے التماس کی "آج شام کو نیازمند کے غریب خانہ پر تشریف لا کر وہیں افطار کریں اور ماحضر تناول فرماویں"۔ جناب نے ہر سائل کی دعوت کو منظور فرمایا۔ قوام الدین نے عرض کی "یا حضرت آپ نے ہر سائل کی دعوت قبول فرمائی اور ان میں سے ہر ایک اپنے حال اور استعداد کے موافق ضیافت کا انتظام کرے گا۔ کتنے درویش ہر گھر میں جائیں گے اور کھانا کھائیں گے۔ اگر جناب کا حکم ہو تو ہم ان سبھوں کو منع کریں گے"۔ آنجناب نے فرمایا کسی کو منع نہ کرو اور رد کو نہیں۔ شام ہو گئی اور کچھ سائل آ گئے۔ حضرت نے عشاء (خفتن) کی نماز ادا کی اور حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ نماز شکرانہ کی دو رکعتیں ادا کر کے باہر آئے۔ خادم سے پوچھا "آج کتنے سائل دعوت کرنے آئے؟" خادم نے کہا: "دولتمندوں میں سے تیس ۳۰ اور غریبوں میں سے دس آئے تھے۔ پھر آنجناب یاروں میں سے چار آدمی کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے اور چالیس سائلوں کے گھروں میں پہنچے، کھانا کھایا۔ غزلیں لکھیں اور ابھی عشاء کا وقت ختم نہ ہوا تھا۔ واپس آئے صبح ہوئی اور مریدوں میں سے ہر ایک مرشد بزرگوار کے آنے پر فخر کرتا تھا کہ کل رات پیر بزرگوار شام کے بعد اس کے غریب خانہ پر تشریف لائے اور ایک غزل لکھی۔ یہ چالیس غزلیں جمع ہوئیں اور ان کا نام "چہل اسرار" رکھا گیا۔

سبب تصنیف کے متعلق بدخشی صاحب لکھتے ہیں:۔ اے رفیق اس چہل اسرار کی تصنیف میں ایک سرّ ہے جو حق تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا ہے۔ اسی لئے ہم نے سبب تصنیف کو بیان نہیں کیا۔ ہم اندھے ہیں، خدا کی درگاہ کے محبوبوں (دوستوں) کے سرّ کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اگر بیان کریں گے تو زبان

جل جائے گی۔ اگر حقارت سے اس پر دیکھیں گے تو وہ بے ایمانی کا نشان ہوگا۔ اور ان کے لئے جو "طریقت" کے انتہائی منزل کو پہنچ چکے ہیں، بیان کرنے کی حاجت اور ضرورت ہی نہیں۔ وہ خود بخود اس حقیقت کی تہ کو اچھی طرح سے پہنچ سکتے ہیں اور جن کے ماتھے پر بدبختی اور نحوست کا نقش کندہ ہے۔ وہ کب اس سِرّ (راز) کے محرم (واقف) ہو سکتے ہیں۔

جو کچھ عوام میں اس واقعہ کے متعلق مشہور ہے، وہ آجکل کے سائنسی ایجادات کے مطابق کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ واقعہ "ٹیلی ویژن" (پردے رو کاوٹ حائل ہونے کے باوجود بہت دور سے دیکھنا) سے ارفع ہے۔ ٹیلی ویژن کے ذریعے کسی خاص ہستی کو یا جماعت کو دور دور مقامات پر دیکھنے اور دکھانے کے لئے آلات بجلی کی طاقت اور سامان کی ضرورت ہے۔ لاکھوں کیا کروڑوں روپے کی لاگت آتی ہے۔ پھر کام بنتا ہے۔ امریکہ یا انگلینڈ، چین یا جاپان میں جلسہ منعقد ہوا ہے اور ہم یہاں اپنے گھر میں جلسہ کی کاروائی دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ خاص اسی طرح جس طرح کہ یہ کام۔ یہ کاروائی اور یہ سب کچھ ہمارے گھر میں ہو رہا ہے کیونکہ ہم سب کچھ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور کانوں سے سنتے ہیں۔ یہ اجسام یہ آوازیں ایک دور مقام سے نقل ہو کر ہم تک پہنچتی ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجسام اور اصوات اپنی اشکال میں بلا کسی اشکال کے دنیا میں۔ فضا میں پھیلتی رہتی ہیں۔ اور جہاں کہیں ان کے نظر آنے کا سامان اور امکان ہو، وہاں نمودار ہوتی ہیں۔ لیکن ہم کو فطرت اور قدرت کے اس انتظام کی خبر نہ تھی۔ علمیت نہ تھی کہ ہم ایک خاص جگہ سے نہ ہلیں اور ہماری شکلیں اور آوازیں دنیا کے کونے کونے میں کسی فرق اور کمی بیشی کے بغیر نظر آئیں اور سنی جائیں۔ ہر زمانے میں روحانیت کے عالموں کو اس کی خبر اور واقفیت ہی نہ تھی، بلکہ وہ اس فن کے کامل ماہر تھے اور وہ اپنے جسموں کی تو بات ہی کیا ہے۔ اوروں کے جسموں، آوازوں اور کاموں کو اوزاروں کے استعمال کے بغیر ہی دکھا سکتے تھے، سنا سکتے تھے، وہ جسم کو چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچا سکتے تھے، چاہیئے فاصلہ کچھ ہی ہوتا، آٹھ دس میل یا کروڑوں میل۔ بلقیس کے تخت کو آصف بن برخیا چشم زدن میں سلیمانؑ کے سامنے لاتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کا معراج۔ حضرت عمرؓ کا خطبہ پڑھتے وقت مسجد نبوی سے "الی الجبل" کا حکم اس مسلمانوں کی فوج کو دینا جو شام میں لڑتی تھی طے مکان اور طے الصوت کی مشہور مثالیں ہیں۔ اولیاء اللہ میں سے کوئی بھی نہیں جو طے مکان کے علم و ہنر سے واقف نہیں۔ طے مکان ہے ایک مقام سے دوسرے بہت دور مقام پر چشم زدن میں مادی جسم کو پہنچانا۔ اس کا دوسرا طریقہ ٹیلی ویژن کے طریقے پر ہے۔ خود اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ اپنے جسم کے عکسی

کو جہاں مرضی ہو پہنچا نا۔ اپنے جسم کے کئی عکس یا بے شمار عکس پیدا کرنا اور ہر عکس کو الگ الگ جگہوں پر نمودار کرنا۔ ٹیلی ویژن کے عکس اور اس عکس میں جس کو "جسم مکتسبہ" کہتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ٹیلی ویژن کا عکس ہر جگہ ایک ہی حالت دکھاتا ہے۔ عاکس کی حالت، حرکات، سکنات کلام وغیرہ مگر اولیاء اللہ کا عکس (جسم مکتسبہ) اگرچہ اصلی جسم ہی نظر آتا ہے۔ لیکن یہ اصلی جسم سے مختلف کام کر سکتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ عکس ہوں تو وہ مختلف مقاموں پر مختلف کام اور مختلف کلام کرتے ہیں۔ نہ معلوم سائینس کبھی اس مقام پر پہنچے گا یا نہیں۔

کہتے ہیں کہ ماہِ صیام کے دن تھے۔ انہی دنوں میں ایک روز صبح سے شام تک چالیس عقید تمندوں نے بے خبری میں الگ الگ آکر پیر کامل (حضرت امیرؒ) سے افطار کرنے اور کھانا کھانے کی دعوت دی پیر کامل نے ہر ایک کی دعوت قبول کی۔ باورچی سے کہا ہمارے لئے یہیں کھانا تیار کرنا۔ افطار کا وقت ہوا۔ جناب حجرہ میں تشریف لے گئے۔ افطار بھی وہیں کیا۔ نماز وہی ادا کی۔ عشا کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر باہر تشریف لائے۔ کاغذ کے چند ورقوں پہ چالیس غزل لکھے تھے صبح مریدوں نے جب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے پر بات چیت شروع کی اور ایک دوسرے کو پیر کامل کی تشریف آوری کا شکر سنانے لگے تو بات کھل گئی۔ ایک نے سنایا کل شام پیر بزرگوار کمال عنایت سے میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ دوسرے نے بھی یہی سنایا۔ تیسری نے بھی یہی اور غزل بطور شہادت پیش کی۔ باورچی اور خدام درگاہ نے سنایا کہ پیر کامل کل شام کو باہر تشریف ہی نہیں لے گئے۔ افطار حجرہ میں کیا۔ کھانا بھی وہیں کھایا نمازیں بھی اسی میں ادا کیں اور دیر کر کے باہر آئے۔ کاغذ پر کچھ غزلیں لکھی تھیں جو موجود ہیں۔ مقابلہ کیا گیا تو چالیس گھروں میں جو غزلیں ایک ایک تقسیم ہوئی تھیں، ان کا مجموعہ حجرہ میں موجود تھا۔

جناب حضرت امیر کبیر میر سیّد علی الثانی علیؒ الہمدانی کے پاس یہ کوئی بڑی کرامت نہ تھی۔ کیونکہ احسام مکتسبہ سے کام لینا جانتے تھے اور یہ عکوس "علیؒ" کے مجسم چالیس علیؒ تھے۔ جنہوں نے کھایا پیا الگ الگ باتیں کیں الگ الگ غزلیں کہیں اور لکھیں اور علیؒ الثانی قدس اللہ سرہٗ حجرۂ مبارک سے باہر تشریف نہیں لے گئے۔ مُلّا حیدر بدخشی اور عوام میں جو اختلاف ہے وہ اتنا ہی ہے کہ بدخشی صاحب کہتے ہیں کہ جناب چار یاروں کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لے گئے اور ہر گھر میں پہنچے۔ عوام کا عقیدہ ہے کہ جناب نے حجرہ سے باہر قدم رنجہ نہ فرمایا اور چالیس مریدوں کے گھروں میں پہنچے۔ کھانا کھایا غزلیں لکھیں۔ واقعی یہ ایک بڑی کرامت ہے۔ اس میں "راز" ہے اور یہ سِرّ ہے۔ کوئی معمولی فارسی داں غزلوں کے تحت اللفظ معنی کو سمجھ سکتا ہے۔ کوئی خوش لحن، خوش آواز غزلوں کو ترنّم سے گا سکتا ہے۔

سامعین کو وجد میں لا سکتا ہے، لیکن جو اسرار حضرت امیر قدس اللہ سرہٗ نے ان میں بیان فرمائے ہیں وہ جیسا کہ بدخشی صاحب نے کہا ہے "طریقت" نے انتہائی منزل پر پہنچے ہوئے محبوبانِ الٰہی کے بغیر اور کوئی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا ہے۔ غزلوں میں الفاظ کی بندش، چستی، سلاست روانی، ترنم اور تشبیہات، استعارات تلمیحات کا استعمال قابلِ داد ہے۔ کیوں یہ ابیات ظاہری اور باطنی خوبیوں سے مالامال نہ ہوں۔ جب جناب جیسے علم ظاہری اور باطنی کے "فاضل" کی زبان اور قلم سے نکلے ہوں۔

مجھے معلوم نہیں کہ اردو میں "چہل اسرار" کا ترجمہ کسی نے کیا ہے یا نہیں۔ ایک عارف باللہ ولی اللہ صاحب متو نے کشمیری نظم میں غزلوں کے مفہوم کو ادا کیا ہے، اور ہم جیسے کم فہموں کے لئے مشکل کو اشکل بنا دیا ہے۔

اگلے صفحوں سے ترجمہ شروع ہوگا۔ حتی المقدور کوشش کی جائے گی کہ ترجمہ عام فہم اور سلیس ہو۔ ضرورت کے موقعوں پر تشریح سے کام لیا جائے گا۔ پھر بھی قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ اس بات کو مدِنظر رکھیں کہ "اسرار" کی تشریح اگر درست طور پر ممکن ہوتی تو پھر یہ "اسرار" نہ کہلاتے اور پھر اُس شخص سے جو طریقت سے بالکل ناواقف ہے (معرفت اور حقیقت کی تو بات ہی نہیں) صحیح تشریح کیونکر ممکن ہے۔ مجھے پوری اُمید اور یقین کامل ہے کہ جناب حضرت امیر کبیر قدس اللہ سرہٗ اس کام میں بذاتِ خود میری مدد فرمائیں گے اور اپنی روحانی تعلیم سے ظلمت وہم سے نکال کر نورِ فہم سے نوازیں گے۔ تاکہ پڑھنے والے شائقین بھی فیوض و برکات سے مستفید ہوں گے۔

ترجمہ کے لئے جو نسخہ زیرِ استعمال ہے وہ ابو محمد حسن بن حافظ ولی اللہ کا چھپوایا ہوا ہے اُس کا دعویٰ ہے کہ اُس نے پرانے معتبر اور صحیح نسخوں سے چھان بین کے بعد نقل کیا ہے۔ اس لئے میں نے اس پر اکتفا کرنا مناسب سمجھا۔ کاتب سے کتابت میں اگر کہیں غلطی ہوئی ہے اس کا خیال رکھا گیا ہے۔

"حلقہ غلامانِ امیر کبیر علیؒ الہمدانی"

عبد الکبیر

چہل اسرار

غزل نمبر 1

ای گرفتاراں عشقت فارغ از مال و منال

والہانِ حضرتت را از خود حبت ملال

ای: ندا ہے + منادیٰ: (اللہ معشوقِ حقیقی) محذوف ہے + عشق: محبت کا انتہائی درجہ۔ وہ درجہ جس میں محبوب سے ملنے اور محبوب کو حاصل کرنے کی خواہش، عاشق کو بے آرام بیقرار اور مضطرب بناتی ہے۔ محبت کی آگ سے سینہ آتش کدہ بنتا ہے۔ دِل جلنے سے کباب ہوتا ہے اور خونِ جگر آب ہو کر آنسو کی شکل میں بہتا ہے۔ محبوب کی یاد کے بغیر سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔ دماغ پر اثر پڑتا ہے۔ عقل تحلیل ہوتی ہے۔ مستی اور دیوانگی غلبہ کرتی ہے۔ بدنامی اور رسوائی کا خیال مٹ جاتا ہے۔ تنہائی میں لُطف آتا ہے۔ محفلوں اور مجلسوں میں دل گھبراتا ہے۔ آہ و زاری کے بغیر کسی شغل میں دل نہیں لگتا ہے۔

فارغ: کام کو پورا کر کے چھوڑنے والا۔ خلاصی پانے والا + منال: دھن دولت، جاہ و حشمت + والہ: مداح، عاشق، دیوانہ، دلدادہ + حضرت: درگاہ، بارگاہ بیٹھنے کی خاص جگہ، محلِ شاہی + ملال: رنج، ناراضگی، نفرت، آزردگی +

جناب حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ "عشق" کو ایک ایسی ہستی قرار دیتے ہیں جو انسانوں کو پکڑتی ہے اور گرفتار کرتی ہے۔ دُنیا و مافیہا سے خلاصی دیتی ہے۔ فرماتے ہیں، مجھے تیرے گرفتاروں (عاشقوں) کے حال کی خبر نہیں۔ البتہ تیرے عشق کے گرفتاروں کو جانتا ہوں کہ عشق نے ان کو دھن دولت اور جاہ و حشمت کے خیال سے فارغ کر دیا ہے۔ دُنیا اور جو کچھ اس دُنیا میں ہے اس سے متنفّر بنا دیا ہے اور تیرے ساتھ ملنے اور تیرا وصال حاصل کرنے کے بغیر اور کوئی چاہت یا خواہش ان کے دلوں میں باقی نہیں رکھی ہے۔ یہ تو تیرے عشق کے گرفتاروں کا حال ہے۔ تیرے گرفتاروں کا حال تو ہی جانتا ہے۔ ان کا مقام اور درجہ کتنا اونچا اور بلند ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تیری بارگاہ کے شیدائی جو تیرے حضور میں جگہ ملنے کی تڑپ رکھتے ہیں اور تیرے حرم خاص میں تیرے قریب رہنا چاہتے ہیں۔ اپنے آپ سے اور جنت سے بیزار اور رنجیدہ ہیں۔

اپنے آپ سے اس لئے آزردہ ہیں کہ بشریت کے لباس میں وہ قرب میں رکاوٹیں پاتے ہیں اور بشریّت ان کو قرب سے دُور رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ حجاب ان سے دُور ہو۔ یہ پردہ اُٹھ جائے اور قرب حاصل ہو جائے۔ جنت سے اس لئے ان کو رنج ہے کہ جنّت محبوب کا مقام نہیں۔ جنّت اسُی نے اپنے نیک اور فرمان بردار بندوں کے لئے بنایا ہے۔ یعنی جنّت محل خاص اور حرم سرا نہیں بلکہ نوکر خانہ ہے۔ دیکھئے جو شخص محل خاص میں جانا چاہتا ہو اور مالک سے ملاقات اور قرب چاہتا ہو۔ اگر اس کو نوکر خانہ میں بٹھایا جائے تو کیا وہ رنجیدہ خاطر نہیں ہوگا۔ ضرور وہ اس نوکر خانہ کو نفرت کریگا۔ مقام الوہیت میں پہنچنے کے خواہشمندوں کا حال یہی ہے۔ وہ جنت کو فرمان بردار نوکروں کا گھر سمجھتے ہیں اور اسی اپنی خواہش کے مطابق نہیں پاتے ہیں بلکہ شاہی محل اور مقام اعلیٰ میں جگہ چاہتے ہیں۔ یہی ان کے جنت سے متنفّر ہونے کا باعث ہے۔ مقام تجلّی کے بارے میں ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ شبِ آسَریٰ میں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلام سے التماس کرتے ہیں کہ میں اس مقام کیطرف سر مو کے برابر قدم نہیں بڑھا سکتا ہوں۔ کیونکہ فروغ تجلّی کی برداشت مجھ میں نہیں۔ اس سے مقامِ تجلّی اور جنّت کا فرق واضح ہو جاتا ہے اور مقام تجلّی کے مقابلہ میں جنّت کا قابل نفرت مقام ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ ہم ہیں جو یہی جنّت حاصل کرنے کے لئے اور اس جنّت میں جگہ پانے کے لئے دُعائیں مانگتے ہیں، سربسجود ہوتے ہیں خاصانِ الہٰی کو لقاء الہٰی (دیدار اور حضوری) کے سوا اور کسی بات کی خواہش نہیں ہوتی ہے۔ شیخ نور الدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ عالموں، عابدوں اور زاہدوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔ "جہنم اور دوزخ کے ڈر اور جنّت کی ہوس سے تم عبادت اور بندگی کرتے ہو۔ یاد رکھو کہ ہزاروں میں سے مشکل سے کسی ایک بھی کو نجات حاصل نہ ہوگی"۔ قربِ الہٰی حاصل کرنے اور بارگاہ الہٰی میں جگہ پانے کے لئے جہنم کے ڈر اور جنت کی طمع سے بالاتر ہو کر یاد الہٰی میں منہمک ہونا اور مِٹ جانا ذریعۂ نجات ہے۔ ذاتِ الہٰی اِدراک سے بالاتر ہے۔ آنکھیں دیکھ نہیں سکتی ہیں۔ عقل سمجھ نہیں سکتی ہے۔ حواس نہیں پا سکتے ہیں۔ اس لئے اس کا واحد راستہ "عشق" ہے اور یہ "عشق" اس کی مخلوق پر اور اس کی صفات پر تفکّر کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ نور السمواتِ والارض کے جمال کو دیکھکر تیفکروں فی خلق السموات والارض پر فکر راہ اس کے جلال، قوت اور طاقت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح ذات الہٰی کا "نور

اور طاقت" ہونا ان کے دلوں پر نقش ہو جاتا ہے۔ مصنوعی بجلی طاقت اور نور کا مجموعہ ہے کونسا مشکل کام ہے جو یہ بجلی نہیں کر سکتی ہے۔ پھر حقیقی نور اور طاقت کے سامنے سیاروں، ستاروں اور کائنات کا پیدا کرنا اور اس کا نظام چلانا کونسی بڑی بات ہے۔ اسی نور اور طاقت میں مل کر ایک ہونا انسان کا مقصد اعلیٰ ہے۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ "عشق" ہے۔ اس واسطے اس "عشق" کا "عشق" اور محبت قدم اولیں ہے۔ کیونکہ پھر یہی عشق قرب خاص میں پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسی عشق کی تعریف میں حضرت "علائی" قدس اللہ سرہ نغمہ سرا ہوتے ہیں۔ "ای گرفتاراں عشقت . . ."

کائنات کے ہر ذرّہ میں نور اور طاقت جلوہ گر ہے، اور یہی نور اور قوت "حیات" ہے۔ جو لافانی ہے۔ رنگ رنگ میں اس کا ظہور ہے۔ کبھی جمال کی صورت میں کبھی جلال کی شکل میں کبھی جمال اور جلال دونوں کے لباس میں مل کر ہے عارفوں کو حیرت اور مفکروں کو سکتہ۔ جو حل کبھی نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا۔

مفلسانِ کوئی شوقت را غلامی کردہ چرخ
سالکانِ راہ وصلت را دو عالم پائمال

مفلس: محتاج، گدا، بھکاری + کوی: کوچہ، گلی + شوق: رغبت، خواہش، شوق محبت، اور عشق میں فرق ہے۔ ابتدائی مرحلہ شوق ہے جب شوق میں ترقی ہوتی ہے تو محبت پیدا ہوتی ہے۔ جب محبت میں حد درجہ کی شدت اور زیادتی آجاتی ہے تو عشق کی صورت رونما ہوتی ہے + چرخ: آسمان (آسیا: چکی، ماں: جیا، ی ساقط ہو گئی ہے اور آسمان کثرت استعمال سے رہا ہے۔ چکی کی طرح چکر لگانے والا) پرانے لوگوں کا خیال تھا کہ حدِ نظر پر نیلگوں نظر آنے والا محرابی شکل کا نظارہ ایک ٹھوس جسم ہے جس میں قدرتِ کاملہ نے سورج، چاند اور تارے جواہروں کی طرح جڑے ہوئے ہیں اور یہ ٹھوس جسم ہمیشہ چکر میں ہے۔ اس کا اور اس کے چکر کا اثر زمین اور زمین کی مخلوقات پر ہے۔ زمین پر رہنے والے اس کے اثرات سے محفوظ نہیں۔ یہی آسمان کرتا دھرتا ہے۔ اس واسطے لوگ اس کا شکوہ بھی کرتے تھے اور اس کو سراہتے بھی تھے۔ سائنس نے اس خیال کی تردید کی ہے۔ فضا لاانتہا ہے۔ اس فضا میں سیارے اور تارے لاکھوں اور کروڑوں میلوں کی مسافت پر ایک دوسرے سے دور اپنے محوروں اور مداروں پر چکر میں ہیں۔ دستِ قدرت (دوسرے لفظوں میں جس کو کشش کہتے ہیں) ان سیاروں اور ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پر تھامے ہوا ہے۔ گو موجودہ زمانے کی تحقیقات سے آسمان کا وجود معدوم ہو گیا، لیکن حقیقت میں فرق نہ آیا۔ گردش اور چکر موجود ہے۔ اثرات موجود ہیں۔ جن اثرات سے زمین کے رہنے

والے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

سالک: راہ رو۔ عام استعمال میں خدا کے راستے پر چلنے والا۔ خدا کا قرب ڈھونڈھنے والا۔ خدا دوست۔

وصل:۔ ملنا۔ بے حجاب ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ بغل گیر ہونا۔

پائمال:۔ پاؤں تلے روندا ہوا۔ مسلا ہوا+

"شوق" کو ایک ہستی قرار دیا گیا ہے جس کا ایک محل ہے۔ جس میں "شوق" رہتا ہے۔ شوق کے محل تک جانے کے لئے ایک گلی ہے اور گلی میں شوق کے بھکاری ہیں۔ جو محبت کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان بھکاریوں کی شان کیسی ہے؟ جناب قدس اللہ سرہٗ ان کی شان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ تمہارے شوق کے بھکاریوں کی شان یہ ہے۔ کہ بلند آسمان شان و شوکت والا چرخ ان کی غلامی فرمان برداری اور تابعداری کرتا ہے۔ وہی کرتا ہے جو یہ چاہتے ہیں یا کہتے ہیں۔ یہ مقام "شوق" کی گلی میں بھیک مانگنے والوں کا ہے۔ تیری گلی میں اور تیرے محل سرا میں باریابی پانے والوں کا مقام اور درجہ کیا ہے؟ اس کا اندازہ لگانا ان سے جو اس دربار میں باریاب نہیں ہوئے ہیں۔ آسان نہیں۔

تیرے وصل سے مستفید اور بہرہ ور ہونے کے لئے جن لوگوں نے سفر اختیار کیا ہے اور تیرے وصل کی راہ پر گامزن ہیں، ان کے پاؤں کے نیچے دونوں عالم (دُنیا اور عقبیٰ) روندے جاتے ہیں۔ انہوں نے دُنیا اور آخرت کو لات ماری ہے۔ نہ دُنیا سے لگاؤ ہے نہ آخرت کی چاہت ہے۔ دونوں کو خیرباد کہکر تم سے ملنے کے لئے قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔

عارفانِ وصفِ تو مغبوطِ اشراف ملک
مدبرانِ در گہت سرگشتہ در تیہہِ ضلال

عارف: واقف، شناسا، جاننے والا+ غبط: رشک + مغبوط: رشک کیا گیا + اشراف: جمع شریف بہترین اور مہذب + مُدبّر: رندہ، نکالا ہوا، دُور کیا گیا ہوا، بدنصیب + تیہہ: جنگل، بیابان، صحرا، میدان + ضلال: گمراہی +

تیری ذات کے نہیں (کیونکہ یہ بہت بلند مقام ہے) تیری صفات کے جاننے والوں پر فرشتوں کے سردار اور شریف رشک کرتے ہیں۔ تیری صفات کے جاننے والوں کا مرتبہ اتنا اونچا ہے۔ کہ ملایک مقربین رشک کرتے ہیں کہ ان کو کیوں یہ مقام حاصل نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ تیرے جاننے والوں کا مقام کیا ہوگا۔ جب صرف تیرے صفتوں سے واقفوں کا حال یہ ہے کہ فرشتوں میں سے جو سب سے زیادہ

شریف اور بہتر ہیں وہ ان کا مرتبہ دیکھکر رشک ہیں کہ ہمیں یہ مرتبہ حاصل کیوں نہیں اور جو تیری درگاہ سے نکالے گئے ہیں، وہ گمراہی کے میدان میں آوارہ حیران اور پریشان ہیں۔ ایک طرف سے آتے ہیں۔ دوسری طرف کو جاتے ہیں۔ ٹھکانے کو پاتے نہیں۔ بارگاہ الٰہی اطمینان، آرام اور سکون کی جگہ ہے۔ اس درگاہ سے جن کو گمراہی کے بیابان میں دھکیلا گیا۔ وہ سرگشتہ اور پریشان حال نہوں، تو اور کیا کہوں، کیونکہ ان کو درست راستہ ملتا نہیں۔ گمراہی کے میدان میں کوئی شاہراہ اور سیدھی سڑک نہیں۔ خدا اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ سے نہ نکالے۔

شمۂ از فیض لطفت بوی بردہ نہ فلک
گشتہ سرگرداں بگردِ آستانت ماہ سال

شمۂ: ذراسی خوشبو + لطف: عنایت، مہربانی، پاکیزگی + بوی بردن: سونگھنا + آستان: چوکھٹ، دہلیز، ڈیوڑھی +

تیری عنایت مہربانی اور پاکیزگی کے فیض (بخشش) کی ذراسی خوشبو نو آسمانوں نے سونگھی ہے جب نو آسمانوں کے دماغ میں یہ ذراسی خوشبو آئی تو یہ آسمان اس جگہ کی تلاش میں لگے جہاں سے یہ خوشبو آئی انہیں معلوم ہوا کہ یہ خوشبو تیری ڈیوڑھی سے آتی ہے۔ تو پھر یہ اس چوکھٹ کا طواف کرنے لگے۔ تب سے یہ ہمیشہ اس تمہارے چوکھٹ کے گرد چکر میں ہیں اور سرگرداں ہیں کہ اس ڈیوڑھی سے اندر جانے کا راستہ ملے۔

بلبلان نغمۂ تسبیح در بستان غیب
وحدۂ گویاں بزیرِ گلبن باغ وصال

تسبیح: اللہ کی حمد بیان کرنا، سبحان اللہ کا ذکر کرنا، یاد الٰہی میں مصروف ہونا + گلبن: گلاب کا پودا
بلبل: ہزار داستان +

بلبلوں سے مراد۔ ملائک مقرب۔ کروبیاں۔ ارواح مقدس انبیا و اولیاء اور صاحب دل عاشقانِ خدا ہیں بلبل ہزار داستان پھولوں کا عاشق ہے۔ اور پھولوں کے پودوں پر دن رات چہچہاتا رہتا ہے۔ گلستان اس کی چہک سے گونجتا رہتا ہے۔ اس کی چہک اس قدر لطیف، شیرین اور خوشگوار ہے کہ اس کی خوشنوائی سے سننے والوں پر مستی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ کشمیر کی بلبل اسی کی بہن ہے۔ یہ بھی خوشنوا ہے، لیکن اس میں اور ایرانی بلبل میں نغمہ سرائی کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ وصال کو قدس اللہ سرہٗ نے باغ سے تشبیہ دی ہے

جس میں گلاب کے پودے پھولوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

بستان غیب سے مراد عالم غیب ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے "یومنون بالغیب"۔ عالم سر ہے جو عالم ظہور کا دوسرا رخ ہے۔ بوستان غیب ارواح مقدسہ۔ ملائیک اور کارکنان فطرت کا مسکن ہے جو ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور اس عالم کو دل کی بصیرت والی آنکھیں ہی دیکھ سکتی ہیں۔ عالم غیب کے ساکنوں کی باتیں اور نغمہ سرائیاں، دل کے گوش شنوا سنتے ہیں چونکہ قدس اللہ سرہ کی باطنی آنکھیں اور باطنی کان بینا اور شنوا تھے اسواسطے وہ اپنے ذاتی تجربہ کو اس شعر میں بیان فرماتے ہیں۔ اور ہم کو یہ خیال پیدا کرنے کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ (قدس اللہ سرہ) بوستان غیب کے گلگشت کرنے والوں اور بوستان غیب کے حال سے واقفوں میں سے ہیں۔ ورنہ ان کی زبان مبارک سے ایسا شعر نہیں نکلتا جو حقیقت پر مبنی ہوتا۔

فرماتے ہیں عالم غیب کے بوستان میں ایک پھلواڑی ہے جس کا نام باغ وصال ہے۔ جس میں نیک بخت اور خوش نصیب واصل باللہ یادِ الٰہی اور ذکرِ خدا کی نغمہ سرائی میں مشغول ہیں۔ ان کی محفل باغ وصال کے گلاب کے پودوں کے نیچے جمی ہوئی ہے۔ اور "وحدہٗ" کا گیت گا رہے ہیں۔

یہ ایک دقیق مسئلہ ہے۔ باغ وصال میں بھی "انت اللہ الاحد" (تو واحد خدا ہے) کی بجای "وحدہٗ" کی تسبیح کا گانا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قرب کے مقام پر بھی غائبی ہی سے اس کی یاد کی جاتی ہے۔ "وحدہٗ" وہی ایک ہے اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔ وحدت کے اسی اعلیٰ مقام پر بھی حضوری کی آرزو ہے۔ سبحان اللہ ذات باری کس قدر بلند اور ارفع ہے۔ کس قدر ادراک سے بالاتر ہے۔ کہ "باغ وصال" میں ہونے پر بھی "وحدہٗ" کا راگ ہی گایا جاتا ہے۔ سبحان الملک القدوس۔

آتش از لطف گلستان گشتہ در پیش خلیل
خوردہ نمرود بے بقہر از نیم پشہ گوشمال

خلیل: سچا دوست + صادق محب: حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ صلوٰۃ والسلام کا لقب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ صلوٰۃ والسلام نے جب لوگوں کو بت پرستی اوہام پرستی اور رسوم پرستی ترک کرنے اور واحد خدا کی پرستش کرنے کی دعوت دی تو لوگ اس کے مخالف اور دشمن بن گئے۔ نمرود جو اس وقت بابل کا بادشاہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ حضرت ابراہیم کو گرفتار کیا جائے اور آگ میں ڈال کر جلایا جائے۔ ایندھن کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال کر ہر طرف سے ذخیرہ کو آگ لگا دی گئی۔ آگ چاروں طرف سے بھڑک اٹھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ ابراہیم

علیہ السلام جل کر خاکستر ہو گئے۔ جب آگ بجھ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرتؑ کے اِرد گرد کی لکڑیوں کے ٹکڑے سبز ہو گئے ہیں اور ان میں پھول کھلے ہیں۔ یہ معجزہ دیکھ کر لوگ حیران ہو گئے اور نمرود نے حضرتؑ کو عراق سے جلاوطن کر دیا۔ حضرت علیہ السلام عرب آ گئے۔ جہاں انہوں نے امرِ خدا کی تعمیل میں کعبہ کی تعمیر کی۔

گوشمال :۔ سزا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جلاوطنی اور عراق سے عرب جانے پر نمرود کو خیال ہوا کہ اب اس کی خدائی پر نکتہ چینی کرنے والا اور مخالفت کرنے والا کوئی نہیں، لیکن حکم الٰہی سے ایک لنگڑا مچھر ناک کے راستے اس کے دماغ میں داخل ہوا۔ اس کے ڈنگ اور زہر سے نمرود کا دماغ متاثر ہوا اور نمرود ہلاک ہو گیا۔

تیری مہربانی۔ عنایت اور لطف سے تیرے سچے دوست (ابراہیم علیہ السلام) پر آگ (جس کی خاصیت جلانے اور خاکستر بنانے کی ہے) گلزار ہو گئی۔ لکڑیوں میں ہی پھول نہ کھلے۔ بلکہ شعلوں نے بھی گلدستوں کی شکل اختیار کی۔ اور ایک زبردست قہار خدائی کا دعویٰ کرنے والا بادشاہ (نمرود) تمہارے قہر ناراضگی اور غصہ سے ایک لنگڑے مچھر سے سزا پا تا ہے۔

طوطیاں طارمِ علوی بر آوردہ زجاں
نعرۂ ہای "ماعرفناک" ای قدیم ذوالجلال

طوطیوں سے مُراد ارواح مقدسہ اور فرشتے ہیں + طارم : بالا خانہ + علوی : آسمانی + بلندی ۔ بہت اونچا + ماعرفناک : ہم نے تجھے نہیں پہچانا + قدیم : پرانا + ذو الجلال : بزرگی ۔ بڑائی اور شان والا +

ذاتِ الٰہی کو "قدیم" تصور کرنا نسبتی زمانہ کے لحاظ سے ہے۔ ہر ستارے اور سیارے کا اس کی گردش اور چکر کے مطابق اپنا اپنا ایک نسبتی زمانہ ہے۔ چنانچہ ہمارا زمانہ "زمین" کے اس چکر اور گردش کی نسبت سے تصور کیا جاتا ہے جو یہ زمین اپنے محور اور مدار ارضی پر کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ "زمانہ" اضلی ہے۔ قدیم۔ موجودہ اور جدید (آئندہ) زمانہ کا خیال ہم میں لیل و نہار اور ماہ و سال کے تغیر اور اختلاف کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ذات باری ازل اور ابد سے مبّرا ہے۔ اس لئے نہ تو اس کے لئے ازل ہے اور نہ آخر ہے ہے، جیسا کہ کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں (قدس سرہٗ) بلند و بالا بالاخانہ میں رہنے والے تسبیح خواں فرشتے اور ارواحِ مقدس جان سے (دل سے پورے یقین اور ایمان سے) نعرہ (اونچی آواز) لگاتے ہیں کہ "اے بڑے شان و شوکت والے "قدیم" ہم نے تجھے نہیں پہچانا۔" مُراد یہ ہے کہ ذاتِ باری کو جاننا کہ کیا ہے۔ کیسا ہے ہر مخلوق کی طاقت سے

باہر ہے۔ چاہیئے فرشتے ہوں۔ ارواح مقدس ہوں۔ انسان ہوں، حیوان ہوں یا کائنات فطرت ہوں۔ اس لئے ہم کو اس پر ایمان رکھنا اور یقین کرنا ہے کہ ہے، جیسا کہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "صفات الہٰی پر فکر کرو۔ لیکن ذاتِ الہٰی پر غور فکر نہ کرو"۔ کیونکہ ذات الہٰی کو جاننا اور پہچاننا کسی مخلوق سے ممکن نہیں۔

پرتوے از عکسِ رُوئیت تافتہ بر رُوی خاک
خاک از آن پوشیدہ چندین خلعتِ حُسن و جمال

پرتو: سایہ۔ روشنی، شعاع + عکس: اُلٹا، جیسے چاند، سورج یا کسی چیز کو ہم آئینہ میں دیکھیں۔ آئینہ میں جو نظر آتا ہے وہ عکس ہے۔ اصل نہیں +

(قدس اللہ سرہٗ) فرماتے ہیں کہ تیرے چہرے کی ڈیرک (براہ راست) روشنی نہیں بلکہ تیرے چہرے کے عکس کی روشنی کی ایک شعاع مٹی کے مُنہ پر چمکی (پڑی) (مثلاً سورج کا عکس آئینہ پر پڑا اور اس عکس کی روشنی دیوار پر چمکی اس طرح دیوار کی روشنی عکس کا عکس ہے۔ آئینہ پر روشنی ڈیرک روشنی ہے۔ سورج سے چاند پر جو روشنی پڑتی ہے، وہ روشنی براہ راست سورج کی ہے اور چاند سے زمین پر جو روشنی آتی ہے وہ چاند کی روشنی کا عکس ہے سورج کی براہ راست روشنی نہیں۔ اگرچہ حقیقت میں زمین پر پڑنے والی روشنی ہی کی روشنی ہے) اور مٹی نے اس کی برکت اور فیض سے حُسن اور جمال کے اتنے (بے شمار رنگا رنگ اور گوناگوں) عطا شدہ شاہی لباس پہنے۔

زمین کی ہر چیز (جمادات، نباتات اور حیوانات) مٹی کی پیداوار ہے۔ قدرتِ کاملہ نے مٹی کو ایسے اجزاء سے بنایا ہے جن کے متناسب مقداروں میں آپس میں ملنے سے مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں معینہ وقت تک ایک دوسرے کے کام آ کر پھر مٹی بنتی ہیں۔ جس سے پھر چیزیں بنتی ہیں اور یہ سلسلہ لگاتار جاری ہے۔ سونا، چاندی، جواہر وغیرہ جمادات، درخت، پودے، پھول، پھل، میوے، اناج وغیرہ نباتات چرندے، درندے، پرندے، کیڑے مکوڑے، انسان اور دیگر حیوانات مٹی کی عناصر کی پیداوار ہیں۔ مٹی ہر وقت حُسن و جمال کے لباس کو پہنتی رہتی ہے اور بدلاتا رہتی ہے۔ لیکن حیات اور نشو و نما منبع حیات سے ہے۔ "حیّ قیوم" کے عکس کا نام حیات ہے۔ حیات کی ایک شعاع (کرن) ہماری زمین پر پڑتی ہے جس کی برکت سے زمین کی یہ رونق ہے اور زمین حُسن و جمال کا گہوارہ ہے۔ حسین صورتیں، عالی دماغ، بلند خیال ہستیاں، گل و گلزار، راغ و باغ۔ معطر اور خوشبودار چیزیں خوش ذائقہ اور لذیذ کھانے حقیقت میں مٹی ہیں۔ مٹی ان کی پیدائش سے ہے اور مٹی میں بازگشت ہے اور یہ سب کچھ اس رُوی کے عکس کے عکس سے ہے جس کو "وجہ اللہ" کہتے ہیں۔ وَ یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

خامۂ صنعت چو بست این نقشِ تمثالِ وجود
مُہر شد بر تختۂ غیب این مثال از بے مثال

صنعت: کاریگری۔ دستکاری + تمثال: صورت، پیکر، فرمانِ شاہی + مثال: نظیر، تصویر، مانند، جیسا، عالمِ مثال +

بے مثال اور بے نظیر قدرت اور طاقت والے کی طاقت میں صنّاعی کی قوّت ہے۔ اِس طاقت اور قوت کا ظہور ہاتھوں سے نہیں۔ بلکہ محض اِرادہ اور اَمر سے ہوتا ہے۔ عناصر اور مواد جن میں اس ذو القوۃِ المتین نے طاقت ودیعت رکھی ہے خود بخود حرکت میں آتے ہیں اور نقشبندی کام کرنے لگتے ہیں۔ خالق کا ارادہ اور امر وجود اور ظہور کی نقشبندی کا قلم ہے اور یہی "خامۂ صنعت" ہے۔ "اِنّمآ اَمرُہٗ اِذآ اَرادَ شیئًا اَنْ یّقُولَ لَہٗ کُن فیکُون" یہی اِرادہ اور اَمر "دستِ قدرت" ہے۔

قدس اللہ سرہٗ۔ فرماتے ہیں۔ جب تیری دستکاری اور کاریگری کے قلم نے ہستی (وجود) کی صورت بندی کا نقش باندھا (خاکہ کھینچا) تو غیب کے تختہ پر بے مثال (خدا) سے یہ تصویر کھینچی گئی۔ عالم وجود کا نقشہ پہلے عالمِ غیب میں ہوتا ہے جس کو "عالمِ مثال" کہتے ہیں۔ ہر وجود کا خاکہ پہلے ہی سے عالمِ مثال میں پہلے ہی مکان کا نقشہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسی خیال کے مطابق مکان بنتا ہے۔ خیالی مکان جس کا خاکہ دماغ میں مرتب ہوا۔ عالمِ مثال کا مکان ہے جو عالمِ وجود میں مدت گذرنے کے بعد وجود میں آتا ہے جس کو عالمِ اجسام کہتے ہیں۔ عالمِ اجسام عالمِ عناصر کا نتیجہ ہے جو عالمِ ارواح سے حرکات و سکنات اور نشو و نما پاتا ہے۔ ان تینوں عالموں کا خاکہ اور نقشہ "خامۂ صنعتِ ایزدی نے پہلے ہی سے "عالمِ مثال" میں کھینچا ہوا ہوتا ہے۔ "یہ عینی اور شہودی" ہیں۔ ان سے آگے عالمِ غیبی ہیں جن کا تعلق علمِ غیب سے ہے۔ ان کی آگاہی خاصانِ خدا کو حاصل ہوتی ہے جو بحرِ توحید میں مستغرق ہوئے ہوتے ہیں۔ عالمِ مثال بے مثال سے بنا، اس لئے بہت سے لوگ "ہمہ اوست" کے معتقد ہیں۔ اور ہر ذرہ میں جلوۂ الٰہی کا ظہور دیکھتے ہیں۔ اور ساجد اور مسجود ان کے پاس دو نہیں ایک ہی ہیں۔ خود ہی ساجد اور خود ہی مسجود۔ خود ہی خالق اور خود ہی مخلوق جو ارادہ اور امر کی طرف زیادہ دھیان رکھتے ہیں، وہ "ہمہ از وست" کے قائل ہیں۔ اس کے "خامۂ صنعت" نے بنایا جو کچھ بنایا۔ یہ سب کچھ اس کی صنعت گری، دستکاری اور کاریگری ہے۔ وہ مصوّر ہے اور یہ تصاویر اس کی بنائی ہوئی ہیں۔ اسی کی ہیں، مالک وہی ہے، اس لئے "ہمہ از وست" پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس شعر کی تشریح صاحبدل باخبر عالمِ غیب سے آگاہ حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ ہم جیسے بے مایہ اور جاہلوں سے اس کے نتہ کو پہنچنا آسان نہیں۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ہم خوش الحانی سے گائیں اور دہرائیں

خامۂ صنعت چو بست این نقشِ تمثالِ وجود
مہر شد بر تختۂ غیب این مثال از بے مثال

ہر کہ بر خاکِ درت رہ یافت عزت یافت او
گر بیانِ وصفِ او فرسودہ شد سرِ مقال

فرسودہ شدن: گھس جانا، رگڑ رگڑ کھا کر ختم ہونا + مقال: گفتگو، لیکچر، تقریر

جس نے تیرے دروازہ (پھاٹک جس سے گھر میں داخل ہوتے ہیں) کی مٹی پر سے گذرنے کا راستہ پایا۔ اس نے عزت (بلند مرتبہ، عظمت، آبرو) پائی۔ اس بلند اقبال خوش نصیب، نیک بخت کی تعریف کرنے سے "گفتگو" کا سر گھِس گیا۔ قوتِ مقال اور گفتگو کو ایک مجسم ہستی قرار دیا گیا ہے جس ہستی کا سر ہے، جس سر میں دماغ ہے جو فکر و خیال اور گویائی کا مرکز ہے۔ فرماتے ہیں تیرے دروازے پر راستہ پانے والوں کی تعریف ہم سے کیسے ممکن ہے جب خودِ "گویائی" ان کی تعریف اور توصیف سے عاجز ہے۔ اور ان کی صفت بیان کرنے کے خیال سے اس کا دماغ فرسودہ اور بے کار ہوا ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ "گویائی" ان بزرگوں کی تعریف اور توصیف نہیں کر سکتی ہے جو دروازے کے باہر ہیں اور دربارِ خاص میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہیں، تو جو خوش نصیب، سعادت مند دربار میں داخل ہوئے ہیں۔ مصاحب اور مقرب خاص بنے ہیں۔ ان کی عظمت، بڑائی اور بزرگی کا بیان کون کر سکتا ہے گویائی کے پاس وہ الفاظ کہاں ہیں جن کے ذریعے ان کے اوصاف بیان ہوں۔

پیشِ مجروحانِ ہجرت نیش، نوشِ پر شفا
تشنگانِ وصل را ہر تشنے چوں صد زلال

مجروح: زخمی + ہجر: دوری، جدائی + نیش: ڈنگ + نوش: شربت، تریاق۔ امرت +
تشنگان: تشنہ کی جمع، پیاسے + زلال: ٹھنڈا، صاف اور شیریں پانی +

معشوق سے دوری اور جدائی کو ہجر کہتے ہیں۔ ہجر وصل کی ضد ہے۔ چونکہ انسان کو وطن سے گہری محبت ہوتی ہے۔ اس لئے وطن چھوڑ کر دوسری جگہ کو جانا، ہجرت کہلاتا ہے۔ ہجر سے انسان کا دل زخمی ہو جاتا ہے۔ اس لئے "ہجر" کو ڈنگ مارنے والا جانور تصور کیا جاتا ہے جیسے شہد کی مکھی۔ بھڑ۔ سانپ، بچھو وغیرہ۔ ان ڈنگ مارنے والے جانوروں میں شہد، تریاق اور نوشدارو جیسی شفا بخش چیزیں بھی ہوتی ہیں۔

قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ اے معشوق! تیرے ہجر، تیری دوری اور تیری جدائی نے جن کو زخمی بنایا ہے ان کے پاس ہجر کا زہریلا ڈنگ ان کے بدنوں میں زہر پھیلانے والا نہیں، بلکہ نوشدارو اور تریاق ہے جس سے

ان کے جسم و جاں، بدن اور روح میں شفا، صحت اور طاقت ملتی ہے۔ اس لئے اگر وہ تمہارے ہجر سے زخمی اور خستہ ہیں، لیکن ان کی ڈھارس اور امیدان میں ہمت پیدا کرتی ہے۔ شہد کے چھتے سے شہد حاصل کرنے والے کو مکھیاں ڈنگ مارتی ہیں، وہ زخمی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ڈنگ کھانے اور برداشت کرنے ہی سے شہد جیسی چیز حاصل ہوتی ہے۔ ہجر کے بغیر وصل کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ وصل کی لذت سے وہی محظوظ ہوتے ہیں اور اس کی قدر وہی جانتے ہیں، جنہوں نے ہجر کی سختیوں کو جھیلا ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں۔ اے معشوق! تیرے ہجر کے زخمیوں کے پاس ہجر کا زہریلا، تڑپانے والا ڈنگ صحت بخشنے والا تریاق ہے اور تیرے وصل کے پیاسوں (قرب چاہنے والوں) کے لئے ہر آگ سینکڑوں ٹھنڈے شفاف اور شیریں پانیوں سے بڑھکر اور بہتر ہے۔ وصل کے شوق سے آگ سے وہ ڈرتے نہیں۔ حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کا واقعہ اس کا ثبوت ہے۔ احقر نے ایک اخبار میں پڑھا ہے کہ بمبئی کے ایک علاقہ میں عاشورا کے روز عاشقان حسینؓ کوئی ساٹھ فٹ لمبی خندق کھودتے ہیں اس کو بالن سے بھر کر آگ لگا کر انگارے بناتے ہیں اور پھر ننگے پاؤں اور عریاں ہو کر "یا علیؓ یا حسینؓ" کا نعرہ لگاتے ہوئے انگاروں پر سے گزر جاتے ہیں۔ کسی کا پاؤں جلتا نہیں۔ چھالے پڑتے نہیں یہ محبت کی فتح جسم پر ہے۔ آتش فراق کو آب زلال خیال کرنا طالبان وصال کے لئے کوئی بڑی بات نہیں۔

کُشتگانِ تیغِ عشقت زندگانِ جاوِدان
صیدِ شاہینِ غمت شاہانِ مُلکِ بے زوال

صید: شکار + شاہین: باز۔ شکاری پرندہ

تیرے "عشق" کی تلوار کے مارے ہوئے ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔ تیرے "غم" کے شاہ باز کے شکار کئے ہوئے لازوال اور لافانی ملک کے بادشاہ ہیں۔

"عشق" کو ایک مجسم ہستی قرار دیا گیا ہے، جس کے ہاتھ میں ایک دو دھاری تلوار ہے۔ اور جو اس کی زد میں آتا ہے وہ اس کے ضرب سے گھائل ہو کر مر جاتا ہے۔ "عشق" کی اس تلوار سے کسی کو پناہ نہیں اور کوئی اس کی زد سے محفوظ نہیں۔ فرق مجازی اور حقیقی اثر کا ہے۔ مجازی کا تعلق حواس سے ہے اور حقیقی کا ادراک سے بالاتر حسن و جمال سے ہے۔ عشق مجازی کسی حسین انسان یا چیز کو دیکھنے سے حرکت میں آتا ہے اسے "عشق مجازی" پر جب غور و فکر کیا جاتا ہے کہ اس حسن کا منبع و مصدر کیا ہے۔ کون ہے؟ اور پیر کامل کی رہبری اور تربیت ہو، تو "عشق حقیقی" کا اثر قلب پر ہونے لگتا ہے۔

عشق الٰہی کے مارے ہوئے بزرگوں میں سے شاید کوئی نہیں جو زندۂ جاوید نہیں، ان کے متبرک اجسام سپردِ خاک کئے گئے، ان کی روحیں اعلیٰ علیین کو چلی گئیں، جہاں ان کے پاک جسموں کو مٹی کے حوالے کیا گیا۔ وہ قبریں زیارت گاہیں بنیں۔ ان کی ارواح سے شفاعت کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ کوئی ان میں سے مشہورِ عالم ہے۔ کوئی اپنے ملک ہی میں مشہور ہے۔ کوئی اپنے شہر یا گاؤں ہی میں یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ظاہری صورت ہے۔ حقیقی صورت یہ ہے کہ جو خدا سے مِلا، خدا بنا لازوال کے ساتھ ملنے سے ملنے والا بے زوال بنتا ہے۔ اکسیر یا سنگ فارس کے ساتھ چھو جانے سے تانبا یا لوہا سونا بنتا ہے، تو کوئی نہیں کہتا ہے یا پہچانتا ہے کہ یہ تانبا ہے یا لوہا ہے۔ نہیں وہ سونا ہے۔ زرِ خالص ہے اسی طرح زندۂ جاوید کے ساتھ ملنے سے ملنے والا زندۂ جاوید ہو جاتا ہے۔

بادہ نوشانِ غمت داؤد معروف جنید
جان فروشانِ درت عمارؓ و سلمانؓ و بلالؓ

تیرے غم کے بادہ نوش حضرت داؤدؒ معروف کرخی اور جنید بغدادی جیسے بڑے بزرگ صاحب دل ہیں۔
تیرے دروازے پر جان کو قربان کرنے والے حضرت عمارؓ، سلمانؓ فارسی اور بلالؓ حبشی جیسے جاں فروش ہیں۔
عشق و محبت کے میخانہ کا "ساقی" غم ہے۔ شراب غم دور کرنے والی، مست بنانے والے اور مدہوش بنانے والی چیز ہے، لیکن جس شراب کا ساقی غم ہو اس کا اثر غم ہی ہو گا۔ غم کا احساس بے ہوشی کو ہٹا دیتا ہے اور جس بات کا غم ہوتا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے یا اس سے چھٹکارا پانے کے لئے مغموم کی کوشش تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔

جن بزرگوں کا حوالہ قدس اللہ سرہٗ اس شعر میں دیتے ہیں ان کی بزرگی، عابدی، زاہدی، ریاضت کشی اور نفس کشی کے واقعات سے کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ ان کے خوف و رجا، خشوع و خضوع کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اس جہاں سے نقل ہونے تک "غم" رہا، اور وہ غم اس بڑے دربار میں جگہ پانے اور جگہ پا کر پھر باہر نکالے کا تھا۔ شاہی دربار کے مصاحبوں کو ہر وقت خطرہ اور غم رہتا ہے کہ کوئی بات ایسی سرزد نہ ہو جس سے بادشاہ ناراض ہو۔ اور حضوری، دوری میں مبدل نہ ہو، عاشق کے دل میں اگر کوئی "غم" ہوتا ہے تو وہ وصال سے پہلے وصال حاصل ہونے کا غم ہوتا ہے، اور وصال حاصل ہونے پر ہجراں کا غم کھاتا رہتا ہے۔ "معشوق سے دوری اور جدائی نہ ہو"۔ معشوق ناراض ہو کر نکال نہ دے۔ غصہ ہو کر حجاب نہ کرے۔ منہ نہ چھپائے، یہ باتیں مجازی عاشقوں سے بھی مخفی نہیں۔

حضرت عمار رضؓ۔ حضرت سلمان رضؓ فارسی اور حضرت بلال رضؓ حبشی رضی اللہ عنہم کے حالات ہمارے واعظ منبروں پر چڑھکر وقت وقت پر سناتے رہتے ہیں۔ کونسی ایذا اور کونسی سختی تھی جو حضرت بلال رضؓ پر اس کے ظالم اور بے رحم مالک نے نہیں کی۔ لیکن جانفروشی کی حالت یہ تھی کہ جبین بجبین کبھی نہوئے۔ عشق الٰہی نے دل میں اس طرح گھر بنایا تھا جو سخت سے سخت ایذارسانی اور ظلم و شدت ہونے پر بھی دل سے نہ نکلا۔

حضرت سلمان رضؓ فارسی نے ہوش سنبھالنے کے وقت ہی سے "تلاشِ حق" میں ملکوں کی سیاحت کی اچھے درجے کے لکھے پڑھے تھے۔ شام کے ملک میں سنا۔ عرب میں "توحید کی آواز" بلند ہوئی ہے۔ بوڑھاپے میں سختیاں جھیل کر مصیبتیں اٹھا کر مدینہ آتے ہیں۔

قدس اللہ سرہٗ ان بزرگوں کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ورنہ دنیا ان بادہ نوشوں اور جانفروشوں سے نہ کبھی خالی تھی اور نہ کبھی خالی ہوگی۔ کیونکہ "عشق" خاموش اور بے کار نہیں اور عشق کے خمخانے کے مٹکے بدستور بھرے ہیں اور ساقی ہر پیاسے کو پیمانہ بلانے کے لئے تیار ہے جو اس پیالے کو چھیڑتے ہیں۔ جانفروشی کا "عہد" باندھتے ہیں۔ یہی "مستِ الست" ہوتا ہے۔

ہمارے پاس اور ہماری نظر میں جو لوگ پاک زندگانی گذارتے ہیں۔ تارک الدنیا بنتے ہیں۔ عبادت و ریاضت میں وقت گذارتے ہیں۔ نفس کشی کرتے ہیں۔ ہوا و ہوس سے پاک ہیں۔ ذکر اور یاد میں معروف ہیں۔ "میخانۂ عشق" کے بادہ نوش ہیں۔ یہی لوگ اس میخانہ کیطرف ہمکو رہنمائی اور رہبری کر سکتے ہیں۔ ان کی "تلاش" ضروری ہے کیونکہ جب تک خود انسان یہ پیالہ نہ پیئے۔ اس کے لئے لذت سے تب تک بہرہ اندوز ہونا ممکن نہوگا۔

دُردئی دردِ تو داروی دلِ ہر باخبر
زیورِ ذکرِ تو زیبِ حالِ ہر صاحب کمال

دُردئی: تلچھٹ۔ وہ میل جو شراب کے مٹکے کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے اور جس کو مٹکا شراب سے خالی ہونے پر دھو کر باہر پھینکا جاتا ہے + درد: دکھ۔ محبت۔ عشق۔ بیماری + داروی: دوا + زیب: زینت، آرائش، رونق +

ہر باخبر (واقف حال واصل باللہ) کے دل کی بیماری (عشق۔ محبت الٰہی) کا علاج تیرے درد (شراب عشق) کی تلچھٹ ہے۔

ہر کمال والے کے حال کی زینت اور زیبائش تیرے ذکر (یاد) سے ہے۔ تیرے عشق۔ تیرے درد اور تیری محبت کی شراب کی تلچھٹ (شراب نہیں۔ یہ تو کام کی اور اعلیٰ چیز ہے۔ بلکہ میل کچیل جو باہر

پھینکی جاتی ہے) واقف حال اور باخبر لوگوں کے عشق کی بیماری دوا ہے۔ عشق کے بیماروں کو اگر خالص اور عمدہ شراب نہ ملے۔ تو نہ ملے، وہ تلچھٹ ہی سے اپنی بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی باخبر ہے تو وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا ہے کہ اس کو شراب عرفان کا مصفّا پیالہ بھر کر اور بھرپور ملے نہیں۔ جو کچھ ملے اور جتنا ملے اور جیسا ملے، غنیمت ہے۔ وقت آئیگا کہ ان تلچھٹ پینے والوں کو بھر بھر کر پیالے ملیں گے۔ اگر ان کو تلچھٹ سے نفرت ہوگی اور میخانہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے تو ایسے لوگ ہمیشہ کے لئے اس شراب سے محروم رہیں گے۔

قدس اللہ سرہٗ۔ "حال" کو ایک دلھن سے تشبیہ دیتے ہیں۔ دلھن کی آرائش اور زیبائش "زیور" سے کی جاتی ہے۔ دلھن چاہیئے کتنی حسین اور جمیل کیوں نہ ہو۔ زیور کے بغیر سجتی نہیں۔ اسی لئے چاہیئے کسی میں "کمال" کتنا ہی کیوں نہ ہو، ذکر اور یادِ الٰہی کے بغیر اس کمال کی زیبائش اور آرائش یعنی تکمیل ممکن نہیں۔ کمال حاصل ہونے پر بھی "ذکر" کی ضرورت ہے۔ یہ خیال کرنا دھوکہ ہے کہ کمال حاصل ہونے پر نماز روزہ، اذکار اور اوراد کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ بلکہ زیادہ رہتی ہے۔ بہت لوگوں کے پاس "ذکر" کا تعلق زبان سے زیادہ دل کے ساتھ ہے۔ لیکن دِل کی کیفیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ "دِل" گوشت کا وہ پارہ اور لوتھڑا نہیں جس میں بدن سے ایک طرف سے خون داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے نکلتا ہے۔ جس کی حرکت پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ اس دل میں بھی "دل" ہے جو دِل تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے جس کا ٹھکانہ جسم کا کوئی عضو نہیں۔ اسی کو "قلب" کہتے ہیں۔ اُلٹا ہوا۔ ہر وقت اُلٹنے والا اور بدلنے والا۔ جب یہ دل سارے بدن میں پھیلا ہوا ہے۔ تو سارے بدن سے "ذکر" لازمی ہے۔ سر مو سے یادِ الٰہی۔ یہ ذکر صاحب کمالوں کے حال کا زیور ہے اور کمال والوں کی زیبائشی ذکر سے ہے۔

در تمنائے وصالت شد علائی جانفشاں
تا چہ خواہد دید آخر زیں تمنائے محال

تیری ملاقات اور تیرے وصل کی آرزو میں "علائی" جان توڑ کر محنت اور مشقت کرنے والا بنا ہے اس خیال سے کہ انجام پر اس ناممکن (پوری نہ ہونے والی آرزو) تمنّا کا نتیجہ دیکھئے کیا ہے؟ (کیا ہوگا؟)

"علائی"۔ حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی قدس اللہ سرہٗ "تخلص" کرتے ہیں + عِلا = بلندی + علائی = بلندی کے ساتھ نسبت رکھنے والا۔

کون ہے جو قدس سرہٗ کے علوّ مرتبہ سے واقف نہیں؟ علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالامال،

صاحب قال وحال، روحانیت کا مجسمہ، اسرارِ الٰہی سے باخبر، واصل باللہ، فنافی اللہ، بحرِ عرفان کا شناور، حضوری سے فیض یاب، وصال سے کامیاب۔ یہ ان کے بارے میں ہمارا (ان کے معتقدوں کا) عقیدہ ہے۔ لیکن وہ خود کیا فرماتے ہیں کہ "میں تیرے وصال کی تمنا میں سخت کوشش، محنت ومشقت اور سعئ تلاش میں لگا ہوا ہوں۔ یعنی وصال حاصل نہیں۔ ایسی بزرگ ہستی کو جس کا درجہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے میرے عقیدے میں کم نہیں۔ اعتراف ہے کہ وصال حاصل نہ ہوا۔ دربارِ خاص میں رسائی کی آرزو اور تمنا پوری نہ ہوئی، اور ان کو یقین ہے کہ یہ ایک پوری نہ ہونے والی محال تمنا ہے، لیکن کوشش جاری ہے۔ محنت ومشقت سے دستبرداری نہیں۔ امید باقی ہے، چاہیئے نتیجہ کچھ ہی ہو۔ ہم ہیں کہ معمولی کوشش پر سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم واصل باللہ اور فنافی اللہ ہوئے۔ لوح وقلم کے مالک بنے۔ دربارِ خاص کے مصاحب بنے اور خدا ہماری مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا ہے۔

غزل نمبر ۲

قبلۂ دلِ آفتابِ رُوی اوست

کعبۂ جان خاکِ راہ کوئی اوست

قبلہ: سامنے کی چیز، عام طور سامنے کی وہ چیز جس کے آگے سجدہ کیا جائے۔

مسلمانوں کا قبلہ "کعبہ شریف ہے" یہ مکۂ معظمہ میں حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس ہے جو ملک شام میں ہے۔ زرتشتیوں کا قبلہ سورج یا آتش کدہ ہوتا ہے۔ ہندؤں کا قبلہ وہ مورتی ہوتی ہے جس کے سامنے مندر میں پوجا کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا قبلہ "مشرق" ہے جہاں سُورج طلوع ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر فرقے اور ہر انسان کا اپنا اپنا قبلہ ہے۔ "دل" کا قبلہ وجہ اللہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ "فاینما تولو فثم وجہ اللہ" (جس طرف تم منہ کرو۔ اس طرف خدا کا چہرہ ہے) دل کا قبلہ اس کے روی کا آفتاب (سورج) ہے، اور جان (روح۔ وہ طاقت جس سے حیات قائم ہے) کا کعبہ اس کے کوچے کے راستے کی مٹی ہے۔

ہم کہتے ہیں آسمان کا سورج، دُنیا کا سورج، آسمان میں جس کی لمبائی اور چوڑائی کی کوئی حد نہیں۔ سورج ایک چھوٹا سا گول ٹکڑا یا قلوچہ جیسا ہے۔ اسی طرح "وجہ اللہ" میں جس کی کوئی حد نہیں اور ہر طرف سے پھیلا ہوا ہے، ایک خاص مرکز ہے جس کا نور اور روشنی دلوں پر چمکتی ہے۔ اگرچہ خدا کا مقام کوئی خاص

جگہ نہیں اور وہ "معبود بکل مکان" ہے۔ اس کی موجودگی سے کوئی جگہ خالی نہیں اور ہر صورت میں اسی کی عبادت کی جاتی ہے لیکن "دل" زندہ دل، بینا دل، بیدار دل وہ دل جس میں وجہ اللہ کے آفتاب کی روشنی پڑتی ہے جو آفتاب روی جاناں سے منور ہے۔ اس آفتاب روی کے بغیر اور کوئی قبلہ نہیں رکھتا ہے۔ اس کے کوچے تک جانے کا جو راستہ ہے جو مٹی اس کوچے کی ہے وہ "جان" کا کعبہ ہے۔ جان اسی کا طواف کرتی ہے جس طرح حاجی حج میں کعبہ شریف کے گرد اور دوسرے مقاموں پر طواف کرتے اور چکر لگاتے "لبیک" پکارتے ہیں۔ اسی طرح "جان" اس کے کوچے کا طواف کرتی ہے۔ اور لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک" (تیرے کوچے میں حاضر ہوں۔ اے لاشریک میں تیرے کوچے میں حاضر ہوں) پکارتی ہے۔

چوں ز زلفش گشت عالم مشکبوی
دوستی این و آں بر بوئے اوست

زلف: کنپٹی کے بالوں کی لٹ جو خوبصورتی بڑھانے کے لئے چہرے پر لٹکاتے ہیں۔
مشک: کستوری، نافہ، معشوق کے زلف کی سیاہی +

روی کی خوبصورتی زلف سے بڑھتی ہے۔ نورانی اور خوبصورت، حسین، جمیل چہرے کی چمک زلف کی سیاہی سے جو اس کے گرد پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ دوبالا ہو جاتی ہے۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں روی سے "وحدت" اور زلف سے "کثرت" مراد ہے۔ روی سے نور۔ ہدایت اور زلف سے ظلمت اور کفر۔ مقام فراق، تجلیات صوری، جذبۂ عشق۔ فرماتے ہیں۔ جب اس کی زلف سے عالم (دنیا) خوشبودار اور معطر ہوا۔ (جب "کثرت" نے ظہور پایا) تو اس کی اور اس کی دوستی اسی زلف کی "بو" پر ہے۔

عالم خلق (کائنات) کے قیام کا دارومدار ایک کشش پر ہے۔ اس کشش کو "بو" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "بو" ایک چیز ہے جو محسوس ہوتی ہے، لیکن نظر نہیں آتی ہے۔ کشش بھی اسی طرح سے ہے۔ ہر پیدا شدہ چیز میں کشش ہے۔ یہی زلف کی بو ہے اور یہی "کثرت" کی دوستی اور ایک دوسرے سے وابستہ ہونے کا باعث ہے۔

کثرت نے وحدت کے جمال میں رونق پیدا کی اور کثرت میں جو وحدت کی "بو" ہے۔ وہی کثرت کی دوستی کا سبب ہے۔ "ہم" "ایک" ہیں۔ ہیں تو الگ الگ لیکن کہتے ہیں اور ایک حد تک یقین رکھتے ہیں۔ ہم ایک ہیں، دو نہیں۔ ہم میں دوئی نہیں۔ عالم میں دوئی نہیں۔ زلف کی اسی "بو" نے عالم کو "مشکبو" بنا دیا۔ تنہا ایک کسی کے ساتھ محبت کرے۔ کس سے اس کو محبت کی بو آئے اور اس سے کس کو؟ کسی کو

نہیں۔ اس لئے یہ کثرت ہے، جو عالم کو خوشبو سے بھرتی ہے۔ محبت سے بھی بھرتی ہے۔

کفر و دین و نور و ظلمت در جہاں
از رُخِ ماہ و شبِ گیسوی اوست

کفر: ذاتِ الٰہی اور احکامِ الٰہی سے انکار + قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی، وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک بنانا + دین: بدلہ اور مکافات۔ یہ بدلہ اچھا ہو یا بُرا۔

عام اصطلاح میں قوانینِ فطرت کی پابندی۔ احکامِ الٰہی کو تسلیم کرنا اور ماننا۔ خدا کو لاشریک جاننا۔ صراطِ مستقیم پر چلنا دین ہے۔

فرماتے ہیں۔ اس دُنیا میں کفر اور دین، نور اور ظلمت۔ اسی کے چاند جیسے مکھڑے اور گھُپ اندھیری رات جیسے گیسو سے پیدا ہوئے ہیں۔

کفر اور دین ایک دوسری کی ضد ہیں، روشنی اور تاریکی ایک دوسرے کی ضد ہیں، انکار اور اقرار ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ گمراہی، ضلالت اور ہدایت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا ہونا دوسرے کے نہ ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ روشنی آتی ہے تو تاریکی مٹ جاتی ہے۔ ہدایت کے سامنے ضلالت ٹھہر نہیں سکتی۔ دو میں سے ایک ہی کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔ دونوں کا اکٹھا نہیں۔ اگر دُنیا میں "ہدایت ہے، دین ہے" تو پھر کفر کا ہونا کسی صورت میں ممکن نہیں۔ جہاں نور ہے وہاں ظلمت نہیں پھر کیا بات ہے کہ دُنیا میں یہ ایک دوسرے کی مخالف اور ضد باتیں پائی جاتی ہیں؟ اشارہ کرتے ہیں کہ وحدت (وجہ اللہ) اور "کثرت" (زلف و گیسو) ایک ہی ذات کی چیزیں ہیں۔ اس لئے یہ دونوں چیزیں اس ذات کے حُسن و جمال کے لئے ضروری ہیں۔ کفر کے بغیر دین کی رونق کبھی محسوس نہ ہوگی۔ کفر کی موجودگی ہی سے دین کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ اس معشوق کے چاند سے مکھڑے اور گھپ اندھیری تاریک اور کالی رات جیسی گیسو کی برکت سے ہیں۔

تیرِ بارانِ بلا بر ہر کہ ہست
از کمانِ پُر خمِ ابروی اوست

بلا: مصیبت، دُکھ، تکلیف، آزمائش

آزمائشوں اور مصیبتوں کے تیروں کی بارش جس کسی پر ہے، وہ (بارش) اس (معشوق) کی

خمدار ابرو (بھوئیں) کی کمان سے ہے۔

اس غزل میں قدس اللہ سرہٗ نے عام لوگوں کے سمجھنے اور حقیقت سے متاثر ہونے کے لئے ذات بے مثل بے چگوں، لیس کمثلہ شی کو تشبیہات اور استعارات کے ذریعۂ حسین ترین دلفریب صورت میں پیش کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس معشوق کے رخ انور، زلف معنبر، گیسوی او فر ابروی خمدار سے اس کی صفات کی توضیح فرمائی ہے، اور یہ بات ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ جو کچھ ہے۔ اسی ذات سے ہے، کفر ہے یا دین۔ نور ہے یا ظلمت۔ راحت ہے یا مصیبت۔ آزادی ہے یا گرفتاری۔ حیات ہے یا ممات۔ وجود ہے یا عدم۔ ظہور ہے یا بطون سب کچھ اسی ایک ہی واحد ذات سے ہے اور کسی سے نہیں۔ یہی "توحید" کی مکمل تعلیم ہے۔ راحت، آرام، اطمینان قلب، دل جمعی کو اسی کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس پر ہر وقت شاکر ہونا، رنج، مصیبت، دکھ، درد، بے اطمینانی کو اسی کیطرف منسوب کرنا اور پھر رضا و تسلیم کے سر کو جھکانا توحید کا زینہ ہے۔

ہر گرفتارے کہ اندر عالم است
از کمندِ زلف عنبر بوی اوست

کمند: چمڑے کی مضبوط لمبی رسی جس کے ایک سرے پر پھندا بنا یا ہوا ہوتا تھا اور کمند جنگی اسلحہ میں سے تھی۔ اس سے مرد مقابل کو گرفتار کیا جاتا تھا۔ گلہ بان اس سے گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کو پکڑتے تھے + گرفتار: پکڑا ہوا، قیدی، عاشق +

فرماتے ہیں۔ جو کوئی گرفتار (عاشق خدا، خدادوست) عالم میں ہے (اس کو) اس کی عنبر (ایک خوشبو دار گراں بہا چیز جو ویل مچھلی کے پیٹ سے نکلتی ہے) بو زلف کی کمند نے گرفتار کیا ہے۔

ابتدائی مرحلہ کثرت کی گرفتاری ہے۔ سورج خدا ہے۔ چاند خدا ہے۔ تارے خدا ہیں۔ یہ زلف (کثرت) کی گرفتاری ہے کہ آدمی سورج، چاند، تاروں، درختوں، چشموں، سانپوں، پتھروں، جانوروں اور انسانوں کو خدا مانا اور ان کی پرستش کی طرف مائل ہوا۔ اور اس شعر میں یہ مسئلہ حل کیا گیا ہے کہ کثرت کے گرفتار بھی حقیقت میں اسی کے گرفتار ہیں، کیونکہ یہ زلف کی کمند کسی دوسرے کی نہیں اسی کی ہے۔ اگر کوئی بت پرست ہے تو وہ بت کو پہلے "خدا" مانتا ہے۔ پھر اس کی پوجا کرتا ہے۔ یہی ہر "کثرت" کی پرستش کرنے والے کا حال ہے۔ رفتہ رفتہ وہ زلف سے روی کیطرف جاتا ہے اور جب چہرہ سے زلف کا پردہ ہٹ جاتا ہے تو زلف کا خیال مٹ جاتا ہے اور واحد روی کی پرستش شروع ہوتی ہے اور کثرت سے وحدت کیطرف جب کوئی عملاً جاتا ہے تو اس کا ایمان اور یقین بہت زیادہ مستحکم ہوتا

ہے۔ اس ہستی کی بڑائی اور عظمت کے سامنے سر بسجود ہو کر "لا معبود الا اللہ" کہنا اسی تحقیقی ایمان لانے والے کا صداقتِ قلبی پر مبنی ہوتا ہے اور کثرت کی گرفتاری سے (ضلالت سے) چھٹکارا پاکر وحدت کی فضا میں جا پہنچتا ہے۔

ہر گلی کو رُست در باغِ وجود

آبِ حیوانِ ہمہ از جوی اوست

گُل: پھول۔ ہر گُل سے مُراد خدا کے بغیر تمام کائنات ہے۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ آسمان اور جو کچھ اس میں ہے۔ فضا اور جو کچھ اس میں ہے۔ جنت، جہنم، عرش و کرسی اور جو کچھ ان میں ہے۔ ارواح ملک۔ کارکنانِ فطرت وغیرہ۔ خاص معنی انبیاء و اولیاء ہے +

وجود: پیدائش ہستی + باغ وجود: کُل کائنات + آب حیوان: زندگی کا پانی، آب حیات۔ آبِ حیات کے بارے میں مشہور ہے کہ ظلمات میں ایک چشمہ ہے اور اگر کوئی جاندار اس چشمے کا پانی پیئے تو وہ پھر کبھی نہیں مرتا ہے، عارفوں اور سالکوں کے پاس آب حیوان "شرابِ معرفت" ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ عرفان سے لاعلمیت اور بے خبری "ظلمات" ہے۔ تاریکی ہے دل و دماغ کی تاریکی، جہالت اور کفر کی تاریکی۔ منی اور من ہستم کی تاریکی۔ اسی کفر و جہالت کی تاریکی میں "ایمان" کا مصفا، شیریں اور حیات بخش چشمہ ہے۔ یہی آب حیوان ہے (آبحیات ہے، امرت ہے) اور جو کوئی اس عرفان کے چشمہ سے فیض یاب ہوتا ہے اور اس کا پانی پیتا ہے وہ حیات دائمی پاتا ہے، وہ زندگی پاتا ہے۔ زندگی حقیقت میں عرفان سے حاصل ہوتی ہے۔ زندہ دلی، زندگی ہے۔ معرفت حاصل کرنے کے بغیر جو لوگ ظاہری صورت میں زندہ ہیں، چلتے ہیں، پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، حقیقت میں وہ "سارے مردے" ہیں +

قدس اللہ سرہ۔ فرماتے ہیں جو کوئی پھول (مخلوق) وجود کے باغ میں (عالم ہستی میں) اُگا ان تمام پھولوں کے پودوں کے زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کیلئے جو پانی اس باغ میں (کائنات کے باغ میں) آتا ہے۔ وہ اسی (خدا) کی نہر سے ہے۔ (تمام پیغمبروں کا پیام اسی کا ہے) یہ "ہمہ از دست" کا خیال ہے۔ کچھ نہ تھا صرف وہی تھا جب کچھ نہ تھا تو اس کائنات کے پیدا کرنے اور بنانے کے لئے "مواد" کہاں سے آیا؟ ہم کہہ سکتے ہیں جو موجود تھا، اسی سے اور کس سے، موجود وہی تھا۔ "نور اور طاقت" کا منبع اور مصدر "نور اور طاقت" کے مجموعہ کا خاصہ ہے کہ اس سے الکٹروں پروٹون اور دیگر چیزیں نکلتی رہتی ہیں۔ یہ اجزا مناسب مقداروں میں مل کر مختلف عناصر کی شکلیں اختیار کرتے ہیں، اور عالم وجود ان ہی

عناصر کے "ظہور" کا نام ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اصلی منبع میں ان شعاعوں، کرنوں اور ذرّوں کے نکلنے سے کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔ تغیر" تبدل اُس میں واقع ہوتا ہے، جو اس "مرکزِ حیات" سے نکل کر کوئی شکل اختیار کرتا ہے۔ اسی سے العالم متغیر" و کل متغیر" حادث" کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے۔ ذاتِ بے چوں بے چگوں غیر متبدل اور غیر متغیر" ہے۔ اس میں تغیر" و تبدل نہیں۔ کمی بیشی نہیں۔ ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنے کا مادہ نہیں۔

"ہمہ از وست" اور "ہمہ اوست" میں جو فرق ہے اس کو سمجھنے کے لئے ایک "درخت" کی مثال دل میں ذہن نشین کیجئے۔ درخت میں جڑ ہے، تنہ ہے، شاخیں ہیں، پتے ہیں، پھول ہیں، میوے ہیں، بیج ہیں۔ اس مجموعے کا نام "درخت" ہے۔ لیکن ایک "پھول" جو اسی درخت سے پیدا ہوا۔ کسی حالت میں درخت نہیں کہلائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ درخت ہی سے نکلا ہے۔ لیکن اس کو درخت کہنا، احمقی اور بیوقوفی ہے۔ سب کائنات خدا سے ہے، لیکن کائنات کی چیزوں کو "خدا" ماننا یا خدا کہنا درست نہیں۔ مجموعہ کائنات کو "خدائیت" کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ لیکن سورج کو خدا کہنا یا آدمی خیال کرے کہ میں اسی خدا سے پیدا ہوا ہوں اسی لئے میں بھی خدا ہوں ایک بے بنیاد خیال ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ پھول خیال کرے کہ میں بھی درخت ہوں، کیونکہ میں درخت سے نکلا ہوں۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" ہم خدا سے ہیں (خدا سے پیدا ہوئے ہیں) اور ہم اسی کے پاس واپس رجوع کرنے والے ہیں۔ اگر ہم بھی "خدا" ہی ہوتے، تو "رجوع" کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ متغیر" ہستی کو خدا ماننا یا متغیر" ہستی کا خیال کرنا یا دعویٰ کرنا کہ مجھ میں خدائی جلوہ اور ظہور ہے۔ اس لئے میں ہی خدا ہوں، ناموزوں اور نامناسب بات ہے۔ غلبۂ عشق میں اگرچہ کبھی عاشق اپنے آپ کو معشوق ہی تصور کرتا ہے۔ لیکن یہ حالت دائمی نہیں، اور قائم نہیں رہتی ہے۔

نالہائے بیدلانش ہر سحر
بر دریغ دردِ فقدِ روئی اوست

نالہ: اونچی آواز میں پکارنا۔ گریہ زاری کرنا + بیدل: جس کا دل اس کے اپنے قابو میں نہو۔ عاشق۔ سحر: صبح۔ رات کا آخری اور دن کا ابتدائی وقت۔ لو پھٹنا + دریغ: افسوس، حسرت، غم واندوہ فقد: گم کرنا۔ گم ہونا۔ کھونا۔ نظر سے اوجھل ہونا +

اس کے دلدادوں اور عاشقوں کے نالے (گریہ زاری رونا پیٹنا، چیخنا چلانا) ہر صبح کو اس کے نورانی، خوبصورت، حسین اور جمیل چہرے کے نظر نہ آنے کے دکھ اور حسرت میں ہیں۔

شبِ ہجر عاشق کے لئے مصیبت ہے۔ معشوق کے دیدار اور نظر آنے کی اُمید کم ہی ہوتی ہے۔ جس قدر رات گذرتی ہے اور صبح قریب آتی ہے۔ اس کی ڈھارس بندھتی ہے۔ اس لئے صبح کو "صبحِ اُمید" کہتے ہیں۔ یہ اُمید آتشِ عشق کو بھڑکاتی ہے۔ نالہ زاری اور آہ زاری سے عاشق کا دل تھوڑا سا ہلکا ہوتا ہے۔ اس کو اُمید ہوتی ہے کہ یہ بیداری کا وقت ہے۔ ساری فطرت بیدار ہوتی ہے ممکن ہے کہ معشوق میرے نالوں کو سُنکر رحم پہ آئے اور "دیدار" دکھائے۔ اللّٰھم ارنا لقاءک الکریم ہم کو دیدار سے بہرہ ور اور سرافراز کر۔

آتشے کاندر میان جان ماست
از فروغ نرگسِ جادوی اوست

فروغ: روشنی، رونق، چمک + نرگس:۔ ایک مشہور پودا۔ جس کا پھول آنکھ سے مشابہت رکھتا ہے معشوق کی آنکھ۔

آتش سے مراد عشق کی گرمی اور حیات ہے۔ جان سے مُراد رُوح، نفس، وہ طاقت اور قوت جس سے حیات قائم ہے۔ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں جو عشق و محبت کی گرمی ہماری جان میں پائی جاتی ہے۔ (وہ) اس معشوق کی جادو اثر اور سحر آفرین آنکھ کی چمک اور روشنی سے ہے۔ آنکھ کے اثر کو عام طور پر لوگ مانتے ہیں اور جادو کے اثر سے بھی لوگوں کا جو خیال ہے وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے جادو اثر والی آنکھ کا اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں جس پر یہ نظر پڑے اس کی حالت کا اس اثر سے دگرگوں ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ اس شعر میں نازک اور بلند خیالی کا اندازہ اس پر غور کرنے سے لگایا جا سکتا ہے۔

جز غمش درماں نہ بینم در جہاں
کین کمالِ لطف بر یا زوی اوست

درماں: دارو، دوا، علاج + لطف: عنایت، خوبی، مہربانی +

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔ مجھے اس دُنیا میں اس کے غم کے بغیر (عشق کی بیماری کا) کوئی دارو اور علاج نظر نہیں آتا ہے۔ (عشق کی بیماری کی دوا اور علاج اگر کچھ ہے۔ تو وہ معشوق کا غم اور اُس کی یاد ہے۔ غم سے یاد اور یاد سے غم پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ معشوق کی یاد عاشق کی دوا ہے) اور یہ لطف و عنایت اور مہربانی کی کمان اس کے بازو پر ہے۔ (کمان لطف کی اس لئے ہے کہ اس سے جو غم کے

تیر لگتے ہیں وہ میرے عشق کی بیماری کا علاج ہیں۔ علاج کرنا۔ مہربانی اور لطف کا کام ہے۔ یاد تازہ رہتی ہے روحانی بیماریوں کا دارو اور علاج ذکرِ خدا ہے اور ذکر خدا اس وقت صحت بخش اثر دیتا ہے۔ جب یہ یاد خضوع خشوع نہایت ہی غمگین دل سے آہ وزاری کے ساتھ کیا جاتا ہے)

ہر دو عالم گر شود زیر و زبر
میلِ رنجوراں ہجرش سوئے اوست

زیر و زبر ہونا: الٹ پلٹ ہونا۔ تباہ ہونا، فنا ہونا + میل: رغبت، چاہت، خواہش + رنجور: بیمار، رنجیدہ، ستایا ہوا + ہجر: فراق، دوری، جدائی +

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔ یہ دونوں عالم (ظاہری نظر آنے والی دنیا اور باطنی نظر نہ آنے والی دنیا، عقبیٰ، آخرت) اگر الٹ پلٹ ہو جائیں، فنا ہو جائیں۔ قیامت برپا ہو جائے ہر ایک نفسی نفسی کی فکر میں لگ جائے تو ایسے خطرناک حالات رونما ہونے پر بھی اس کے فراق اور ہجر کے ستائے ہوئے بیماروں (عاشقوں) کی رغبت اور خواہش اسی سے ملنے کی طرف ہی ہوگی (اگر خطرناک اور لرزہ انگیز حادثات کے وقوع سے عاشق کو معشوق سے ملنے کی امید ہو، تو وہ ان خطرناک حالات کو مبارک خیال کرتا ہے۔ اس کو معشوق سے ملاقات ہو اور بس دنیا فنا ہو۔ آخرت برباد ہو۔ اس کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

چند گردی گرد ہر در ای علی؟
مرہم ایں ریش از داروی اوست

چند: کتنا، کب تک، کس قدر +

قدس اللہ سرہٗ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:۔ اے علی رحمۃ اللہ علیہ کتنا اور کب تک تم ہر دروازے کے گرد چکر لگاتے اور پھرتے رہو گے (در در پھرنے سے مطلب حاصل نہ ہوگا اور کچھ نہیں ملے گا) (تم عشق کے زخم اور گھاؤ کی مرہم پٹی چاہتے ہو، تو سن لو) کہ اس زخم کی مرہم پٹی اسی کی دوا سے ہے (یہ زخم اسی نے لگایا ہے۔ وہی اس پر مرہم لگا سکتا ہے، اور یہ مرہم اس کے بغیر کسی اور کے پاس نہیں۔ اس لئے در در پھرنا فضول اور لاحاصل ہے۔ عشق کے زخم کا مرہم دیدار ہے اور یہ دارو بغیر معشوق کے اور کس کے پاس ہے؟ اس لئے اسی کے دروازے کو پکڑنا ہے اور باقی تمام دروازوں سے منہ موڑنا ہے۔ یہی "توحید" کی تعلیم ہے، اور یہی "توحید" ہے کہ اس "ایک" کے سوا سبوں سے منہ

موڑا جائے۔ "اِیّاکَ نَعبُدُ وَ اِیّاکَ نَستَعِین" (تیرے در پہ سر جھکا کر دکھوں اور دردوں کی دوا چاہتے ہیں) پر عمل کیا جائے (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے یاری مانگتے ہیں)۔

غزل نمبر ۳

ارباب ذوق در غمِ تو آرمیدہ اند
وز شادئ نعیم دو عالم رمیدہ اند

ارباب: رب کی جمع، مالک، پالنے والے + ذوق: لذّت، مزہ چکھنا، شوق، چاشنی
آرمیدن: آرام کرنا + نعیم: نعمت و نیکی، بہشت، مال و ناز + رمیدن: وحشت سے بھاگنا، چوکڑی مارنا +

ذوق اور شوق والے لوگ، تیرے غم میں آرام پائے ہوئے ہیں اور دو عالم کی نعمتیں جو خوشی اور شادی دیتی ہیں۔ اس شادی سے وحشت زدہ ہو کر بھاگے ہیں۔ غم میں آرام، اطمینان اور دلجمی پیدا کرنے کی خاصیت نہیں۔ نعمتوں کی خوشی، لطف اندوزی اور لذّت یابی سے کوئی بھی وحشت زدہ ہو کر بھاگنے والا نہیں، لیکن یہاں معاملہ ہی اُلٹا ہے۔

قدس اللہ سرہٗ۔ اس شعر میں ہم کو غم اور شادی کے اصلی مفہوم سے روشناس فرماتے ہیں۔ خدا کا غم اور وہ غم جو عشق الٰہی پیدا کرتا ہے۔ بے قرار، بے آرام اور پریشان بنانے والا غم نہیں، بلکہ آرام دینے والا اور دلجمی، اطمینان قلبی پیدا کرنے والا غم ہے، اور اس کا تجربہ ذوق و شوق والے حضرات کو ہے جو اس کی لذّت سے آشنا ہیں۔ اور وہ آرام، وُہ خوشی اور وہ لذّت جو اس غم سے "اربابِ ذوق" کو حاصل ہے۔ اس درجہ کی ہے کہ وہ دونوں دنیاؤں (دُنیا اور آخرت) کی نعمتوں، آسائیشوں، فرحتوں اور لذّتوں سے وحشت زدہ ہو کر، خوف کھا کر بھاگے ہوئے ہیں۔ اس دُنیا کے مال و زر، جاہ حشم، عزت و شوکت اور اُس دُنیا کے آرام، بہشت، جنّت، حوُر غلمان، جوئے شیر، جوئے آب و جوئے خمر و انگبین اور لذائذ لطائف کو لات مارے ہوئے ہیں۔ اس لئے "شادی" خُدا کے "غم" کا نتیجہ ہے اور اس کے سوا جو شادی کسی چیز سے پیدا ہو، وُہ شادی نہیں، وُہ خوشی نہیں، وہ اطمینان قلب اور ذریعۂ نجات نہیں۔

حوراں خلد را بہ پشیزے نمے خرند
تا از صفات حسن تو رمزے شنیدہ اند

خُلد: بہشت۔ جنّت، وہ بے نظیر نعمتوں، میووں اور آسائیش آرام کی چیزوں بھرا ہوا باغ

جس کو خدا نے نیک بندوں کے رہنے کے لئے عالم غیب (دوسری دُنیا آخرت) میں بنایا ہے +
لبشیز :- کھوٹا سکہ، ڈمڑی، لین دین کا سب سے ادنیٰ اور چھوٹا کم قیمت سکہ + رمز :- اشارہ - کنایہ +
جب انہوں (ارباب ذوق) نے تیرے حُسن کے صفتوں کا معمولی اور ادنیٰ سا اشارہ سُنا ہے تو وہ بہشت کی حوروں کو ایک ڈمڑی (مفت) میں نہیں خریدتے ہیں۔

تیرے بے نظیر، لاثانی اور بے مثال حُسن کو دیکھا نہیں۔ نہ تیرے حُسن کے اوصاف کامل اور پُورے طور سے سُنے صرف ایک اشارہ پایا تو کتنا حسین اور جمیل ہے تو وہ اشارہ پانے سے وہ تمہارے اتنے دلدادہ ہوئے کہ بہشت کی حوروں کو مُفت میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ تمہارے حُسن دیکھنے کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

پالودۂ شکنجۂ عشق اندزاں سبب
زآلودگاں جیفۂ دُنیا بریدہ اند

پالودن : صاف کرنا - پاک کرنا + شکنجہ : ایک آلہ جو جلدساز، ترکھان، کسنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ سخت سزا دینے کے لئے مجرموں کو شکنجے میں کس کر کچومر نکالتے تھے + آلودہ : لتھڑا ہوا، گند اور ناپاکی سے بھرا ہوا + جیفہ : مردہ گلا سڑا ہوا حیوان (جانور)

ان (ارباب ذوق) کو عشق نے اپنے شکنجہ میں کس کر پاک و صاف کیا ہے اور اس لئے دُنیا کے مُردار سے لتھڑے ہوئے لوگوں سے (انہوں نے) قطع تعلق کیا ہے (دنیا داروں اور دُنیا کے دلدادوں سے تعلق چھوڑ دیا ہے)۔ عشق الہٰی رکھنے والے اور دُنیا سے محبت کرنے والے دو الگ الگ گروہ ہیں ان کا دِلی طور پر ایک دوسرے سے مِلنا ممکن نہیں۔ ایک کو جو محبت کرتا ہے، دوسرا اسی کو نفرت کرتا ہے، تو صاف ظاہر ہے کہ یہ دو گروہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرنے کے لئے مجبور ہیں اور زیادہ مجبور عشق الہٰی والے ہیں۔ کیونکہ وہ دامن کو آلودگی سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہی حالات رونما ہوتے ہیں کہ صاحبدل ترک دُنیا کرتے ہیں۔ فقیر بنتے ہیں سنیاس لیتے ہیں۔ جنگلوں اور غاروں کو باغوں اور محلوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

مرغانِ عشق را بدو کون التفات نیست
تا در فضائے شوق تو لرزنے پریدہ اند

کون : دُنیا + دو کون = دنیا و آخرت + التفات : توجہ، دھیان، محبت کا معمولی اور کم درجہ +

فضا: کشادگی، خلو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ ہوا
عشق کے پالے ہوئے پرندوں (عاشقوں، صاحبدلوں) کو دوجہاں کیطرف ذرا سا بھی دھیان نہیں جب انہوں نے تیرے شوق (عشق) کی فضا (ہوا) میں پرواز کی یعنی عشق الٰہی میں جب دوستان خدا اس مرحلے پر پہنچتے ہیں جہاں ان کو "توحید" کی فضا میں پرواز کرنے کا موقعہ حاصل ہوجاتا ہے، تو اس وقت سے وہ اوپر ہی اوپر کی طرف اڑان کرتے ہیں۔ وہ "اوپر" دُنیا و آخرت سے "اوپر" ہے۔ اعلیٰ علین سے بالاتر ہے۔ دُنیا اور عقبیٰ سے ان کو اُلفت ہی نہیں رہتی ہے۔

از ضیق خانقاہ صُور خرقہ وجود
بر طارم خطائر قدسی کشیدہ اند

ضیق: تنگی + خانقاہ: درویشوں اور مشائخوں کے رہنے کی جگہ۔ تکیہ + صور: صورت کی جمع + خرقہ: گدڑی، کپڑے کے ٹکڑوں سے بنایا ہوا کرتہ + وجود: ہستی، ظہور، زندگی، پیدائش + طارم: بالاخانہ، مکان کا اوپر کا طبقہ + خطائر: خطیر کی جمع۔ بزرگ۔ عظیم۔ بہت بڑے، اونچے، بلند مقامات + قدسی: پاک +

صورتوں اور جسموں کو عابدوں اور زاہدوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ صورتوں کی خانقاہ کی تنگی سے ہستی کی گدڑی (وجود کا لباس) کو قدس کے بلند و بالا، بزرگ و عظیم بالاخانہ پر جاکر اُتار پھینکا ہے۔ روح جو اصلی انسان ہے۔ جب تک جسم کی تنگ خانقاہ میں تربیت اور غذا (یاد الٰہی، ذکر خدا، عشق الٰہی) کے بغیر رہتی ہے۔ اس میں ترقی کرنے کی قوت اُجاگر نہیں ہوتی۔ ارباب ذوق کی روحانی طاقتیں اور قوتیں جب نشو و نما پاتی ہیں تو ان کو صورتوں اور جسموں کی تنگی محسوس ہوتی ہے۔ تو وہ اس وجود کے لباس کو قدس کے بلند و بالا، بالاخانہ پر اُتار پھینکتے ہیں۔ وجود کے لباس کے سمیت قدس کے بالاخانہ تک جاتے ہیں۔ وہاں سے آگے وجود کے لباس کے بغیر آگے بڑھتے ہیں۔ خرقۂ وجود کو "قدس" کے بالاخانہ کے بلند و بالا اور عظمت والے کنگروں پر لیجانا اور وہاں اُتار پھینکنا ارباب ذوق ہی کا کام ہے کسی اور کا کام نہیں۔ یہ بلند ہمتی کیا ہے؟ بذاتِ خود تجربہ کئے بغیر سمجھانے سے اس کو سمجھنا اور اس سے لطف اندوز اور محظوظ ہونا ممکن نہیں۔ عرش علیٰ سے اوپر کی حالت وہ بیان کرتے نہیں جو وہاں پہنچے ہیں، تو پھر ہم کو کیسے پتہ چلے۔ وہ کہتے ہیں، "ہمکو خبر نہیں" خود محنت کرو، ارباب ذوق میں شامل ہوجاؤ۔ خود بخود تجربہ ہوگا۔

از نازِ یار و محنتِ اغیار فارغ اند
چوں در سَراوقاتِ جلالش رسیدہ اند

ناز: معشوق کی ادائیں۔ لاڈ پیار، فخر گھمنڈ + محنت: تکلیف، کوشش + اغیار: غیر کی جمع بیگانے، وہ لوگ جن سے تعلق نہ ہو + سراوقات: سرادق کی جمع۔ خیمے، شامیانے، جلال، بزرگی، بڑائی۔

یار کے لاڈ پیار اور بیگانوں کی تکلیف رسانی سے فارغ (لاپروا) ہو جاتے ہیں۔ جب اس کی بڑائی اور بزرگی کے شامیانوں میں پہنچتے ہیں

جب یہ ارباب ذوق اس کی عظمت اور بڑائی کے سایہ بالنوں میں پہنچتے ہیں (منزل مقصود حاصل کرتے ہیں) تو ان کے پاس دوست اور دشمن، اپنا اور پرایا، یار اور بیگانہ کوئی نہیں رہتا ہے ان کی نظر میں سب برابر ہو جاتے ہیں۔ دوستوں کی نازبرداری اور خوشامد سے خوش نہیں ہوتے ہیں۔ بیگانوں ہکتہ چینیوں کی تکلیف رسانی اور برا بھلا کہنے سے ناراض آزردہ اور رنجیدہ نہیں ہوتے ہیں۔ جب یہ باتیں کسی میں نظر آئیں تو جاننا چاہیئے کہ یہ ارباب ذوق میں سے ہے۔

در مجلسِ شہود نشستہ ملوک وار
ذوقے ز جامِ اُنس و محبت چشیدہ اند

شہود: حضوری۔ حاضر ہونا۔ روحانیت اور تصوّف میں وہ درجہ جس میں جلوۂ حق نظر آتا ہے شہود کا مقام حاصل ہونے والوں کو ہر شئے میں "عینِ حق" نظر آتا ہے۔
ملوک: مَلک کی جمع۔ بادشاہ بے فکر، بے غم خودمختار بے نیاز + ذوق: لذت، چاشنی، لطف اُنس: محبت، آپس میں میل ملاپ۔ لاڈ پیار +

شہود کی مجلس میں بادشاہوں کیطرح بیٹھ کر میل ملاپ اور محبت کے پیالے سے لُطف اور مزہ چکھا ہے۔
ارباب ذوق جب "شہود" کی مجلس میں حضوری اور مصاحبت کا منصب پاتے ہیں، تو بےفکر بےغم اور بےنیاز بادشاہوں کی طرح بیٹھ کر لاڈ پیار اور محبت کے پیالے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ جام تین قسم کے ہیں۔ ایک میں "کافور" کی آمیزش ہے۔ کافور سے شہوانی خواہشات مٹ جاتی ہیں۔ نفس پروری، شہوت پرستی، حرص و ہوا، غصہ و کینہ، رشک و حسد کی آگ بجھ جاتی ہے۔ ایک میں "زنجبیل" کی آمیزش ہے۔ زنجبیل کی خاصیت کافور کے برعکس ہے۔ وہ سرد اور ٹھنڈا کرنے والی چیز

ہے۔ یہ گرمی پیدا کرنے والی۔ اس سے اُنس، محبت، مروّت، ہمدردی اور اخوت کی آگ بھڑکتی ہے۔ ایک "شرابِ طہورا" ہے۔ تمام ملاوٹوں سے پاک اور صاف۔ یہ "شرابِ معرفت" ہے اور یہ شراب مجلسِ شہود کی شراب ہے۔ مصاحبوں اور حضوری سے سرفراز ہوئے لوگوں کی شراب ہے۔ اس کی مستی میں سب کچھ مٹ جاتا ہے۔ اچھائی اور بڑائی کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ نیک و بد، مفید و مضر، جنّت اور جہنم سے نہ دلچسپی رہتی ہے اور نہ خوف و ہراس اور یہ "جام" اربابِ ذوق کے لئے مخصوص ہے۔

جان را بہ باد دادہ دِل پائمالِ عشق

جلبابِ نام و پردۂ دعویٰ دریدہ اند

بہ باد دادن: ٹکڑے ٹکڑے اور ذرّہ ذرّہ کر کے ہوا میں اُڑا دینا، فنا کرنا + پائمال: پاؤں تلے روندا ہوا، کچلا ہوا + جلباب: (جلبال) چادر۔ سرچادر +

انہوں (اربابِ ذوق) نے جان کو (راکھ بنا کر) فنا کر کے ہوا میں اُڑا دیا ہے، اور ان کے دلوں کو عشق نے پاؤں تلے کچل دیا ہے۔ ننگ و ناموس، عزّت طلبی اور شہرت نام آوری کی چادر اور دعویٰ کے پردہ کو پھاڑ دیا ہے (کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا ہے)

اس شعر میں "اربابِ ذوق" کے کردار اور کریکٹر کا خاکہ کھینچا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہیں؟ عشقِ الٰہی نے ان کو دلوں کو مسل ڈالا ہے۔ ان کے دِل پارہ پارہ ہیں۔ ان کو جان کی پروا نہیں، شہرت سے نفرت رکھتے ہیں۔ ان کو دعویٰ (خیال ہیں اور کہتے نہیں) نہیں کہ دُنیا میں ہم کچھ ہیں۔ انکساری۔ عاجزی۔ خاکساری اور لادعوائی کے پُتلے ہیں۔ اگر اس کردار کے لوگ کہیں نظر آئیں تو جان لو یہ اربابِ ذوق ہیں۔

بر بوئے مہر تست "علائی" رہینِ غم

کاین دولت از ازل بگلش در دمیدہ اند ۔ تلفظ: کین

رہین: محبت + رہین: گرو + گِل: گارا، مٹی، کیچڑ + دمیدن: پھونکنا + ازل: زمانہ جس کی ابتدا نہیں +

تمہاری محبت (عشق) کی بو پر "علائی" غم کا گرو ہے۔ اور یہ تیری محبت اور غم کا گرفتار ہونے کی دولت (عطیۂ الٰہی) ازل ہی سے اس کی مٹی (ذات میں) میں پھونکی (رکھی گئی، دی گئی) گئی ہے۔ اس

اس شعر میں معشوق حقیقی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :۔ اے میرے معشوق "علائی" تیری محبت کی بُو پر غم کا گرد ہے۔ تیری بو اس کے دماغ کو ابھی نہیں پہنچی ہے۔ ہاں تیری محبت اور عشق کی "بو" اس کے دماغ تک پہنچی ہے، اور اسی نے اس کو "غم" میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ تو تیری "محبت" کی "بو" کا حال ہے۔ تیری "بو" کیا ہو گی؟ اور یہ تیری محبت کی بو ایک بہت بڑی "دولت" ہے۔ جو اس کے (علائی) عناصر میں رکھی گئی ہے جن سے اس کا وجود عنصری بنا ہوا ہے (ایک خوشبو دار شئے کی بو دُور سے آتی ہے۔ یہ بو تڑپ پیدا کرتی ہے۔ غم پیدا کرتی ہے چیز دیکھنے کے لئے اور سونگھنے والا اس بو سے محبت کرتا ہے حالانکہ اصلی چیز کا پتہ جس سے بو آتی ہے، اس کو نہیں۔ صفات الٰہی جن کا ظہور عالم احساس میں ہے۔ بو ی "ذات" ہیں۔ یہی عشق الٰہی کا باعث ہیں۔ یہی "ذات" کی معرفت حاصل کرنے کے لئے دل میں تڑپ اور اشتیاق پیدا کرنے کے سبب ہیں۔ صفات ذات پر غور کرنے اور ان سے محبت کرنے اور ان صفات کو ورد بنانے کی تلقین کے لئے پیغمبر آئے، ان پیغمبروں نے صفات ہی کو سنایا۔ "ذات" کو کسی نے شاید نہ خود دیکھا نہ کسی کو دکھایا۔ بو سے روشناس کیا۔ بو والے کی حقیقت بو کی بناء پر دُنیا کو بتائی۔ جب ان سے پوچھا گیا، وہ ذات کیسی ہے؟ جواب تھا "لیس کمثلہ شئی" ہم کیسے سمجھائیں، کیونکہ بے مثال کو سمجھنا ناممکن اور محال ہے۔ اس واسطے کافی یہ ہے کہ "بو" سے محبت رکھو اور "ایمان" رکھو کہ یہ بو کسی "ذات" سے آتی ہے۔ یہی "عشق الٰہی" ہے۔ ذات کی براہ راست "بو" اور محبت کی بو پر غور کرنا چاہیئے تاکہ فرق معلوم ہو۔ دیکھ کر محبت اور بو کی محبت میں فرق ہونا چاہیئے

غزل نمبر ۲

ہر آن جان کز غمش درو ی رقم نیست
ندیمش در دو عالم جز ندم نیست

رقم: تحریر، نقش، زر سکہ، دولت + ندیم: مصاحب۔ ساتھی، ہمنشین دوست + ندم: شرمندگی ندامت +

ہر اس "جان" کو جس میں اس کے غم (محبت۔ عشق) کی تحریر نہیں نقش نہیں، دولت نہیں۔ دونوں دنیاؤں میں ندامت اور شرمندگی کے سوا کوئی ساتھی اور کوئی رفیق نہیں۔ جس میں عشق ہے۔ تقویٰ ہے۔ پرہیزگاری ہے۔ خدا ترسی ہے۔ خدا سے ملنے کا غم ہے، وہ سُرخرو ہے۔ صاحب قدر و منزلت ہے۔ ندامت سے دور ہے۔ دنیا و آخرت میں باعزت ہے۔ اس کے ندیم ہمنشین اور ساتھی۔ صلحاء انبیاء، شہداء اور صدیق ہیں۔ یہ شخص نیکو کار ہے، نیک کردار ہے۔ خوف خدا اور غم عشق کے باعث بدکاری

بدی اور بدکرداری سے محفوظ ہے۔ اِس کے برعکس جس میں خوفِ خدا اور غمِ عشق نہیں۔ وہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں بھی رسوا اور خوار ذلیل ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی "خسر الدنیا والآخرۃ" شرمندگی اور ندامت میں یہاں بھی گرفتار رہتا ہے اور وہاں بھی۔

دلے کز دردِ او درماں نسازد
وجودِ اور بمعنی جز عدم نیست

درماں: دارو، دوا، علاج + معنی: حقیقت، اصلیت، وہ خیال جو لفظ کے سُننے سے دِل میں اصلی چیز کی صورت و شکل۔ حرکت سکون پیدا کرتا ہے۔ ترجمہ اور معنی میں فرق ہے۔ ترجمہ ایک ہی چیز یا ایک ہی کام اور حرکت کے لئے مختلف الفاظ کا استعمال ہے۔ مثلاً شمس کا فارسی ترجمہ (لفظ) آفتاب ہے۔ آفتاب کا ترجمہ سورج ہے۔ ان الفاظ کو سُنتے یا استعمال کرنے سے جس چیز کی تصویر اور شکل پیدا ہوتی ہے۔ وہی معنی کہلاتا ہے اور حقیقت وہی ہے۔ معنی سے مُراد اصلی ذات اور اصلی کام کا تصوّر ہے۔ وہ دِل جو اس کے درد (محبت، عشق، دُکھ، بیماری) کو اپنا علاج نہ بنائے۔ حقیقت میں اُس (دل) کا ہونا۔ نہ ہونے کے بغیر اور کچھ بھی نہیں۔ دِل کی بیماری (حرص، ہوا، طمع لالچ، حُبّ دُنیا، کینہ، عداوت، حسد، نفس پروری، شہوت پرستی، ایذا رسانی، ظالمی، کبر، نخوت و غرور وغیرہ سے مرکّب ہے) کا واحد علاج عشقِ الٰہی ہے۔ اس دوا عشق ہے سے دل کی بیماری دُور ہو جاتی ہے۔ دِل صحت مند ہو جاتا ہے۔ دل میں اپنے "وجود" کا احساس ہو جاتا ہے۔ دل میں قسم قسم اور رنگ رنگ کی پریشانیاں آ کر اس کو بیمار نہیں کر سکتی ہیں۔ دِل زندہ رہتا ہے اور جو دِل دردِ عشق کی دوا سے اپنا علاج نہیں کرتا ہے وہ دِل کی بیماریوں کا شکار ہو کر مُردہ ہو جاتا ہے۔ مُردہ ہو کر معدوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کا وجود عدم کے بغیر کچھ بھی نہیں۔

سرے کز سرّ معنی باخبر شد
درو گنجائشِ شادی و غم نیست

سِرّ: راز، بھید، پوشیدہ بات، اصلی حقیقت +

جو سَر معنی کے راز اور بھید سے واقف اور خبردار ہو گیا۔ اُس (سَر) میں شادی اور غم (سمانے) کی جگہ نہیں۔ سَر حیوانات کے اعضاء میں وہ عضو ہے جس میں دماغ ہے۔ دماغ میں حواس

ظاہری (ذائقہ۔ باصرہ۔ سامعہ۔ شامہ اور لامسہ) اور حواس باطنی (متخیلہ۔ متصورہ۔ حافظ۔ واہمہ۔ متفکرہ اور حسِ مشترک) ہیں۔ انہی حواس کے ذریعے علم الاشیاء حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کی واقفیت حاصل ہونے پر اس کی حقیقت، کیفیت، کمیت اور اصلیت کی واقفیت ہوتی ہے۔ اس اصلیت اور حقیقت میں بھی ایک بھید ہے ایک راز ہے۔ جس کو "سِرِ معنی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ معنی کا معنی۔ معنی کا راز "سِرُ السِّر"۔ بھید کا بھید۔ حقیقت کی حقیقت اور مقصدِ اعلیٰ واقفیت کا۔ آگاہ ہونے کا، باخبر ہونے کا ہی ہے کہ اس حقیقت اور اصلیت کے "سِر" سے آگاہی ہو واقفیت ہو جس سَر میں، جس دماغ میں، جس دل میں یہ واقفیت بھر جاتی ہے۔ اس میں شادی، غم، خوشی اور رنج کی جگہ ہی نہیں رہتی ہے۔

جہاں از عکسِ رویش گشت روشن
اگر اکمہٗ نہ بیند ہیچ غم نیست

عکس: اُلٹا، سایہ، وہ شکل جو آئینہ یا صاف شفاف چیز میں نظر آئے۔ وہ روشنی جو کسی روشنی دینے والی چیز سے دوسری چیز پر پڑے، فوٹو + اکمہٗ: مادر زاد اندھا +

اُس کے چہرے کے عکس سے دُنیا روشن ہوگئی۔ اگر مادر زاد اندھا اس روشنی کو نہ دیکھے تو کیا غم ہے؟

تمام کائنات کا ظہور اس روئے پر نور کا عکس ہے۔ اُس کا نور کائنات کے ظہور کا سبب اور علّتِ اوُلیٰ ہے۔ اگر مادر زاد اندھا (گمراہ، مُنکرِ خدا) اس نور کی پہچان سے اس نور کو محسوس کرنے سے بے بہرہ اور محروم ہے تو اس کا غم ہی کیا ہے۔ بینائی والے دیکھتے ہیں اور یہ آواز بلند پکارتے ہیں "ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا" یہ تیرے نور کا ظہور جھوٹا نہیں۔

تو محرم نیستی محروم ازانی
رہِ نامحرماں اندر حرم نیست

محرم: واقف، ہمراز + محروم: نااُمید، بے نصیب + نامحرم: بیگانہ: ناواقف +
حرم: خاص محل: مستورات کا محل +

تو واقف نہیں ہو اسی لئے تم نااُمید اور بے نصیب ہو۔ کیونکہ (تم جانتے ہو) ناواقفوں اور بیگانوں کا راستہ (آنا جانا) (اجازت)، خاص محل میں آنے کا نہیں ہے۔

محرم اور نامحرم دوست اور بھکاری میں بڑا فرق ہے جس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر لیجئے۔ ایک امیر ہے جو سخی اور رحمدل ہے۔ اس کے پاس بھکاری آتا ہے اور منت وسماجت کرتا ہے۔ "مجھے سو روپے کی ضرورت یا چادر کی ضرورت ہے یا کسی اور گراں بہا چیز کی ضرورت ہے۔ مجھ پر رحم کیجئے، مجھے دیجئے۔ امیر میں دینے کی طاقت ہے منت وسماجت، عجز وزاری کرنے پر ایک آنہ دیتا ہے یا ایک روپے اگر بھکاری اصرار کرتا ہے، تو برا بھلا کہہ کے گھر سے نکال دیتا ہے۔ اسی کے پاس ایک محرم دوست آتا ہے۔ حاجت بیان کرتا ہے۔ منہ مانگی مراد پاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مانگنے کے بغیر خود ضرورت کی چیز اٹھا کر لیجاتا ہے۔ دوستان خدا کا یہی حال ہے وہ واقف ہیں۔ وہ محرم ہیں ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، جو چاہتے ہیں خود ہی اٹھا کر لیجاتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں اپنے دوست کی دولت سے دیتے ہیں۔ دوست "غنی" ہے اور اپنے دوستوں کی رضامندی چاہتا ہے۔ محرم خوش نصیب ہیں، وہ گھر کے حالات سے پورے واقف ہیں، گھر میں بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں۔ مالک خانہ جو ایزادی یا کمی گھر میں کرنا چاہتا ہے۔ دوستوں سے بیان کرتا ہے اور دوست سر تسلیم و رضا خم کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ انکا دوست "مدبراً بلا وزیرٌ" ہے۔ نامحرم گھر کو دیکھکر تمنا اور آرزو کرتے ہیں کہ ہم دیکھتے کہ سارا گھر کیسا ہے۔ اس میں کیا دولت ہے کیا سامان ہے۔ کیا انتظام ہے؟ محرموں کو ذرہ ذرہ دکھایا جاتا ہے۔ دوستوں سے ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ گھر ہمارا ہی ہے۔ یہ دوست اگر کسی کی سفارش کرتے ہیں ان کی سفارش منظور کی جاتی ہے۔ "مردان خدا خدا نہ ہستند، لیکن ز خدا جدا نہ ہستند۔

حجاب تست این ہستی موہوم
کہ ہرگز نور با ظلمت بہم نیست

حجاب: پردہ + ہستی: کائنات، وجود، زندگی + موہوم: فرضی، خیالی، قوت واہمہ کی پیداوار + (خدا سے) تیرا پردہ یہ (تمہاری) فرضی اور خیالی زندگی ہے۔ (یہ عکسی کائنات ہے) کیونکہ (تم کو تجربہ ہے، تم جانتے ہو) روشنی اور تاریکی (کا وجود ہونا) کا اکٹھے ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

دو میں سے ایک ہی ہے۔ روشنی ہے یا تاریکی۔ نور ہے یا ظلمت، ہدایت ہے یا ضلالت۔ امارت ہے یا غربت۔ بطون ہے یا ظہور۔ ان دونوں کے موجود ہونے میں کسی کو نہ تو شک ہے اور نہ اعتراض ہے، لیکن ایک کا وجود دوسرے کے عدم کا سبب ہوتا ہے۔ ایک کے عدم سے ہونے دوسرا وجود پاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان جو فرق کا باریک خط ہے، وہ یہی "ہستی موہوم" ہے۔ یہی حجاب ہے،

ہی ہو وہ ہے۔ "ہستی واجب الوجود" ہیں۔ جب "ہستی موہوم" مٹتی ہے تو اصلی ہستی کا ظہور ہے سورج کی روشنی میں تاریکی رہ نہیں سکتی ہے۔ اس کی "ہستی کے کامل ظہور پر" عالم کی "ہستی" نہیں رہ سکتی ہے یہ وہ وقت ہوگا۔ جب ندا ہوگی۔ "لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ"۔ جو یہ ندا کریگا۔ وہی جواب دیگا۔ "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" "موہوم ہستی" کا حقیقی ہستی" میں مدغم ہونا، تصوف کے نلیقوں کے پاس "قیامت" ہے۔ یہ "قیامت" انفرادی بھی ہے اور "اجتماعی" بھی۔ انفرادی ہر اس شئی اور ذات کے لئے ہے جو وقت مقررہ پر "ہستی موہوم" کو "حقیقی ہستی" میں ملا دیتی ہے، مدغم کرتی ہے اجتماعی قیامت یا "قیامت کبریٰ" وہ ہوگی جب "کل کائنات کی ہستی۔ حقیقی ہستی میں مدغم ہوگی اور یہ قیامت کب ہوگی، ہوگی یا نہ ہوگی، منشاء ایزدی پر ہے اور اس کے بغیر کسی کو خبر نہیں +

چو در دریائے وحدت گم نہ گشتی
ازانت دُرِّ عرفان در شکم نیست

جب تم وحدت کے سمندر میں گم نہ ہوا (غرق نہ ہوا! ڈوب کر، غوطہ لگا کر سمندر کی تہ پر نہ بیٹھا) اسی لئے تمہارے پیٹ (دل) میں عرفان (خدا شناسی) کا موتی نہیں۔

موتیا جانور (یا سیپی) سمندر کے گہرے مقاموں پر پایا جاتا ہے۔ پرانا خیال تھا کہ برسات کے موسم میں سیپی سمندر کی اوپر کی سطح پر آتی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو باراں کے قطرے نگلتی ہے اور اس کے پیٹ میں انہی قطروں سے "موتی" (گوہر آبدار) بنتا ہے۔ آج کل کی تحقیقات کچھ اور ہی ہے، لیکن بات ایک ہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ موتیا جانور (سیپی) کے پیٹ میں "موتی" تیار ہوتا ہے اب بات یہ ہے کہ اگر موتیا جانور سمندر میں نہ رہے تو کیا موتی اس کے پیٹ میں تیار ہوگا؟ ہرگز نہیں اسی طرح جب تک کوئی شخص موتیا جانور کی طرح "دریائے وحدت" میں غوطہ لگا کر اسی میں اپنا مقام نہ بنائے گا، عرفان کا موتی اس کے دل میں تیار نہ ہوگا۔

"کثرت" "وحدت" سے جدا نہیں۔ قطرے اور بارش کی بوندیں سمندر اور دریا ہی ہیں، لیکن قطرے کو کوئی دریا نہیں مانتا ہے۔ حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے۔ لیکن قطرہ قطرہ ہی ہے، اور سمندر سمندر ہی ہے۔ قطرہ جب سمندر میں اپنی ہستی کو "گم" کرتا ہے تو سمندر ہو جاتا ہے۔ چھوٹی ہستی مٹانے سے بڑی ہستی ملتی ہے۔ عرفان کی سیپی جب قطرے کو پیٹ میں جگہ دیتی ہے تو یہ قطرہ (سالک عرفان کا طالب) گوہر آبدار (اہل اللہ، نور کا مجسمہ) بنتا ہے۔ اس کی جبین سے، نور ایمان کی چمک اٹھتی ہے۔ گوہر شناسوں

کے پاس اس کی قیمت بڑھتی ہے اور جوہری (خدائے بزرگ) اس کی قدر کرتا ہے۔ اپنے پاس رکھتا ہے۔

چو باز ار چشمِ ہمّت بستی از کُلّ
مَقرِّ عزّ تو جز دستِ جم نیست

باز: جُرّا، شکرا۔ ایک شکاری پرندہ جس کو پرانے زمانے میں شکاری اور بادشاہ سدھاتے تھے۔ جس طرح آجکل رسٹ واچ کو کلائی پر باندھتے ہیں۔ بادشاہ لوگ باز کو اسی طرح بازو پر بٹھاتے تھے
کُلّ: اجزاء کے مجموعے کو کُل کہتے ہیں۔ تمام، سارا + مَقرّ: قرار کی جگہ، بیٹھنے کی جگہ +
عزّ: عزّت، ارجمندی، قدر و قیمت + جم: جمشید، ایران کا ایک مشہور بادشاہ: بادشاہ +
باز کیطرح اگر ہمّت (عالی حوصلگی، توفیق، ڈھارس) کی آنکھ کُلّ (تمام کائینات) سے بند کروگے تو پھر تمہاری عزّت کی جگہ بادشاہ کے ہاتھ کے بغیر (اور کہیں) نہیں۔

سدھائے ہوئے باز کی آنکھیں بند کر کے اس کو بادشاہ بازو پر بٹھاتا تھا۔ شکار نظر آنے پر آنکھوں سے پٹی اُتار دی جاتی تھی۔ بادشاہ باز کو شکار کیطرف ہاتھ سے اشارہ کرتا تھا اور باز شکار پر جھپٹتا تھا۔ بادشاہ کے ہاتھ پر جگہ پانے سے بڑھکر اور کیا عِزّت ہے۔

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں، اگر تم بلند حوصلگی، ارادہ اور عالی ہمتی کی آنکھ کو ماسوائے اللہ (کل کائینات) سے بند کروگے تو تمہارا مالک (خدا) تم کو دستِ قدرت پر بٹھائے گا اور اس سے بڑھکر اور کیا عزّت ہے کہ تم کو "یداللہ" پر جگہ ملے۔ اولاد کو والدین ہاتھوں میں ہی پالتے ہیں۔ جب خدا تم کو اپنے ہاتھ پر بٹھائے گا تو وہ تم کو "ربوبیت" کی تمام باتوں سے نوازے گا۔

بادشاہ تم کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھائیگا تو اس سے بڑھکر کیا عزّت ہو سکتی ہے، کیا پھر وہ تم کو اپنے احسانات اور مہربانی سے سرافراز نہیں کرے گا؟

اگر فانی شوی در بحرِ توحید
عیاں بینی کہ آنجا کیف کم نیست

فانی: فنا ہونے والا، مٹ جانے والا + کَیف: کیا، کیونکر، کس طرح + کَمّ: کتنا + عیاں: ظاہر، بغیر کسی پردہ کے۔
اگر توحید (وحدت) کے سمندر میں فنا (غرق) ہو جاؤ گے تو صاف طور پر دیکھو گے کہ وہاں (وحدت کے دریا میں) کیا، کتنا اور کس طرح (کی باتیں) نہیں۔

بحرِ توحید میں ارادہ حوصلہ اور عالی ہمتی سے ہوش و حواس اور عقل و خرد کی موجودگی کے ساتھ غوطہ لگاتا ہے۔ اس سمندر میں اپنے آپ کو غرق کرتا ہے۔ پھر آدمی پر بحرِ توحید کی کیفیت عیاں ہوتی ہے کہ اس کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے کہ کیا ہے، کس طرح ہے، کتنا ہے اور کیونکر ہے؟ یہ مشاہدہ ہے، یہ معائینہ ہے، مشاہدہ اور معائینہ میں پوچھنے اور استفسار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ دل کی پوری تشفی اور تسلی ہو جاتی ہے اور یہی اطمینانِ قلب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

بجز ہمت نیابی راہِ مقصود
ہمائے ہمت اینجا متّہم نیست

مقصود: ارادہ کیا گیا۔ مُدعا، مطلب۔ وہ بات جس کے حاصل کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔
ہُما: ایک مشہور، مبارک پرندہ، نا منش معلوم جسمش معدوم۔ مشہور ہے کہ یہ پرندہ ہڈیاں کھاتا ہے کسی پرندے کو ایذا یا تکلیف نہیں دیتا ہے اور جس آدمی کے سر پر اس کا سایہ پڑے وہ بادشاہ یا بڑا امیر اور دولتمند ہو جاتا ہے + مُتّہم: تہمت لگایا گیا، جھوٹا الزام لگایا گیا، عیب لگایا گیا +

ہمت، پکے ارادے، بہادری اور اولی العزمی کے بغیر مقصد، مُدعا اور مطلب کے راستے کو نہیں پا سکوگے۔ (کیونکہ) ہمّت کے راجح ہُنس کو وہاں جھوٹا ہونے کا الزام نہیں لگایا جاتا ہے۔

جب طالبِ راہِ خدا ہمّت، اولی العزمی اور پکّے ارادے سے خدا کے راستے کو پانے اور دریافت کرنے کے لئے کمر باندھتا ہے، سعی، تلاش اور جستجو میں لگ جاتا ہے تو وہ راہِ خدا چلنے اور اس (راہ) پر قدم زن ہونے میں کامیاب ہوتا ہے۔ ہمت سے اس کی صداقت کی تصدیق ہوتی ہے اور اس کو جھوٹا، مکّار، ریاکار ہونے کا الزام نہیں دیا جاتا ہے۔ مکّاری اور ریاکاری کی تہمت اس پر نہیں لگائی جاتی ہے۔ راہِ خدا چلنے کے لئے ضروری ہے کہ طالب راہِ خدا سچّے مذہب (صراطِ مستقیم۔ سیدھے راستے) سے اپنے آپ کو روشناس بنانے کے لئے تحقیق کرے (مذہب کے معنی "طریق" اور راستے کے ہیں۔ دین کا راستہ) اور تحقیقات کر کے دل کا اطمینان کرے کہ "یہی ہے راہِ راست، صراطِ مستقیم، سیدھا راستہ پایا ہے"۔ پھر اس راستے کے رہنماؤں اور رہبروں کی تلاش کرے۔ ان سے راستے کی دوری، نزدیکی اور منزلوں کی واقفیت بہم پہنچائے۔ پھر جانباز مسافرین کر اسی راہ کو طے کرنے کا پکّا ارادہ کرے۔ جب راستہ طے ہوگا تو پھر بادشاہ کا شہر نظر آئیگا۔ اس شہر کے کوچوں اور گلیوں سے واقفیت ہونے کے بعد شاہی محل کا نظارہ ہوگا۔ پھر اپنے آپ کو محل سرا میں پہنچانے کی کوشش شروع ہوگی۔ جب ان تمام باتوں میں

کامیابی ہوگی اور بادشاہ کی مہربانی اور عنایت شامل حال ہوگی تو دربار خاص میں جگہ پانے اور مقرب بننے کی امید ہے۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"۔

علی چوں ہمتِ عالی نداری
ترا کامے بکویش لاجرم نیست

کام: مراد، مقصد، مطلب + لاجرم: مجبوراً، بالضرورۃ، اس لئے

اے علی! (کیونکہ) جب تو بلند ہمت نہیں رکھتے ہو۔ اس لئے تجھے اس کے کوچے اور گلی سے کوئی مطلب نہیں۔

اس غزل میں قدس اللہ سرہٗ، ایک طرف سے اس راستے کے نشیب و فراز، ہماری کمزوری، مجبوری اور عاجزی کے بارے میں گوہر افشاں ہیں، دوسری طرف سے ہمکو اولی العزمی، بہادری اور ہمّت کا سبق دیتے ہیں کہ تم ہمّت کرو، کامیاب ہو جاؤگے۔ ہمّت سے سب کچھ حاصل ہوگا۔ اب بزرگی کا ملاحظہ کیجئے کہ اس شعر میں کس عجز اور کس درجہ کی انکساری کا اظہار ہے۔ قدس اللہ سرہٗ جیسا عالی ہمّت، قدوۃ الاولیا، علوم ظاہری و باطنی کا مخزن، بحر عرفان کا شناور اور غوطہ زن، قطب ربّانی، غوث صمدانی اعتراف کرتے ہیں۔ اے علی! تو ہمّتِ عالی نہیں رکھتے ہو۔ اس لئے اس کے کوچے سے تمہاری مطلب برآری نہیں ہوتی ہے۔ معشوق کے کوچے کے طواف سے عاشق کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ معشوق کا "دیدار" بنے۔ یہ حال تو علی ثانی قدس اللہ سرہ کا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

این مدّعیاں در طلبش بے خبرانند — کانرا کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

غزل نمبر ۵

راحت ار خواہی! بیا بادردِ او ہمراز شو
دولت ار جوئی! برو در عشقِ او جانباز شو

ار: ہرگاہ، اگر + درد: دکھ، بیماری، عشق + ہمراز: بھیدی، ساتھی، بھید اور راز کا جاننے والا۔
جانباز: جان پر کھیلنے والا، جان قربان کرنے والا +

اگر آرام چاہتے ہو۔ آؤ میں تم کو راحت پانے کا گر بتا دوں گا اور وہ یہ ہے کہ تم اس کے دکھ کا بھیدی ہو) اور اس کے عشق کا بھیدی (رازدار) ہو۔

اگر دولت اور اقبال مندی ڈھونڈھتے ہو، تو جاؤ! اور اس کے عشق میں جان قربان کرنے والا ہو جاؤ۔

درد، دکھ، بیماری، بے آرامی، بے قراری اور پریشانی کے اسباب ہیں، لیکن قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر تم راحت اور آرام کے طلبگار ہو۔ تو اس کی بیماری کا بھیدی راز دار اور ساتھی ہو۔" اس کی بیماری سے مراد یہ نہیں کہ وہ (معشوق) بیمار ہے، اور عاشق اس کی تیمارداری کرے۔ نہیں وہ بیماری سے مبرّا ہے۔ اس لئے اس کی بیماری سے مراد وہ بیماری ہے جو معشوق کے سبب سے عاشق کو لگتی ہے اور وہ بیماری "عشق کی بیماری" ہے۔ اس بیماری کے ساتھ ہمراز ہونے کا مطلب ہے "عاشق صادق ہونا۔ عشق کے تکالیف کو سہنا اور برداشت کرنا۔ عشق کے رموز کو سمجھنا، اس کے مرحلوں سے آگاہ ہونا۔ خیال رکھنا چاہیئے یہاں "با او ہمراز شو" نہیں" بادردِ او ہمراز شو" ہے۔ اُس (معشوق) کا ہمراز ہونا کیا اثر رکھتا ہے، اور اس کی کیفیت کیا ہے؟ کون بیان کر سکتا ہے! ہم اس کے درد کا ہمراز ہونے کا نتیجہ سناتے ہیں، اور وہ نتیجہ "ابدی راحت" ہے اور وہ کون ہے جو سکون، آرام، اطمینان اور ابدی راحت کا خواہشمند نہیں۔ ہم "راحت" کے خواہاں ہیں، لیکن جس کام کا نتیجہ "راحت" ہے اس کی طرف دھیان ہی دیتے نہیں، اور وہ کام اس کے درد کے ساتھ ہمراز ہونا ہے۔ عیش و آرام، دولت و حشمت، دین و دنیا کو چھوڑنا ہے۔ پھر اس کے "درد" کی ہمرازی کہیں نصیب ہوگی۔

دولت سے یہاں مراد مال و زر، جاہ و حشم، محل اور باغات، مال مویشی، لبسیں اور موٹر کاریں اور دیگر دنیاوی عیش و عشرت کی چیزیں اور سامان نہیں۔ یہ دولت، دولت "ایمان" ہے۔ دولت عشق ہے۔ دولت دیدارِ حق ہے۔ اگر یہ دولت کوئی چاہتا ہے، تو اس کو دنیاوی دولت سے دور جاتا ہے دنیاوی دولت کو چھوڑ دینا ہے، اور صرف ایک جان کو ساتھ رکھنا ہے، اور اس کے عشق میں جان پر کھیلنا ہے اور اس جان کو عشق کی مقدس قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانا ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ قابلِ غور ہے۔ عام طور پر "جان" سے مراد، روح، قوتِ حیات یا نفس لیا جاتا ہے اور اسی روح یا قوتِ حیات یا نفس کو اصلی "آدمی" یا جاندار مان لیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت اور اصلیت کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے۔ "میں کہتا ہوں"۔ "یہ میری آنکھ ہے۔ میرا ہاتھ ہے، میرا دل ہے میری جان ہے۔ میری روح ہے وغیرہ۔ کوئی مالک (مضاف الیہ) جسم و جان کی ہر چیز کو اپنا ہونے کا

(اضافت) دعویٰ کرتا ہے۔ یہ دعویٰ کرنے والا حقیقت میں نہ جسم ہے اور نہ جان (روح) ہے۔ کوئی اور ہی "صاحب" ہے جو ہر چیز پہ چاہیئے وہ جسم سے تعلق رکھتی ہو، یا روح سے ملکیت اور آقائی کا دعویٰ کرتا ہے اور عجوبہ یہ ہے کہ اس (صاحب) کو خود بھی خبر نہیں۔ میں کیا ہوں اور کون ہوں؟ یہ خبر پانے کو عام طور پر "معرفتِ نفس" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے لئے کوئی لفظ دُنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں جو الفاظ ایجاد ہوئے ہیں۔ وہ کامل طور پر اس کے مفہوم کو ذہن نشین نہیں کر سکتے ہیں۔

ساز راہ عشق سر بازی بدنامی بود
گر سر این راہ داری بر سر این ساز شو

ساز: سامان، زادِ راہ، سفر کا سامان + سر بازی: سر پہ کھیلنا، سر کٹانا، بہادری، شجاعت + سر: خیال، ارادہ +

عشق کے راستے کا سامان سر پہ کھیلنا اور بدنامی کو لینا ہے۔ اگر (تم کو) اس راستے کو لینے کا (اس پر چلنے کا) خیال (ارادہ) ہے، تو پھر اس سامان پر (کھڑے) ہو جاؤ۔

عشق کے راستے کا زادِ راہ اور سامان سر دینا اور بدنامی اور رسوائی لینا ہے۔ اس کا تلخ تجربہ عشق مجازی کے گرفتاروں کو زیادہ ہوتا ہے۔ اکثر بار وہ سر دینے اور خودکشی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ بدنام، رسوا اور انگشت نما ہونے کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگنے سے گھبراتے نہیں۔ حالانکہ اس عشق کا مقصد اور مدعا شہوت پرستی کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اکثر بار ایسا واقع ہوتا ہے کہ اس (عشق مجازی) میں کامیابی اس آگ کو اتنا ٹھنڈا کرتی ہے۔ اور اس درجہ بجھاتی ہے۔ کہ "جذبۂ محبت" "جذبۂ نفرت" کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اگر اس (عشق مجازی کے) دوڑ میں سعادتمندی اور خوش نصیبی سے "مرشدِ کامل" مل جائے جو اس (عاشق) کو جسم پرستی (ظاہر پرستی) سے نور پرستی (باطن پرستی) کی طرف رہبری کرے اور حُسنِ حقیقی کی فوقیت حُسنِ مجازی پر روشن کرے۔ تو ایسے سعادتمند کا "راہِ عشق" پر چلنا مبارکبادی کے قابل ہے۔ "عشق حقیقی" کے راہ پر گامزن ہونے والوں کے لئے "سربازی" کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کو "مقصدِ اعلیٰ" مدِ نظر ہے۔ مقصدِ اعلیٰ کو حاصل کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی کوشش، بہادری، سربازی اور جاں نثاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ "مقصدِ اعلیٰ" کے سامنے جان و مال اور ننگ و ناموس کی کوئی قیمت، کوئی قدر اور کوئی وقعت نہیں۔ ان عاشقوں کو ریاکار، مکّار، فریبی، دین فروش، زاہدِ خشک، دیوانے، رند، بجرسی وغیرہ وغیرہ صفتوں

سے بدنام کیا جاتا ہے۔

قدس اللہ سرہٗ۔ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو راہ عشق اختیار کرنے کا ارادہ ہے۔ تو سُن لو کہ اس راستے کا توشہ اور زاد راہ سربازی اور بدنامی ہے۔ اگر ان دونوں باتوں کے لئے تیار ہو۔ تو ان دونوں کی گٹھڑی باندھو اور خود اس گٹھڑی پر کھڑے ہو جاؤ۔ نہ سر کی پرواکرو۔ اور نہ نام کی۔

برتن وجان چند لرزی چون نیرزی ارزنے
صعوہ یا ارزن گذارد برد رش شہباز شو۔

لرزیدن :- کانپنا۔ تھرتھرانا۔ نیرزی = قیمت نہیں رکھتے ہو۔

ارزن :- چینا۔ ایک اناج جس کو اناج کی قسموں میں نہایت کم درجے کا مانا جاتا ہے اور بہت کم استعمال کیا جاتا ہے۔

صعوہ :- ممولا۔ چڑیا کے برابر ایک پرند۔

جسم اور جان پر (کیلئے) کسقدر (کتنا) تھرتھراؤ گے جب تمہاری قیمت چینا (کے) برابر نہیں۔

ممولا چینا پر گذارہ کرتا ہے۔ (چینا کے دانے کھا کر زندگی گذارتا ہے) تم اس کے دروازہ کا (بلند پرواز اور صید افگن) شاہین بنو۔ یہاں پھر جسم اور روح کا مسئلہ پیش آتا ہے۔ یہ "تم" جسم وجان سے کوئی اور چیز ہے۔ جو جسم اور جان سے محبت رکھتی ہے اور دونوں کے لئے کانپتی ہے تھرتھراتی ہے۔ پریشان اور متفکر ہے۔ کہ یہ دونوں (تن وجان) صحیح سلامت رہیں۔ ان میں کوئی نقص نہ ہو۔ کوئی بیماری لاحق نہ ہو۔ ان میں جُدائی نہ ہو۔ اور یہی "تم" حقیقی انسان ہے۔ جسم و جان کے ذریعے اس کا ظہور ہے جسم وجان تم کے لباس کے دو کرتے ہیں ایک لطیف نرم و نازک اور باریک اعلےٰ تاریود کا دُوسرا کثیف۔ موٹا کھردرا اور ادنیٰ تار پود کا۔ تم۔ میں اور وہ (حقیقی انسان) اس لباس کو (اگر چاہئے) اپنے ارادے سے اُتار سکتا ہے۔ اور اس سے بڑھ چڑھ کر اعلیٰ پوشاک پہن سکتا ہے۔ ورنہ ایک وقت ضرور آئیگا کہ یہ لباس فرسودہ اور بوسیدہ ہو کر گر جائیگا۔ اور عریانی اور شرمندگی کے سوا اور کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔

قدس اللہ سرہٗ۔ اس تم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ تم میں دو نوں قوتیں ہیں پستی بلندگی

گذارنے کی اور بلندی پر آشیاں بنانے کی چینا (ماسوائے ذکر اللہ پر دن گذاروگے۔ تو تمہاری حیثیت ممولا کی ہوگی جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ بلند پرواز شاہین بنکر دروازہ قدس پر آشیانہ بناؤ گے تو تمہاری قدر و قیمت بڑھ جائیگی۔ کائنات کہیگی کہ یہ بادشاہ کا شہباز ہے۔ تمہاری بذات خود کوئی قیمت نہیں۔ تم بے قیمت اور ہیچ ہو۔ تم کو اپنی قیمت خود بنانی ہے۔ ممولا رہو۔ یا شہباز بنو۔

شعر میں لرز۔ تیرز۔ ارز کے صوتی اثرات کے لطف کا بھی اندازہ ہو۔

تا بکے ہمچوں زناں ایں راہ رسم و رنگ و بوی۔

راہِ مردان گیر و با صاحبدلاں دمساز شو

راہ = طریقہ۔ طرز عمل۔ رسم = عادت۔ قاعدہ۔ لائحہ عمل = رواج۔

دمساز = گانے میں مدد دینے والا۔ مجلس سماع کا ساتھی = دوست۔

کب تک عورتوں کیطرح رواج۔ رنگ اور بوی کے طریقہ پر چلتے رہوگے (رسومات اور آرائش و زیبائش کے پھندے میں پھنسے رہوگے) مردوں (خدا دوستوں) کے راستے (طرز عمل) کو اختیار کرو اور دل والے لوگوں کے ساتھ (ذکر الٰہی میں) ان کا مدد گار (دوست۔ رفیق) بنو

فطرت نے عورتوں میں رسم و رواج کی پابندی۔ آرائش و زیبائش کا خیال۔ رنگ و بو کی محبت کا مادہ مردوں سے زیادہ رکھا ہے۔ عورتوں کی توجہ جسمانی (ظاہری) خوبصورتی قائم رکھنے اور بڑھانے کیطرف زیادہ ہوتی ہے۔ روحانیت کیطرف ان کا دھیان کم ہوتا ہے۔ دل کی صفائی پر جسم کی صفائی کو ترجیح دیتی ہیں۔ جسم کی طرف زیادہ توجہ دینے سے دِل ناصاف اور مردہ ہو جاتا ہے۔

قدس اللہ سرہٗ عورتوں پر عام چوٹ نہیں کرتے ہیں۔ کہ عورتیں روحانیت سے خالی ہیں۔ خدا طلبی کا مادہ ان میں نہیں اور عورتیں صاحبدلوں کے گروہ میں جگہ نہیں پا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان کے مُرید۔ فدائی اور شیدائی جو تھے۔ ان کی عورتیں اس مرشدِ کامِل کیخدمت میں حاضر رہتی تھیں۔ ان کی خدمت گذاری کرتی تھیں۔ اور پیر کامل سے فیض پاتی تھیں۔ صاحبدلوں اور مردوں کے زمرہ میں شامِل تھیں۔ لیکن سرسری نگاہ۔ عام تجربہ اور ان حالات سے جو عورتوں سے سرزد

ہوتے ہیں یہی رائے قائم ہو سکتی ہے۔ کہ رسم و رواج۔ آرائش زیبائش رنگ و بو کی دلدادہ عورتیں مردوں سے کہیں زیادہ اور بڑھ چڑھ کر ہیں جس مرد میں جسم پروری اور رسم و رواج۔ آرائش و زیبائش اور رنگ و بو کی طرف دھیان ہو۔ وُہ بھی حقیقت میں عورت ہی ہے۔

فرماتے ہیں :۔ اے عزیز کب تک تم دنیاوی رسم و رواج۔ آرائش زیبائش رنگ و بو۔ خوبصورتی اور سجاوٹ کے خیالات میں گرفتار رہو گے۔

رسم و رواج کی پابندی "بدعت" ہے۔ حُسن و جمال فانی ہے۔ خوبصورتی اور سجاوٹ کو پائیداری نہیں۔ ان باتوں میں لگ جانا ناقص العقلی کی دلیل ہے۔ آؤ! مردوں (خدادوستوں) کا طریق زندگی اختیار کرو اور دنیاوی رسموں اور رواجوں کو لات مار۔ بہادر بن۔ اور صاحبدلوں کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ۔ فارغ ہو کر۔ اس (خدا) کے گیت گانے والوں کے ساتھ ملکر گیت گاؤ۔

جان و تن بند است و کفر و دین حجاب اندر رہش

جملہ را برہم زن و با عشق ہم آواز شو۔

بند = قید۔ ہتکڑی۔ زنجیر روک۔

حجاب = پردہ۔ وُہ بات جو روک پیدا کرے۔ شرم۔

برہم زدن = اُلٹ پلٹ کرنا۔ ناراض کرنا۔

اُس (خدا) کے راستے میں جان اور تن۔ کفر اور دین روک اور پردہ ہیں۔ ان سبھوں کو تہ و بالا اور اُلٹ پلٹ کر (پھر) عشق کے ساتھ ایک آواز والا (اتفاق کرنے والا) اور ہم آہنگ ہو جاؤ۔ (جو سُر اور راگ عشق گاتا ہے۔ وہی گاؤ) جسم اور روح کی پرورش۔ کُفر اور دین کا خیال اس کے راستے میں روک ہیں۔ اُس کا رستہ عشق اور محبّت کا راستہ ہے۔ "عشق" جس راہ پر چلتا ہے۔ وُہ جان اور تن کا راستہ نہیں۔ وہ دینداری۔ اور کافری کا راستہ نہیں عشق کو نہ کُفر سے واسطہ ہے۔ نہ دین سے تعلق ہے۔ جان اور تن قید خانہ ہیں۔ اور تم قیدی ہو۔ جان اور تن کی ہتکڑی میں جکڑے ہوئے ہو۔ ان کو تہ و بالا کر کے۔ رہائی حاصل کر اور جو راگ عشق گاتا ہے۔ وہی تم بھی الاپ۔ عشق کا نغمہ محبّت کا نغمہ ہے معشوق سے وصال کا گیت ہے۔ اسی کی ثنا۔ حمد۔ اور تعریف ہے۔ تم بھی اس عشق کے ساتھ ہم آہنگ اور ہم آواز بنو۔

چون زغن تا چند باشی بستۂ مردار تن
در ہوائے سیرِ جان یک لحظہ در پرواز شو

زغن = چیل - بستہ = باندھا ہوا - گرفتار -
یک لحظہ = ایک پل - ایک ساعت = یکدم -

چیل کیطرح کب تک تن کے مُردار کا باندھا ہوا (گرفتار) ہو - جان کی سیر کی ہوا میں ایک منٹ کے لئے پرواز میں ہو جاؤ (پرواز کر) تن مردار چیز ہے - جو چیز بدن سے نکلتی ہے مُردار ہے - رگوں میں خون - پیٹ میں پیشاب - فضلہ - تھوک - بلغم - مادہ منی وغیرہ سب مُردار اور ناپاک ہیں - گوشت - جلد - ناخن - ہڈیاں وغیرہ - غرض تن مُردار ہے - اور ہم ہیں جو اسی کے گرفتار ہیں - تن پروری ہمارا کام اور مقصد ہے - اس لحاظ سے ہماری مثال چیل کی مثال ہے - جو مُردار خوار پرندہ ہے - اس کی نظر مُردار کی تلاش میں نیچے کی طرف ہوتی ہے - بلند پرواز ہونے کے باوجود چیل کی نظر اوپر کو اٹھتی نہیں چیل فضائے آسمانی کے روح پرور مناظر سے محروم ہے -

فرماتے ہیں تم مردار تن (جسم) سے رہائی حاصل کرو - نظر بلند کرو - تن پروری اور نفس پروری سے دست بردار ہو جاؤ - اور سیرِ جان (عالم روح) کی ہوا (فضا) میں تھوڑی دیر کے لئے پرواز کر - حقیقت روح اور معرفتِ نفس کی واقفیت "سیر جان" کے بغیر ممکن نہیں - اس فضا میں پرواز کرنے سے عالم بالا کے مناظر کھلتے ہیں اور نظر آتے ہیں - روحانی لطف حاصل ہوتا ہے - یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے - کہ سیر جان کی ہوا میں پرواز کرنے کے لئے جان جسم سے نکلتی ہے - یہ سیر اسی طرح سے ہوتی ہے - جسطرح ہم جسم و جان کے سمیت ہیں - یہ سیر "معراج" ہے - "وصال" نہیں - معراج میں سیر ہوتی ہے - جسم و جان کے تفرقہ کے بغیر - "وصال" جسم و جان کے سمیت بھی ہے - اور ان کے تفرقہ اور جدائی کے بعد بھی - سیر جان میں پل بھر کا پرواز ہے - جو وقت وقت پر عمل میں آتا ہے - وصال میں "دائمیت" ہے - گرفتار تن کے لئے تھوڑی دیر کے لئے بھی روحانی پرواز کچھ کم نہیں - نظر کھلنے پر شوق بڑھ جائیگا - اور بلند پروازی حاصل ہو گی -

بازِ اوجِ کبریائی۔ مانده اندر دام کام
دام و دانہ بر دُرو خرم بحضرت باز شو

اَوج = بُلندی۔ کبریائی = بڑائی۔ عظمت۔ خداوندی۔
دام = جال۔ پھندا۔ کام۔ مُراد۔ مقصد۔ شہوت پرستی
بَردَرو = کاٹ دو۔ خرم۔ خوش۔ حضرت۔ بارگاہ۔ جناب۔ درگاہ۔
تم بڑائی اور عظمت کی بلندی اور اونچائی کے باز (شاہین) ہو۔
جو (کسقدر قابل افسوس ہے۔) تم (دنیاوی) مرادوں۔ مقصدوں اور شہوت پرستی کے جال میں رہ گئے۔ (گرفتار ہوگئے) ہو۔ (اور یہ معاملہ تمہارے حال کے شایاں شان نہیں) کبریائی۔ بزرگی۔ بڑائی عظمت اور جلال شان الٰہی اور خداوندی کی خاص صفات ہیں۔ یہ فضاء عرش اعظم سے بھی بلند تر ہے۔ اس سے بلندی ترین مقام اور کوئی نہیں۔ انسان اسی کبریائی کے اوج (بُلندی کا) شاہین ہے۔ اَحسن التقویم سے جب "اسفل السافلین" پر یہ "باز" آیا۔ تو یہاں دنیاوی "کام" (کاروبار۔ نفس پرستی۔ شہوت پرستی۔ عزت طلبی وغیرہ) کے پھندے میں پھنس کر رہ گیا۔ بلند پروازی اور بُلند آشیانی بھول گیا۔ اس جال کے نیچے جو دانہ (عیش وعشرت۔ دنیا پرستی اور دوسرے نفس پروری کے سامان) صیاد نے (نفس شیطان نے) ڈالا تھا۔ چُگنے لگا۔
قدس اللہ سرہٗ۔ یاد دلاتے ہیں کہ تم "اَوج کبریائی کے باز ہو اور دُنیا کے کاروبار کے جال میں پھنس گئے ہو۔ یہ تمہاری شان کے شایاں نہیں۔ جال کاٹ دو۔ دانہ سے منہ موڑ دو اور خوش وخرم ہو کر پرواز کر کے درگاہ (بارگاہ قدس) میں پھر حاضر ہو جاؤ۔"

گر ہمائے قافِ قربی بال ہمت بر کشا
در فضائے لامکاں با قدسیاں انباز شو

ھُما = راج ہنس۔ عنقا۔ سیمرغ۔ ایک مبارک پرندہ جس کے نام ہی سے دُنیا واقف ہے۔ جس کے سایہ کی خاصیت بادشاہی ملنے کی ہے۔
قاف = کوہ قاف۔ پرانا خیال تھا۔ کرۂ زمین جس پر ہمارا بود وباش ہے۔ دریائے محیط

(سمندر) اور دریائے محیط سے پرے ایک اونچے پہاڑ سے گھیرا ہوا ہے۔ اور زمین ہموار اور مسطح ہے۔ اسی پہاڑ (کوہ قاف) پر "ہما" کا آشیانہ ہے۔ اُن (پرانے لوگوں) کا خیال تھا۔ یہ پہاڑ جس سے کل زمین گھری ہوئی ہے۔ عربی "ق" کی شکل کا ہے۔ ایک جگہ اس میں شگاف ہے۔ جس سے سمندروں کا پانی جو محیط میں جمع ہوتا ہے نکلتا ہے اور دوزخ کے ڈھکنے (چھت) پر جو توے کی شکل کا ہے گرتا ہے۔ جو اس توے کی گرمی سے بھاپ (بخارات) بن کر اُڑتا ہے۔

بات یہ ہے۔ کہ ایران۔ ترکستان۔ کاکیشیا اور روس کے درمیان ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ جس کو "بحیرۂ خضر" (کیسپین سی) کہتے ہیں۔ یہ ہزاروں میل پانی کا بڑا قطعہ ہے۔ کاکیشیا کے علاقے میں اس کے کنارے پر ایک پہاڑ "ق" کی شکل کا ہے۔ کاکیشیا کا علاقہ نہایت زرخیز اور خوبصورت علاقہ ہے۔ لوگ بڑے درجے کے حسین ہیں۔ عورتیں حسن و جمال میں پریاں ہیں۔ پرندے خوبصورت اور خوش گلو ہیں۔ دور دراز علاقوں میں۔ انہی باتوں کے باعث "کوہ قاف" کی پریاں اور سیمرغ (ہما) کی کہانیاں گھڑ گئیں۔ اور "کوہ قاف" کو دُنیا کے گرد کا پہاڑ ہونے کا رتبہ مل گیا ہے۔ ایرانیوں نے ان کہانیوں کو اپنے لٹریچر میں جگہ دیکر دُنیا میں پھیلا دیا۔

بال = پَر۔ بازو۔ انباز = ساتھی۔ خاصکر نغمہ سرائی میں۔

قُرب = نزدیکی۔ خدا سے نزدیکی۔ قربِ الٰہی۔

فضا = نظر جہاں تک پہنچ سکے یا دوربین جہاں تک دکھا سکے۔ نظر اور دوسرے لامحدود کنارے تک کے "خلو" (خالی جگہ) کو فضا کہتے ہیں۔ (فضائے آسمانی) عام طور پر فضاء سے "ہوا" مراد لیتے ہیں۔ جس میں پرندے وغیرہ اُڑتے ہیں۔

قربِ الٰہی کو حد سے بڑھکر اُونچا رُتبہ ہونے کے موجب کوہِ قاف سے مقابلہ کیا گیا ہے اور تشبیہ دی گئی ہے۔

طالبِ راہ خدا اور سالک کو "ہُما" سے یاد کیا گیا ہے۔ جو کوہ قاف کا خاص پرندہ ہے۔ قُدسی۔ اُولی الاجنحہ۔ بازو والے مقرب۔ فرشتے۔ جھکا جھپانا، یا قدوس یا قدوس ہے

اگر تم قربِ الٰہی کے (کوہ) قاف کا راج ہنس (ہُما) ہو (تو پھر) ہمت کے بازو کھولدے۔ اور لامکاں (جہاں مکاں نہیں۔ زمین و آسمان نہیں۔ عرش و کرسی نہیں) کی فضا (ہوا)

ہیں قدسیوں کا ساتھی اور شریک (نغمہ سرائی ہیں) بنو۔

فرماتے ہیں اگر تم فضائے لامکاں میں قدسیوں کا ساتھی بننا چاہتے ہو تو پھر ''ہمت'' کے پر کھولدو۔ ہمّت سے سب کچھ بنیگا۔ بات ناممکن نہیں۔ ہاں ہمت کی ضرورت ہے۔ ہمت کرو اور لامکاں کے قدسیوں کے ساتھ مل جاؤ۔ یہ بڑی بات نہیں۔ پر پوچھتے ہیں۔ اگر تم قافِ قرب کے ہما ہو؟ اس کا جواب ضرور یہی ہے کہ ''ہاں قافِ قرب کا ہما ہوں'' اشارہ ہے ''اِنَّا لِلّٰہ'' ہم سب خدا سے ہیں۔ یہی ''قافِ قرب'' سے مراد ہے۔

قفلِ این در شد علائی و کلید آن نیاز
گر نیازے داری اینجا بر سریر ناز شو

قُفل = تالا۔ جو دروازہ کو لگاتے ہیں اور کمرے کو بند رکھتے ہیں۔

دَر = دروازہ۔ چوکھٹ۔ کلید = کُنجی۔ جس سے تالا کھولتے ہیں۔

نیاز = عاجزی۔ انکساری۔ تحفہ۔ نذرانہ جو مرشد اور پیر کیخدمتمیں پیش کرتے ہیں۔

سریر = تخت۔ مسندِ شاہی۔ ناز = فخر۔ بھروسہ۔ لاڈ پیار۔ استغنا۔

علائی = تخلص حضرت امیر کبیر میر سیّد علیؓ ہمدانی قدس اللہ سرہٗ۔ رحمتہ اللہ علیہ

علائی اِس (قربِ الٰہی کے۔ مقام لاہوت کے۔ لامکاں کے) دروازے کا تالا ہوا۔ اور اُس (تالے) کی کُنجی عاجزی۔ انکساری۔ خاکساری اور نیازمندی ہے۔ (اس لئے) اگر تم نیازمندی اور (کمال) عاجزی کا تحفہ۔ (نذرانہ) رکھتے ہو۔ تو اس عاجزی کے تحفہ کو لاکر گذار) اور لاڈ پیار (محبوبِ خدا) کے تخت پر چڑھ جاؤ۔ (محبوبِ خدا ہو جاؤ)

ایک وہ ہیں جنکا محبوب خدا ہے۔ خدا کو پیار کرتے ہیں۔ دُوسرے سعادتمند مُقبل وہ ہیں جو محبوبِ خدا ہیں۔ جنکو خدا ہی پیار کرتا ہے۔ یہ طائفہ نیازمندوں کا ہے۔ جو اس کی بڑائی اور اپنی کمال عاجزی کا اعتراف رکھتے ہیں۔

فرماتے ہیں بغیر عاجزی اور نیازمندی کے مقبولِ بارگاہ الٰہی ہونے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ فخر و مباہات۔ من ہستم (خودی) ریاضت و عبادت۔ اوراد و وظایف۔ خیرات و صدقات۔ نیکوکاری۔ پرہیزگاری وغیرہ کے اپنے حدود میں اچھے ہونے کے کسی کو انکار نہیں۔ من ہستم میں اگر تکبّر اور غرور کا شائبہ نہو۔ خُودی کا احساس ہو تو پھر یہ بُرا نہیں۔ لیکن سریر ناز پر

(قربِ الٰہی کے مقام پر) بیٹھنے (پہنچنے) کے لئے "نیاز" سے بڑھکر اور کوئی تحفہ نہیں۔ عجز اور عاجزی کا خیال اپنی طرف کبریائی اور عزت۔ عظمت اور قوت کا خیال اس کی طرف رکھنے سے یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔

غزل ۶

گر آتشِ فراقش با صبر یار بودے
اندوہِ اشتیاقش در دیدہ خار بودے

فراق = جدائی۔ دوری۔ ہجر۔ صبر = برداشت۔
اندوہ = غم۔ اشتیاق = شوق۔ خواہش۔ عشق۔ محبت۔

اگر اُس کی جُدائی کی آگ صبر کے ساتھ دوستی رکھنے والی ہوتی (تو) اس کے عشق کا غم آنکھ میں کانٹا ہوتا۔

فرماتے ہیں کہ اُس کے ہجر اور فراق کی آگ اتنی تیز اور سخت ہے۔ کہ لگتے ہی راکھ اور خاکستر بناتی ہے۔ قوت برداشت اور "صبر" کو جلا دیتی ہے۔ انتظار کی برداشت باقی نہیں رہتی ہے اور اتنا موقعہ نہیں دیتی ہے۔ کہ جس کو فراق اور ہجر کی یہ آگ لگ جائے وہ اس کے عشق اور محبت کے غم سے بے خواب اور بے آرام ہو کر گریہ وزاری کرے۔ غمِ عشق اور ہجر اس کی آنکھ میں کانٹا بنے۔ نہیں۔ یہ آگ لگ گئی اور صبر و آرام اطمینان اور سکون کا خاتمہ ہوا۔ اور "آتشِ فراق کی خاصیت یہی ہے۔

در لحظہ خیالش غائب شدے ز دیدہ
جان جامہ چاک کردے دل بیقرار بودے

(یہ آتشِ فراق اور یہ غمِ عشق) اس کا خیال آنے کے تھوڑے ہی وقت میں آنکھ سے اوجھل ہو جانا۔ جان (اس کا خیال آنے پر ہی) کپڑے پھاڑ دیتی اور (اس کے دیکھنے کے لئے) دل بے آرام ہو جاتا۔ اس کی مُلاقات اور وصال کی تو بات ہی کیا ہے۔ کہ اس وقت کیا کیفیت پیدا ہوتی۔ اور کیا حالت ہو جاتی؟ تھوڑی دیر کے لئے۔ ایک سکنڈ کے لئے اس کا خیال کرنے پر حزن۔ غم۔ رنج و ملال آتشِ فراق۔ خارِ اشتیاق غائب ہو کر آنکھ سے اوجھل ہو جاتے۔ اس خیال کی خوشی میں جان جسم کے لباس کو اُتار کر اور پھاڑ کر باہر نکل آتی اور دل بے قرار ہو جاتا۔ یہاں

یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کا خیال بھی آنا آسان نہیں۔ کیونکہ صحیح اور درست خیال کا پیدا ہونا شنید سے دید پر زیادہ منحصر ہے۔ اور "دید" ناممکن ہے۔ اس لئے اُس کا خیال آنے کی بھی آرزو ہے۔ تمنّا ہے۔ کاش اس کا خیال آئے جو درست اور سچا ہو؟۔

ور از شعاع حسنش عکسے ظہور کردے

از ہر طرف ہزاراں جانش نثار بودے

شعاع = کرن۔ نثار۔ نچھاور۔ صدقے۔ قربان۔

اگر اس کے حسن کی کرن سے ایک عکس (الٹ) ظہور کرتا (نظر آتا) تو ہر طرف سے لاکھوں جان (اس ایک کرن کے عکس پر اپنے آپکو) صدقے اور قربان ہو جیتی۔

اس کا جمال اس کی خوبصورتی اس کا حسن اس درجے کا ہے کہ اگر اس حسن کی ایک کرن کے عکس (اُلٹے) کا ظہور عالم وجود میں ہوتا۔ تو موجودات اس عکس پر نچھاور ہو جاتی۔ اور کچھ باقی نہ رہتا۔

حسن ازلی بطون کے حجاب میں مخفی اور پوشیدہ ہے۔ اور اس کا اخفا موجودات کے ظہور کا باعث ہے۔ بطون اور ظہور اگرچہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ لیکن دونوں ایک دوسرے کے متناقض ہیں۔ جب تصویر پلٹ کھائیگی اور بطون اور ظہور اوپر نیچے آئنگے۔ تو اس وقت کا ظہور چھپ جائیگا۔ اسی کا معنی ہے۔ جب جمال کا پورا جلوہ ہوگا تو جلال کی تابش سے کچھ بھی نہ رہیگا۔ "ویبقی وجہ ربك ذو الجلال والاکرام"۔ آپکو اختیار ہے کہ اسی کو "قیامت" سے تعبیر کریں۔ یا "رجوع الی اللہ" کہیں یا "بازگشت" بات ایک ہی ہے۔ "جانثاری" کا مرحلہ پورا ہوگا۔ بغیر "وجہ اللہ" کے اور کچھ بھی نہ ہوگا۔

چوں حلقہ بر درش دل با صبر عیش کردے

گر از درش بہ بارے امید وار بودے

حلقہ = لوہے لکڑی وغیرہ کا گول گڑا۔ عموماً دروازے کا جس کو کھٹکھٹاتے ہیں تاکہ دروازہ کھولا جائے۔ گھیرا۔ احاطہ۔ ذکر خدا کرنے کے لئے ذاکروں کا دایرہ کی شکل میں بیٹھنا۔

ضرب = چوٹ۔ مار۔ نفی و اثبات کا ذکر کرنے پر اسم "اللہ" کو سر کے جھٹکے کے ساتھ دل پر

چوٹ لگانا۔

بارِ سے = ایک دفعہ۔ آخرکار۔ کسی وقت۔ اندر آنے کی اجازت ملنا۔ حضوری پانا۔

دِل اس کے دروازے پر حلقہ کیطرح ضربؔ کے ساتھ (صبر سے) عیش مناتا۔ اگر اس کے دروازے سے ایک دفعہ اندر جانے کی اجازت ملنے کا امیدوار ہوتا۔

دروازے کے کڑے کو جب کوئی کھٹکھٹاتا ہے۔ تو اندر سے کوئی ضرور آکر دروازہ کھولتا ہے۔ لیکن حلقۂ در کو وہی کھٹکھٹاتا ہے۔ جس کو اُمید ہوتی ہے۔ کہ دروازہ کھولا جائے۔ اندر جانے اور حضوری پانے کا شرف حاصل ہو جائے۔ اور یہ بڑی خوشی اور عیش کی بات ہے۔ پھر کیوں نہ امیدوار صبر سے قیامت تک کھٹکھٹاتا رہے۔ لیکن یہ دروازہ کھل جانے کی اُمید موہوم اُمید ہے۔ معلوم نہیں کہ دروازہ کھولا جائے یا نہیں۔ اس لئے خوشی اور عیش منغص ہے۔ دل اس کے دروازے پر صبر سے چوٹیں لگاتا رہتا اور یہ کرنے میں اس (دل) کو حد سے بڑھکر خوشی ہوتی۔ اللہ کی ضربیں جو دِل پر سالک لگاتے ہیں۔ دل ان ضربوں سے حرکت میں آتا ہے۔ اس کا حرکت میں آنا۔ الوہیت کے دروازے پر چوٹ لگانا ہے۔ اور اُس دروازے کو کھٹکھٹانا ہے۔ لیکن باوجود کافی کوشش کے یہ یقینی نہیں کہ دروازہ کھولا جائیگا اور اندر جانے کی اجازت ہوگی یا نہیں۔ اسی لئے عیش اور خوشی نہیں۔

از روضۂ وصالش بوئے بجاں رسیدے
دریائے شوق او را گر خود کنارہ بودے

روضہ = باغ۔ پھلواڑی۔ گر خود = کاشکے۔

اگر اس کے شوق (عشق محبت) کے سمندر کا (کہیں) کنارہ (انجام) ہوتا۔ تو (پھر) اس کے وصال (ملاقات) کے باغ (کے پھولوں) سے جاں کو (تک) بو پہنچ جاتی۔

شوق عشق اور محبت الٰہی کے سمندر کو بے پایاں مانا جاتا ہے۔ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ اس سمندر میں حرص و ہوا اور خواہشات کے طوفان اٹھتے رہتے ہیں۔ جو ان لوگوں اور ان کی کشتیوں کو جن میں یہ لوگ عبور کرنا چاہتے ہیں تہ و بالا کرتے ہیں۔ بے شمار اور ان گنت کشتیاں ان کے مسافروں کے سمیت اس میں غرق ہو جاتی ہیں اور کسی کو خبر بھی نہیں لگتی ہے۔ کہ ان کا حشر ہوا۔ خیال ہے۔ کہ اسی سمندر کے دُوسرے کنارے پر "باغِ وصال" ہے۔ وہ باغ کیا ہے۔ اور

کیسا ہے۔ سنی سنائی بات ہے۔ کہ باغ جنت کا خیال اس کے خیال کے سامنے "وبال" ہے۔ اس "باغ وصال" کا لطف اٹھانے کے لئے عاشق اپنی کشتیوں کو اس سمندر (عشق کے سمندر) میں ڈالتے ہیں۔ سمندر کے اُس جانب سے جو ہوا آتی ہے۔ اس کو سونگھتے رہتے ہیں۔ کہ کسی جھونکے میں باغ وصال کی بو مت آئے۔ لیکن اس سمندر کا کنارہ کہاں ہے؟ جس کنارہ پر "روضۂ وصال" ہے" کہیں نہیں اس کا جواب ہے۔ پھر "بو" جو آئے کہاں سے؟ اسواسطے "جان" کو اس باغ کی بو نہیں آتی ہے۔ پھر بھی شوق ان کو آگے کھینچتا جاتا ہے۔ بازگشت واپس آنے نہیں دیتا ہے۔

گبر ہزار سالہ گر بوی او شمیدے

در جمع سالکانش او مردِ راہ بودے

گبر = آتش پرست۔ زرتشت کا پیرو۔ زرتشت ایران کا باشندہ تھا۔

اس نے نور اور نار کی خاصیتوں سے متاثر ہو کر سورج اور آگ کو "ظہور حق" مان کر ان کی پرستش کا پرچار کیا۔ زرتشت کی تعلیم توحید کی تعلیم ہے۔ جاہلوں نے رفتہ رفتہ سورج اور آگ کو خدا مان کر پوجا شروع کی۔ آتش کدے تعمیر ہوئے جن میں سینکڑوں برس "مقدس آگ" جلتی رہی۔ اور اس کی پوجا ہوتی رہی۔ ایران کے یہ آتشکدے اسلام جاری ہونے پر ہمیشہ کیلئے بجھ گئے۔

شمیدن = سونگھنا۔ بو لینا۔ جمع = جماعت۔ گروہ۔

سالک = راہ رو۔ مسافر۔ عام اصطلاح میں خدا کے راستے پر چلنے والا۔

مردِ راہ = راستے کا آدمی۔ راستے سے واقف۔ رہبر۔ رہنما۔ کارواں سالار۔

اگر ہزار برس (عمر) کا آتش پرست (بت پرست۔ خدا کے بغیر کائنات کی چیزوں کو پرستش کرنے والا) اس کی بو ہی سونگھتا (بو ہی اس تک آتی۔ دیکھنے۔ ملنے اور ملاقات کی تو بات ہی نہیں) تو اس کی راہ پر چلنے والوں کی جماعت میں کام کا آدمی ہوتا۔ (سالکوں کا رہنما اور کارواں سالار ہوتا۔ مردِ کامل ہوتا) دنیا کے مختلف مذہبوں پر چلنے والے اپنے اپنے راہ و رسم اور تعلیم کے مطابق تن و من و دھن سے پرستش اور پوجا کرتے ہیں۔ اور دعوای رکھتے ہیں کہ وہی مذہب جس پر وہ گامزن ہیں اور جس کے وہ معتقد ہیں سچا مذہب ہے۔ باقی یا تو جھوٹ ہیں۔ یا بگڑے ہوئے ہیں اس لئے قابلِ عمل نہیں اور یہ مذہب (بغیر ان کے اپنے مذہب کے) خدا طلبی اور خدا رسی میں امداد نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر نجات۔ فلاح اور بہبودی حاصل کرنے کا

کوئی ذریعہ ہے۔ تو وہ اُنہی کا مذہب ہے۔ دوسرا کوئی مذہب نہیں۔ چونکہ "انسان" فطرتاً اپنی نوع کی نجات۔ آرام۔ فلاح اور بہبود کا خواہاں ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ جس مذہب پر وہ چلتا ہے۔ وہی فلاح اور بہبود اور نجات کا واحد مذہب ہے۔ اس میں "ہمدردی" کا مادہ جوش کرتا ہے۔ اور وہ دُوسروں کو اسی مذہب پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ دنیا کے تمام لوگ اسی مذہب کو اختیار کریں اور نجات حاصل کریں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جن کو وہ "دعوت" دیتا ہے۔ وہ اپنے مذہبوں کو سچا اور نجات کا واحد ذریعہ مان کر اس کو "دعوت" دیتے اور تبلیغ کرتے ہیں۔ جھگڑا شروع ہوتا ہے۔ محبّت کے بجائے "نفرت" جڑ پکڑتی ہے۔ کشت خون کا بازار گرم ہوتا ہے۔ بیرحمی۔ بے انصافی۔ ظلم۔ تشدد۔ عصمت دری۔ آتش زدگی۔ لوٹ مار کو یہ "مذہبی جنون" جائز اور باعثِ ثواب قرار دیتا ہے۔ اب یہ سمجھنا آسان ہے۔ کہ حقیقت میں "مذہبی لڑائیاں اور جھگڑے" "محبّت" پر مبنی ہیں۔ جو عداوت کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب ایک مذہب پر چلنے والا دُوسرا مذہب اختیار کرتا ہے۔ تو پہلے مذہب کے لوگ اسی کے دشمن بنتے ہیں اور دُوسرے مذہب کے دوست۔ حالانکہ معاملہ برعکس تھا۔ دُوسرے مذہب کے اس کے دشمن تھے اور پہلے مذہب کے دوست۔

ہم دروج اور عقائد کے مذہب کچھ اور ہیں اور "مذہب عشق" کچھ اور ہے۔ عشق کے مذہب کی مقدّس کتاب میں عابدی۔ زاہدی۔ پرہیزگاری۔ حلال و حرام نیکوکاری اور بدکاری کے مسئلے نہیں۔ اس میں صرف ایک ہی مسئلہ ہے۔ "عشق ورزی کے ذریعہ حصول معشوق محبّت: ایک ذات کی محبت۔ دُوسرے لفظوں میں "توحید" گبر ہزار مسلہ بھی معشوق ہی کا پرستار ہے۔ لیکن اس کے عشق اور محبت میں نور اور نار کی بھی "محبت شامل ہے۔ کارکنانِ فطرت (پانی۔ ہوا۔ چاند تارے۔ ملایک۔ دیوتا۔ ارواح مقدّس وغیرہ) کا خیال کہ ان کے واسطے سے "محبوب ملیگا"۔ توحید اور عشق کی کتاب میں درج نہیں۔ اُس کے بغیر کسی کی پرستش اور پُوجا چاہیئے وُہ پرستش اور پُوجا اسی سے ملنے کے لئے کیوں نہ ہو۔ ناقابل معافی جُرم ہے۔ اور اس جُرم کا مرتکب قابلِ گردن زدنی ہے۔ یہ معشوق اتنا "غیور اور متکبر ہے"۔ کہ اس کو گوارا نہیں کہ اس کے عاشق کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ کسی کی سفارش پر عاشق سے ملنے کے لئے تیار ہے۔ وہ عاشق سے براہِ راست رابطہ چاہتا ہے۔ جس رابطے کی عاشق اور معشوق کے سوا کسی کو خبر نہ ہو۔ یہی "سِرّ" ہے۔ اور عاشق "سِرّ" سے واقف ہو کر بھی بیان

نہیں کر سکتا ہے - مُردکا ''بن سکتا ہے - کارواں سالار بن سکتا ہے - اس کے پیچھے چل کر دُوسرے راستہ پا سکتے ہیں - لیکن یہ کسی کو گود میں اُٹھا کر معشوق کے خلوتکدہ میں نہیں لے سکتا ہے - وُہ بھی ہمت سے کام لے کر اس کی پیروی کر کے سفر کرتے جائیں تو مقصد حاصل کرنا بعید از امکاں نہیں -

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہزار سال کسی دُوسرے کو اس کے سوا محبّت کر کے پُوجا کر کے اگر یہ لمبا عرصہ گذرنے پر بھی اِس پوجاری کے دماغ میں صرف اس کی بُو ہی آتی تو یقیناً اس بُو ہی کی برکت سے وہ ان معبودوں سے دست بردار ہو جاتا اور ہزار سالہ محبّت (جو اس نے اپنے معبُود سے کی ہوتی) کو خیرباد کہکر اس کے عاشقوں میں اس سرگرمی سے مِل جاتا - کہ وہ ان کا سردار بنتا - کام کا آدمی بنتا - ان کا رہبر و رہنما بنتا - لیکن بدقسمتی سے اِس کے پاس اُس کی ''بُو'' ہی نہیں آتی ہے - اسلئے ہزار سال گذرنے پر بھی ناقص ہی رہا - گبری رہا - کاش اُس کی بُو اس تک پہنچ جاتی اور یہ اس کی بو کو سونگھتا -

روئی زمیں بہ پہلو گردیدمے زشادی
گر در جناب قربش امید بار بودے

گردیدن = پھرنا - بہ پہلو گردیدن = لڑھکنا - غلطان ہونا - لیٹ کر چکرانا -
جناب = درگاہ - حضور - قرب = نزدیکی - نزدیک رشتہ -
بار = دخل - پہنچ - باریابی - اندر جانے کی اجازت -

خوشی کے بارے (میں) روئے زمیں (ساری زمین کی اوپر کی سطح) پر لڑھکتا ہوا (پہلو پر - لیٹ کر رقص کرتا ہوا) جاتا - اگر اس کے قرب (نزدیکی) کی امید ہوتی -

قدس اللہ سرہٗ - باوجود اس کمال کے جو انہیں حاصل تھا - جس کمال کے ظہور نے عاقلوں کی عقلوں کو دھنگ اور پریشان کر دیا - قرب کی بارگاہ میں دخل پا کر اندر جا کر حضوری کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں - قدس اللہ سرہ کے کمالات میں سے ''چہل اسرار'' کی تصنیف کا واقعہ مشتے از خروارے ہے - اس کرامات'' کے شکوک کو ٹیلیوژن (دوری سے دیکھنے و مشاہدہ کرنے کا آلہ) کی ایجاد نے ہمارے دلوں سے دُور کر دیا - یہ کرامات ٹیلیوژن سے ارفع ہے - اوّل ٹیلیوژن میں آلات کی ضرورت ہے - ان مخصوص آلات (مشینوں) کے بغیر کام نہیں چلیگا - پھر اسمیں

تمام مقاموں پر ایک ہی قسم کا کلام باتیں اور حرکات سکنات سنی جاتی اور نظر آتی ہیں۔ قدس اللہ سرّہ۔ اپنے حجرہ سے باہر تشریف نہیں لے جاتے ہیں۔ چالیس عقیدتمند مریدوں کے گھروں میں اجسام کثیفی کے ذریعہ پہنچتے ہیں۔ افطار کرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ باتیں کرتے ہیں۔ اور ایک غزل لکھکر میزبان (مرید) کے حوالے کرتے ہیں۔ ہمارے پاس "قرب۔ وصال۔ اور خدا رسیدگی کے لئے اس سے بڑھکر اور کسی ثبوت اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ یہ خدائی طاقت" قرب حاصل ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ لیکن وُہ خود ہم کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات اور یہ روحانی طاقت "قرب" کی دلیلیں نہیں۔ قرب کی بارگاہیں دخل کی امیّد تک نہیں۔ اگر یہ" امید" پوری ہونے کی امید ہوتی تو میں (قدس اللہ سرّہ) تمام روئے زمین پر خوشی کے بارے رقص کرتا۔ قدس اللہ سرّہ کے حالات سے اپنا مقابلہ کرنے کے بعد خود ہی فیصلہ کیجئے کہ "قرب کے بارے میں ہمارے "دعاوئ لاف زنی" دھوکہ۔ اور بے بنیاد نہیں تو اور کیا ہیں؟

روئے زمیں بہ پہلو گردیدمے زشادی۔

گر در جناب قربش اُمیدِ بار بودے

آرزو اور تمنّا کا اظہار اس خیال سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ طاقت اور کمال دیکھئے اور "تمنّا" پر غور کیجئے۔

طغرائے عزّ عاشق از چرخ در گذشتے

در خیلِ کُشتگانش گر در شمار بُودے

طغرا - پیچیدہ منقش لفظوں کا خط جس میں بادشاہ کا لقب۔ نام وغیرہ فرمانوں پر لکھا جاتا ہے۔ شاہی مہر۔ منشور۔ لطف وعنایت کا شاہی فرمان۔

عزّ = عزّت۔ بڑائی۔ بزرگی۔ مرتبہ اور رُتبہ۔

چرخ = ہر گھومنے والی چیز کو چرخ کہتے ہیں = آسمان۔ فضاء بسیط کے کرّے جو گھومتے رہتے ہیں۔ سائینس دانوں کی تحقیقات ہے۔ کہ فضاے بسیط کے پرے جس (فضاے بسیط) کی وسعت اور فراخی روشنی کے کھربوں میلوں سے بھی زیادہ ہے۔

کچھ اور ہی فضا ہے۔ جس میں کوئی کرۂ آسمانی یا چیز نظر نہیں آتی۔
خیل = جماعت۔ گروہ۔ مجمع۔ فوج کے پیدل اور سواروں کی جماعت۔

عاشق کی عزّت کا شاہی فرمان (سارٹیفکیٹ۔ خوشنودی کا سند کہ ہم تمہاری سکار گردی۔ وفاداری اور فرماں برداری سے خوش اور رضامند ہیں) آسماں سے بھی (اوپر) گذرتا۔ اس کی منادی ملکوت اور لاہوت میں کی جاتی کہ ہم نے فرمان شاہی کے ذریعہ فلانی کی عزّت افزائی کی) اگر وہ اُس کے مارے ہوئے لوگوں کی جماعت کے شمار (گنتی) میں ہوتا۔ (اس کے مارے ہوئے لوگوں میں شمار ہوتا) فرماتے ہیں کہ اُس کے مارے ہوئے لوگ جو ہیں ان کی عزّت۔ بزرگی اور بڑائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ وہ شخص جو اُس کا سچّا عاشق ہے۔ اس کے مارے لوگوں میں شمار نہیں ہوتا ہے۔ عاشق کشتگان عشق میں محبّت کے مارے ہوئے ہیں۔ اس کے مارے ہوئے نہیں۔ اسواسطے وہ اس کے مارے ہوئے لوگوں میں شمار نہیں ہوتے ہیں۔ محبّت اور عشق کے مارے ہوئے لوگوں میں فرق دکھانے کے لئے قدس اللہ سرہٗ نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے۔ اور تمنّا کا اظہار فرمایا ہے۔ کیا ہوتا اگر "عاشق" اس کے کشتوں میں شمار ہوتا! تاکہ اس کی عزّت کی دھوم آسماں سے بھی اوپر ہوجاتی۔ اور کائنات میں "منادی" ہوتی۔ یہ "اُس کا مارا ہوا" ہے۔

صد جان علی بہر دم کردے نثار راہش
گر نہ جلالتش را زین تحفہ عار بودے

صَد = سو۔ سینکڑہ۔ بے شمار۔ ان گنت۔
نثار = قربان۔ فدا۔ نچھاور کرنا۔ صدقے کرنا۔
جلال = بزرگی۔ عظمت۔ شان وشوکت۔ رُعب۔
تحفہ = نذر۔ سوغات۔ ڈالی جو کسی کی خدمت میں خوشنودی حاصل کرنے کیلئے پیش کی جاتی ہے۔
عار = شرم۔ عیب۔ نفرت۔

اس کے راستے پر (جو راستہ اس کی طرف جاتا ہے۔ اُس پر) علی سینکڑوں جانیں ہر منٹ میں (ہر سکنڈ میں) صدقے اور نچھاور کرتا۔ (اُس پر نثار کرنے کی لیاقت اور جرأت کہاں۔ اُس کے راستے پر صدقے کرنے کی خواہش اور آرزو ہے) !! اگر

(لیکن اس کی عظمت اور کبریائی کا یہ عالم ہے) اس کی عظمت اور بڑائی کو اس تحفہ (ہر سیکنڈ میں سینکڑوں جانیں قربان کرنے کے لئے بطور نذرانہ پیش کرنے) سے عار (بے عزتی کے خیال سے نفرت) نہ ہوتی۔

خیال یہ ہے۔ کہ میں ایک جان کیا سینکڑوں جانیں اس کے راستے پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن ایسا کرنے کی ہمّت اور جرأت نہیں کر سکتا ہوں۔ کیوں وہاں سے استفسار ہوگا۔ کیا تحفہ قربانی کے لئے لائے ہو"؟ میں عرض کرونگا "جان"۔ فرمان ہوگا۔" یہ ہماری دی ہوئی چیز ہے۔ ہم دی ہوئی چیز کو بطور تحفہ کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے "عار" اور شرم ہے۔ اس کو قبول کرنا ہماری عظمت۔ بزرگی اور شان کے شایاں نہیں"۔ اب میں بطور تحفہ پیش کروں تو کیا کروں۔ جو چیز ہے اسی کی دی ہوئی ہے۔ یہ کمالِ عجز کا خیال ہے۔ اس کی عظمت بزرگی و جلال کی بارگاہ میں اعترافِ کمالِ عجز کے سوا اور کوئی تحفہ پیش نہ کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ قابل قبول ہے۔ اللہ غنی" وبخل الفقراء۔ محتاج حاجت روا کو کیا دے سکتا ہے۔

سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے۔ (جان تک) اس کے دئے ہوئے میں سے جب ہم اس کے راستے میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو دل میں فخر و مباہات اور گھمنڈ کے خیالات اٹھتے ہیں۔ "ہم نے اس کے راہ میں دیا"۔ کیا بھونڈے اور بے بنیاد خیالات ہیں۔ ہ ا یسے خیالات پر شرمندگی اور توبہ ضروری ہے۔ اپنی بے بسی۔ لاچاری اور عاجزی کا اظہار چاہیئے۔ جب قدس اللہ سرہ جیسی ہستی اپنے عجز کا اعتراف اس طرح سے فرماتے ہیں۔ جسکا بیاں ہی ممکن نہیں۔

عارفاں سر خطاب از کہ و صحرا شنوند۔ غزل ۲۷

رمزِ پُر شور و شتاب از کفِ دریا شنوند

عارف = خدا شناس۔ پہچان والے۔ علم الٰہی کے واقف۔ ولی

خطاب = کسی واحد شخص یا مجمع کے روبرو متوجہ ہو کر کلام کرنا۔ لکچر دینا۔ خطبہ پڑھنا۔

کُہ = کوہ۔ پہاڑ۔ صحرا = بیابان۔ ریگستان۔ ویرانہ

رمز = کنایہ۔ اشارہ۔ مطلب کی بات کو تشبیہی الفاظ میں بیان کرنا۔

شتاب = جلدی۔ تیزی۔ کفّ = جھاگ۔ کسی پتلے مایع میں تیز حرکت پیدا ہونے یا

ہونے سے سطح پر جو بلبلے جمع ہوتے ہیں۔

(دوستان خدا اولیاء اللہ) خداشناس (خدائی) کلام (آواز کے) سر (بھید۔ راز) کو پہاڑ اور صحرا (بیابان۔ ویرانہ) سے سنتے ہیں۔ (اور) شور و غل اور تیزی۔ (جلدی) سے بھرے ہوئے رمز (مطلب کی بات اشارہ ہیں) کو سمندر کی جھاگ سے سنتے ہیں۔

خطاب کرنے والا کون ہے؟ خطاب کی عبارت اور الفاظ کیا ہیں؟ مخاطب کون ہیں؟ کیا کوہ صحرا اور دریا ہی ہیں جنہوں نے کلام کو سُنا۔ اور اس کے مفہوم اور معنی کو سمجھے؟ کیا عارفوں نے خطبہ کو بذاتِ خود نہ سنا اور اس کے معنی مفہوم اور سر کو نہ سمجھے؟ اور اَب کوہ دریا ان کو سُناتے ہیں۔ ان سوالات پر قدری غور اور تفکر کی ضرورت ہے عام لوگ لفظ "سِر" کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ہم جب درویشوں۔ اور زاہدوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ "سِر" کیا ہے؟۔ تو جواب مِلتا ہے۔ "سِر" کا سمجھنا مشکل ہے۔ تم اس کو نہیں سمجھ سکتے ہو۔ اگر ان نام کے درویشوں۔ عابدوں۔ فقیروں۔ قلندروں۔ زاہدوں نے سِر اور "رمز" کو ہم جیسے انسان ہوتے ہوئے سمجھا تو معلوم نہیں کہ ہمارے لئے "سِر" کو سمجھنا کیوں دشوار اور مشکل ہے؟۔ سِر سے واقف ہو کر سِر کے طالبوں سے اس کو چھپانا بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ سِر ہی کو سمجھنا "ایمان" ہے۔ "حق الیقین" ہے۔

یہاں ہم کو "سِر" سے بحث نہیں۔ "سِر" کیا ہے۔ بات "خطاب" کی ہے۔ خطاب کیا ہے۔ اور اس خطاب کا مفہوم۔ معنی اور اسرار (راز) کیا ہے؟ ہر مخلوق نے خطاب کو سنا ہے آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ سبھوں نے خطاب کو سُنا اور سنتے ہیں۔ لیکن اس کی طرف عارفوں کے بغیر کسی کو پوری توجہ نہیں۔ عارفوں کو خیال ہوتا ہے کہ ہم ہی ہیں جو "خطاب کو سنتے ہیں۔ اور یہ خیال باعثِ "گمراہی" ہوتا اگر وہ ذوی العقول ہی سے نہیں بلکہ (ہمارے خیال میں) بے حس اور بے زبان پیدائش کی "زبانِ حال" سے اسی خطاب کے "سِر" کو نہیں سنتے۔ ہماری روح۔ ہماری ضمیر۔ ہمارا دل۔ ہمارا قلب۔ ہمارا دماغ غرض ہمارا ہر سر مونک اس خطاب کی طرف متوجہ ہے اور اجتماعی طور پر متوجہ ہونے کی طرف ہم کو اکساتے رہتے ہیں۔ "کوئی ہمارا رب ہے"۔ کوئی ہمارا خالق ہے"۔ جو خطاب کرتا ہے۔" اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ"۔ خطاب اتنا ہی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اس کا جواب اور اس کا مفہوم اور معنی "سِر" خطاب ہے۔ عارف "خالق اکبر" کے اس خطاب کی شہادت پہاڑوں۔ بیابانوں۔ صحراؤں۔ دریاؤں۔ جنگلوں۔ درختوں۔ پودوں

سبزہ زاروں۔ ویرانوں۔ ستاروں۔ ملائکوں۔ دیوتاؤں۔ بھوتوں۔ چشموں۔ آبشاروں۔ غرض کائنات کے ذرہ ذرہ سے پاتے ہیں۔ ان کا پیدا کرنے والا ضرور کوئی ہے؟ اور ان کا وجود زبان حال سے ان کے اس سوال کا جواب دیتا ہے "! خالق اکبر" ہے۔ اس "سرّ" اور معنی کو سُنکر وہ خطاب کے جواب میں سربسجود ہو کر کائنات کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ اور پورے یقین اور کامل ایمان سے "بلیٰ" کہتے ہیں۔ زبانی "بلیٰ" کہنا سرّ خطاب کو سمجھنا نہیں۔ مراقبہ۔ مشاقبہ۔ مشاہدہ۔ معاینہ پر "بلیٰ" کو تسلیم کرنا۔ "سرّ" خطاب کو سمجھنا ہے۔

یہ خطاب شور۔ سرعت اور تیزی سے بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ خطاب کرنے والا صانع ہے۔ تخلیق کے کام میں مصروف ہے۔ بیکار نہیں۔ کبھی خاموش نہیں۔ تھکاوٹ اس میں نہیں۔ آرام کی ضرورت سے مستغنی ہے۔ اسواسطے اس کے خطاب میں شور اور شتاب ہے۔ اس شور اور شتاب میں اس کی صنعتگری کا "رمز" ہے۔ کسی بڑے ورک شاپ (کارخانہ) کو دیکھئے۔ شور وغل بپا ہے۔ کارکن کام بھی کرتے ہیں باتیں بھی۔ پھر کائنات کے بڑے کارخانہ کا اندازہ لگائے۔ اور پھر "رمز" پر غور کیجئے۔ کارخانہ دار ہر کارکن سے مخاطب اور متوجہ ہے۔ یہ کرو۔ وُہ کرو۔ اس طرح کرو۔ اس شور وغل کا "رمز" (نتیجہ) تخلیق ہے۔ دریا تیزی اور سرعت سے شور کرتا ہوا بہتا ہے۔ یا سمندر کا پانی ہوا اور طوفان سے حرکت میں آتا ہے۔ لہریں اٹھتی ہیں۔ اور شور وغل بپا ہوتا ہے۔ نتیجہ "جھاگ اور کف ہے"۔ اس کف سے عاقل اور عارف جانتا ہے۔ کہ "کف" میں کیا "رمز" ہے۔ کف اپنی تخلیق کی کہانی سُناتا ہے۔ اگرچہ کف پیدا ہونے پر ہوا اور پانی کی حرکت اور شور وغل ظاہر طور پر سنائی نہیں دیتا ہے

شمۂ سوزِ غمش در دل آتش بینند
بوی لطفش ز دمِ ارنب و نکبا شوند.

شُمہ = ذراسی خوشبو۔ تھوڑی سی چیز = ذراسا۔
سُوز = جلن۔ دم۔ سانس
ارنب = خرگوش۔ ناک کا پردہ۔ نکبا = ہوا کا جھکڑ جو ہر طرف سے چلے۔
(عارف) اس کے غم کی جلن کی تھوڑی سی بو آگ کے دل میں دیکھتے ہیں۔ اس کی

مہربانی کی بو خرگوش اور گرد باد کے جھکڑ سے سنتے ہیں۔ آگ جو اسقدر خطرناک اور خاکستر بنانے والی چیز ہے اس میں یہ جلن اور ہر چیز کو پگلانے والی اور راکھ بنانے والی تاثیر کہاں سے پیدا ہوئی ہے؟ فرماتے ہیں جو اس کا غم (عشق) ہے اُس کی تھوڑی سی قلیل مقدار نے اس میں جلانے اور راکھ بنانے کی خاصیت پیدا کی ہے۔ پھر اس دل میں جس میں اس کا پورا غم (کامل عشق) ہو کیا جلن اور سوزش ہو گی اس مقابلہ سے یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ اس کا غم (عشق) جیسا چاہیئے تھا۔ ویسا ہم میں نہیں۔

کہتے ہیں کہ خرگوش کا سانس اتنا دھیما ہے۔ کہ معلوم ہی نہیں ہوتا ہے۔ کہ یہ سانس لیتا ہے یا نہیں۔ اسواسطے اس کے سانس لینے سے ہوا میں جو حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اس کو معلوم کرنا دشوار ہے۔ لیکن عارف اس کی سانس سے اُس کی مہربانی کی بو سونگھتے ہیں۔ کیونکہ یہ اُس کی عنایت ہے کہ اسقدر کمزور سانس ہونے پر اس کو زندگی ہے۔ حرکت ہے۔ اور زندگی سے لطف اٹھانے کی طاقت ہے۔ اس کے برعکس "گرد باد" میں طوفان کا زور اور شور ہے۔ اس میں بھی اس کی عنایت اور مہربانی کا شور سنتے ہیں۔ غرض یہ ہے۔ کہ جو چیز ہے۔ عارفوں کو اُس میں اُس کا غم عشق اور وہی لطف کرم محسوس ہوتا ہے۔ جلانے والی آگ ہو۔ دھیمی سانس ہو۔ یا ہوا کا جھکڑ ہو۔

حرفِ خذلان قضا از دلِ یاسین خوانند
با ز اسرار قدر بر در طہ اشوند۔

حرف = بات۔ خذلان = بدقسمتی۔ مدد کرنا چھوڑ دینا۔ بے بہرہ گی مصیبت۔
قضا = تقدیر۔ بات جو مُقدر میں ہو۔ حکم۔
یاسین = قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام ہے۔ اور اس سورہ شریف کو قرآن کا دل مانا جاتا ہے۔ اس میں ایک آیت ہے جس کو "یاسین کا دل" مانا جاتا ہے۔ وہ آیت ہے۔ "سلامٌ قولاً من ربِ الرحیم"
اسرار = سِر کی جمع۔ بھید۔ پوشیدہ باتیں۔ مخفی معنی۔
قدر = تقدیر الٰہی۔ ہنڈیا۔ قضا و قدر میں کچھ فرق ہے۔ قضا وہ ہے جو مخلوق کے

حق میں اچانک واقع ہو- قدر وُہ ہے- جو تدریج واقع ہو- اسی واسطے مقدر کے مفہوم میں ہے تدریج واقع ہونا- جو قسمت میں لکھا ہوا ہو-

طٰہٰ = قرآن کریم کی ایک سورت کا نام اور پیغمبر اسلام کا نام علیہ الصلوٰۃ و السلام-

(عارف) "قضا" کی بے بہرہ گی اور بدقسمتی کی بات کو "یاسین" کے دِل سے پڑھتے ہیں- اور "طٰہٰ" کے دروازے پر "قدر" کے بھیدوں کے راز کو سنتے ہیں-

عام خیال ہے کہ قضا کی پیش بندی نہیں ہو سکتی ہے- تقدیر کو اچھا یا بُرا جو کرنا ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے- قضا اٹل ہے-

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ قضا جو عام خیال کے موجب اٹل ہے- عارفوں کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہیں- عارف اس کو ٹال سکتے ہیں- اور یہی قضا کی بے بہرگی اور بدقسمتی ہے- کہ وُہ اپنا کام پُورا نہیں کر سکتی ہے- اور قضا کو ٹالنے کی دُعا (منتر) عارفوں نے کہاں سیکھی ہے؟ فرماتے ہیں کہ دِلِ قرآن (یاسین) کا بھی دل ہے- عارف اسی کو پڑھتے ہیں اور قضا کو رَدّ کرتے ہیں- اور قرآن کے دل (یاسین) کا دِل "سلامٌ قولاً من رب الرحیم ہے"- عارف اس کو پڑھکر ہر قضا اور مصیبت کو دور کرتے ہیں- اور طٰہٰ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے دروازے پر "قدر" کے بھیدوں کو سُنتے ہیں- عارف اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر تقدیر کا حکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے جاری ہوتا ہے- اور تقدیر الٰہی کے سارے بھید اور تمام راز محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہیں- محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت (خدا) نے تمام رازوں سے واقف کر دیا ہے- اور عارفوں کو اسی دربار سے قدرت کے رازوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے- اور کسی دربار سے وہ "قدر" کے راز سنتے ہیں-

سورۂ یاسین کی ابتدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے ہے- اور سورۂ طٰہٰ بھی رسول اللہ کی شان میں ہے- یاسید یاطاہر- یاطیب) یاہادی-

هر سحر آه جهان سوز بر آرند زجان
رَبِّ سَلِّم همه از گنبد خضرا شنوند

ربِّ سَلِّم = اے خدا بچا- خدایا ہمیں محفوظ رکھ- سلامت رکھ-

گنبد = تلفظ گمبد = عمارت کی چھت کا اونچا گول حصہ جس میں آواز گونجتی ہے۔ اور واپس آتی ہے۔

خضرا = سبز رنگ۔ نیلگون = گنبدِ خضرا = آسمان۔

(یہ عارف) ہر صبح کو دنیا جلانے والی آہ (درد بھرا سانس) جان سے نکالتے ہیں۔ (عشق الٰہی میں گریہ زاری کرتے ہوئے گرم آہ نکالتے ہیں۔ اور یہ آہ اتنی پُرسوز ہوتی ہے۔ کہ دنیا کو جلا کر راکھ کر دے) اور آسمان سے "خدایا پناہ" خدایا بچا کی آواز سُنتے ہیں۔ (ان کی آہ میں اتنی جلن ہوتی ہے کہ آسمان کے دل میں خطرہ اور اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ آہ مجھے بھی جلا نہ دے۔ اسواسطے آسمان خدا کیطرف دعا کرتا ہے۔ ربِّ سلِّم (اے خدا مجھے محفوظ رکھ) اور آسمان کے اس دعا کو یہ عارف خود سنتے ہیں۔ یہ وقتِ سحر گاہی پر عارفوں کے عشق الٰہی کا بیان اور خاکہ ہے۔

در ملامتگہ عُشّاق کہ دیوانِ قضاست
پاکیٔ یوسفِ جان را ز زلیخا شنوند

مُلامت گاہ = بھلا بُرا کہنے کی جگہ۔ ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی جگہ۔ سرزنش کرنے کی جگہ۔

عشّاق = عاشق کی جمع۔ دیوان = عدالت۔ کچہری۔ دفتر۔

عاشقوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی جگہ (مقام) پر جو (جگہ) احکام الٰہی کی عدالت (دفتر) ہے۔ جان کے یوسف کی پاکدامنی (بیگناہی) کو زلیخا سے سنتے ہیں۔

نفس (جان) کی تین حالتیں ہیں۔ امارہ۔ لوامہ اور مطمئنہ۔ امارہ کے برسرِ اقتدار ہونے پر انسان حیوانی اور شہوانی خواہشات کا گرفتار ہوتا ہے۔ کوئی کام بُرا نہیں گناہِ صغیر ہو یا کبیرہ۔ بات اتنی ہے کہ نفسانی خواہش پُوری ہو۔ جھُوٹ۔ چوری۔ فریب۔ مکّاری۔ قتل و غارت۔ لوٹ مار۔ زنا۔ بدکاری۔ شمگاری وغیرہ سب جائز ہے۔ بدمستی۔ مے خواری۔ عیش و عشرت چاہیئے۔ اس زندگی کے بعد مرکر دوسری زندگانی ڈھکوسلا ہے۔ حساب و کتاب۔ جنّت۔ جہنّم۔ اعمال کی جزا اور سزا من گھڑت اور ملاؤں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ "گمراہی" ہے اور اِنَّ النَّفسَ لَاَمّارَۃٌ بِالسُّوءِ کی تفسیر ہے۔ اس نفس کا انجام بربادی اور خذلان ہے۔

دوسری حالت "لوّامی" ہے۔ نفس ملامت کرنے والا بنتا ہے۔ دُوسروں کی ملامت

ہیں - اپنی ملامت - تعقل - شعور - تمیز - اچھے اور بُرے کاموں میں فرق کرنا - امارہ کے حکموں سے روگردانی کرنا اس کا (لوّامہ کا) شعار ہوتا ہے - یہ گمراہی سے بچاتا ہے - سیدھا راستہ دکھاتا ہے - گناہ سرزد ہونے پر اپنے آپکو لعنت کرتا ہے - پشیمان ہوتا ہے - آیندہ کرنے سے "توبہ" کرتا ہے - اس نفس لوامہ کی قسم خدا کھاتا ہے (لاَ اُقسِمُ بِالنَّفسِ اللَّوَّامَۃ)

تیسری حالت "مطیئنہ" ہے - یہ عارفوں - واصلوں اور خدا رسیدہ نفسوں کی ہے - نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے - خواہش جنّت اور خوف جہنّم سے مبّرا ہوتا ہے - ایک آواز آتی ہے - "ارجعی الیٰ ربّک" اسی خوش آیندہ آواز پر آگے بڑھتا ہے - اور سالکوں کے پاس یہ مقام عاشق معشوق اور معشوق عاشق بننے کا ہے - "محبوب خدا" - خدا جن کی یاد کرتا ہے - خدا جن کو پکارتا ہے - ادھر آؤ - میرے پاس آؤ -

شعر میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصّے کیطرف اشارہ ہے جسمیں نفس امارہ (زلیخا) اور نفس لوّامہ (یوسفؑ) کے ہارجیت کا بیان ہے - اس قصّے کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ تقریبًا دنیا کے ہر حصّے میں اس کہانی کے جاننے والے ہیں - قرآن نے اس کو "احسن القصص" (سب سے بہترین قصّہ) قرار دیا ہے - توراۃ میں اس کا "تھوڑا سا" بیان ہے - افسانہ نویسوں اور شاعروں نے اس سے بات کا بتنگڑ بنایا ہے - توراۃ میں اتنا ہے کہ جب سوداگر یوسفؑ کو غلام کی حیثیت میں مصر لائے - تو "فوطیفار" (عزیز مصر) نے جو فرعون کے جلوداروں کا سردار تھا - اس کو خریدا - یوسف کے گھر میں آنے سے "فوطیفار" کی اقبال مندی میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی - اُسنے جان لیا - لڑکا سعادتمند ہے - اور اس کو گھر کا مختار کامل بنا دیا - یوسفؑ چونکہ حد سے زیادہ حسین اور خوبصورت جوان تھا - اس کی عُمر سترہ سالہ تھی - طیفار کی بیوی کی آنکھ اس پر لگی - اس نے یوسفؑ کو ہم بستری کے لئے رضامند کرنا چاہا - یوسفؑ کسی طرح سے رضامند نہ ہوئے - ایک دن گھر کے سارے نوکر چاکر اور آدمی گھر سے باہر تھے - عورت (زلیخا) نے یوسفؑ کا پیراہن پکڑ ہمبستری کے لئے مجبور کرنا چاہا - یوسف پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکلا - عورت نے شور مچایا - آدمیوں کو بلایا اور ان کو کہا - "عبری مجھ سے ہمبستری کرنے کے لئے اندر گھس گیا - جب میں نے شور مچایا - تو میرے ہاتھ میں پیراہن چھوڑ کر بھاگا - عورت (زلیخا) کا خاوند گھر آیا تو اس کو یہی کہانی سنائی اور کرتہ دکھایا - طیفار

غضبناک ہوا اور یوسفؑ کو قید خانہ میں ڈالدیا۔ (یہ ہے تورات میں یوسف زلیخا کا قصہ" عاشق۔ معشوق کے بارے میں اس سے پہلے اور اس کے بعد کی باتیں جو زلیخا اور یوسفؑ کے بارے میں ہیں۔ یا افسانہ نویسوں اور شاعروں نے لکھی ہیں ان کے متعلق تورات میں کچھ نہیں۔ باقی حالات یوسفؑ کے تورات اور قرآن میں یکساں ہیں۔ فرق بہت تھوڑا ہے)

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ عارف عاشقوں کی ملامت گاہ میں جو احکام الٰہی کی عدالت ہے نفسِ امارہ کو اقرار کراتے ہیں کہ میں نے ہی بُرائی پر نفس لوّامہ کو (جو پاک اور لطیف ہے) آمادہ کیا۔ اور یہ اقرار نفسِ لوّامہ کی فتح نفسِ امارہ پر ہے۔ (قرآن کے رُو سے جب یوسفؑ قید سے رہا ہوئے تو اُستے فرعون کو قید میں ڈالنے کے لئے تحقیقات کرنے کے لئے کہا۔ اور اصل واقعہ بادشاہ (فرعون) کو سُنایا۔ زلیخا اور دُوسری عورتوں کو جو اس سازش میں شریک تھیں دربار میں بُلایا گیا۔ جہاں زلیخا نے اپنے قصور اور یوسفؑ کی پاکبازی۔ دیانتداری اور صداقت کا اقرار کیا) اسی طرح عارف نفس لوّامہ کے سامنے نفس امارہ کو اعتراف اور اقرار کراتے ہیں اور خود بطور ایک جج کے سنتے ہیں۔

مصرِ دل را چو ز فرعونِ ہوا پاک کنند
صدقِ موسیٰ ہدا از یدِ بیضا شنوند

مصر = برِّ اعظم افریقہ کا شمال مشرقی علاقہ۔ شہر کے عام معنی میں بولا جاتا ہے۔ شہر۔

فرعون = مصر کے بادشاہوں کا عام لقب۔ یہ کسی بادشاہ کا خاص نام نہیں۔ حضرتِ موسیٰؑ کے زمانے سے پہلے اور اسلام کے مصر میں جاری ہونے تک مصر کے بادشاہوں کا لقب "فرعون" ہی تھا۔ اسلام کے بعد "خلیفہ" کا لقب جاری ہوا۔ پھر "خدیو" کا لقب۔ اب بادشاہت کا خاتمہ ہوا۔ اور جمہوریت کے بڑے رکن کو "صدر" کا لقب دیا جاتا ہے۔

ھوا = لالچ۔ خواہش۔ طمع۔ شہوت۔ آرزو۔

صدق = سچائی۔ راستبازی۔

ھُدیٰ = تلفظ ہُدا۔ ہدایت۔ سیدھا راستہ۔ یَدْ = ہاتھ۔

بیضا = روشن۔ نورانی سفید۔

(عارف) جب طمع اور لالچ کے فرعون (بادشاہ) کو دل سے پاک کرتے ہیں۔ (نکالتے ہیں۔ ملک بدر کرتے ہیں) (تو پھر) ہدایت اور راہِ راست کے موسیٰ کی سچائی کو روشن (چمکدار) ہاتھ سے سُنتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزوں میں ایک معجزہ "یُدِبیضا" تھا۔ جب موسیٰؑ دایاں ہاتھ کو بغل میں رکھکر باہر نکالتے تھے تو ہتھیلی اتنی روشن۔ چمکدار اور نور سے بھری ہوتی تھی۔ کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکاچوند ہوتا تھا اور آنکھیں چندھیا جاتیں۔ اور منکر یہ دیکھکر موسیٰؑ کی صداقت کا اقرار اور اعتراف کرتے تھے۔ لیکن فرعون تھا جو کہتا تھا۔ کہ یہ جادو ہے اور موسیٰؑ کی دعوت کو رد کرتا تھا۔ اور اپنے حوالی موالیوں کو کہتا تھا۔ "انا ربکم الاعلیٰ" (میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں)

فرماتے ہیں۔ جب تک حرص و ہوا۔ لالچ۔ تمنّا اور آرزو کی بادشاہت دل میں ہے۔ ہدایت اور راہِ راست پانا ممکن نہیں۔ اسواسطے عارفوں نے ہوا اور خواہشِ نفسانی کے فرعون (بادشاہ۔ حکومت کرنے والے) کو دِل سے نکال کر "ملکِ دل" کو پاک اور صاف کیا۔ جب نفسانی خواہش دریائے قلزم میں غرق ہو کر فنا ہو گئی۔ تو ہدایت کے روشن ہاتھ پر بیعت کر کے صداقت کی باتوں کو سُنا۔ یدِبیضا باتیں نہیں سناتا تھا۔ یدِبیضا کا اثر تھا کہ لوگ موسیٰؑ کی ہدایت کی باتوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اور یہ بھی اس وقت جب فرعون کا خاتمہ ہوا۔ "ہوا" کی بادشاہت جب تک دل میں موجود ہے صداقت کی باتوں پر اس وقت تک عمل پذیر ہونا ممکن نہیں۔

قدسیا کوسِ اَطِیعُوا اللہ بر جان کوبند
از دل و نفس سَمِعنَا وَ اَطَعنَا شنوند

قدسیاں = پاک لوگ۔ اَولیاء اللہ۔ دوستاں خدا (فرشتے)
کوس = بڑا نقارہ۔ ڈھول۔ طبل۔ کوبیدن = کوٹنا۔ بجانا۔
اطیعوا اللہ = خدا کی فرماں برداری کرو۔ اللہ کی اطاعت کرو۔
سمعنا = ہم نے سُنا۔ اطعنا = ہم نے اطاعت کی۔ تسلیم کیا۔ مانا۔

(عارف) پاک لوگ اَولیاء اَطِیعُوا اللہ (خدا کی فرمانبرداری کرو) کے نقارہ کو جان۔

(روح - نفس - دل) پر کوٹتے (بجاتے) ہیں - اور دل سے اور نفس (روح) سے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی (کا جواب - آواز) سنتے ہیں۔ عارف اطاعتِ خدا اور ذکر اللہ کے ڈھول کو جان پر بجاتے ہیں - زبانی جمع خرچ نہیں - بلکہ دل اور نفس کو یہ ڈھول بجا بجا کر ہشیار اور بیدار کرتے ہیں - اطاعتِ خدا اور یادِ خدا سے غافل نہیں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی روح اور قلب سے آواز آتی ہے کہ ہم نے پیغام حق اَطِیعُوا اللّٰہ کو سنا اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔

بر ندائے کرمش کردہ رُوانہا مسرور
چوں ز آثار وفا شکرِ مُوَفّا شنوند۔

نِدا = آواز - پکار - صدا - کرم = مہربانی - عنایت - لطف۔
رُواں = روح - نفس - مسرور = خوش۔
آثار = اثر کی جمع = نشاں .. خاصیت - نتیجہ۔
مُوَفّا = وفا کیا گیا - بنایا گیا - پُورا کیا گیا۔

(عارف) جب وفاداری کے نشانوں (اثر) سے وفا کئے گئے ہوئے کے شکر گذاری کو سنتے ہیں - (تو) اس (شکر گذاری) کی مہربانی کی آواز پر اپنی روحوں (جانوں) کو خوش بناتے ہیں۔

عارف جب وفاداری سے اطاعت اور بندگی کرتے ہیں تو جس کی وہ وفاداری سے فرمانبرداری کرتے ہیں - اُس سے شکر گذاری کو سنکر اپنی روحوں کو خوش کرتے ہیں - اور تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اس کی عنایت اور مہربانی ہے کہ اس نے ہماری فرمانبرداری کو قبول کیا - اور شکر گذار رہے - مطلب یہ ہے کہ جب وفاداری سے فرمانبرداری کی جاتی ہے تو اللّٰہ جل شانہ ان وفاداروں کو شکر گذار ہوتا ہے - اور اللّٰہ کا شکر گذار ہونا کوئی معمولی حقیقت اور بات نہیں۔

سِدّ این پردہ علائی ہست اگر بر خیزد
صَوتِ تسبیح ری از صخرۂ صمّا شنوند

سدّ = دیوار - روک - صوت = آواز -

تسبیح = سُبحان اللہ کہنا۔ یادِ الٰہی کرنا۔ وِرد و وظایف۔
صخرہ = بیت المقدّس کے ایک پتھر کا نام۔ جسطرح کعبہ شریف کے ایک پتھر کا نام حجرالاسود ہے۔
صمّا = سخت پتھر۔ سنگِ خارا۔ بہری عورت۔

اس (عرفان) کے پردہ کی دیوار علائی ہے۔ کاش یہ اُٹھ جائے۔ اگر یہ (سدّ۔ علائی) اٹھ جائے (تو پھر) اس کی یادِ الٰہی کی آواز (لوگ) سخت پتھر سے سنیں گے۔

جب تک "انسان" عالمِ ارواح میں ہے۔ اس کا کوئی "نام" نہیں۔ جب جسم کے لباس کو پہنتا ہے۔ تو ماں باپ اس کو "نام" رکھتے ہیں۔ اور اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور یہ گوشت و پوست کا بنا ہوا جسم دنیاوی خواہشات اور حاجات کا مخزن ہوتا ہے۔ کھانے پینے کی ضرورت۔ پوشاک و لباس کی حاجت۔ نام و نمود کی خواہش اسی جسم کی موجودگی سے ہے۔ حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ جسم "اصلی انسان" یا موجودگی سے ہے۔ آدمی جسم ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ اور جو نام جسم حاصل ہونے پر اس کو رکھا جاتا ہے۔ وہی کہلایا جاتا ہے۔ جسمانی علی اور حقیقی علی (قدس اللہ سرہٗ) ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایک ہی نہیں۔ جسمانی علی۔ حقیقی علی میں دیوار ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اوراد و وظایف اور ذکر اللہ کو اتنا اپنایا ہے کہ اگر عرفان کے گھر میں سے یہ دیوار (جسمانی علی کی) اُٹھ جائے تو لوگ میری تسبیح (ذکرِ خدا) کی آواز کو چقماق کے سخت پتھروں سے سنیں گے۔ مقابلہ کرو حضرت داؤدؑ کے ساتھ۔ جب وہ یادِ الٰہی کرتے تھے۔ تو پتھر اور پہاڑوں سے اسی ذکر کی آواز آتی تھی۔

غزل ۸۷

از نفحاتِ قدم حضرتِ اسما کشود

وز نسماتِ کرم صورتِ اشیا نمود

نفحات = خوشبوئیں۔ قِدم = ہمیشگی۔ قدیمی۔ اللہ تعالےٰ کی کہنگی کی تعریف۔
حضرت = بارگاہ۔ اسما = اسم کی جمع۔ = خدا کے نام۔
نسمات = خوشبودار ٹھنڈی ہوائیں۔ کرم = بخشایش۔ فیض۔

قدامت اور ہمیشگی کی خوشبوؤں (صفات) سے ناموں (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی) کی درگاہ (کے دروازے) کو کھولا۔ اور بخشایش اور فیض کی خوشبودار ٹھنڈی ہواؤں

(ارواح) سے چیزوں (کائنات) کی صورت دکھائی (ظاہر کی۔ نمودار کی)

ذاتِ الٰہی کے ساتھ صفات الٰہی بھی ہیں۔ جطرح اُس کی ذات "قدیم" ہے۔ صفات بھی قدیمی ہیں۔ یہ صفات اسماء الٰہی ہیں۔ آدم کے آنے تک یہ اسماء کسی کو معلوم نہ تھے۔ آدم کو اللہ تعالےٰ نے اِن اسماء کی تعلیم کی "وَعَلَّمَ آدَمَ الاَسمَاءَ کُلَّھَا"۔ یہ اسماء خواص اور اثرات سے بھرے ہوئے ہیں۔ خدائی طاقتوں کے مظہر ہیں۔ وہ طاقتیں جمالی ہیں یا جلالی۔ رحمانی اور غفاری ہیں یا قہاری۔ "وَلِلّٰہِ الاَسمَاءُ الحُسنیٰ فَادعُوہُ بِھَا"۔ ہم کہتے ہیں فلانی شرین بیاں ہے۔ اس کی باتوں سے خوشبو آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو اسماء کی تعلیم کی تو زبانِ قدرت حرکت میں آئی جو کچھ اس زبان سے نکلا خوشبودار کلام تھا۔ جس نے کائنات کو معطّر کیا۔ کرم۔ بخشایش اور فیض کی خوشبودار ہوائیں "امر الٰہی" ہیں۔ جو "امر" روح کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ "قُلِ الرُّوحُ مِن اَمرِ رَبِّی" حقیقتِ روح حقیقت اَمرِ الٰہی ہے۔ حقیقتِ روح کی علمیّت حقیقت اَمرِ الٰہی کی واقفیت ہے۔ یہ اَمرِ الٰہی "کُن" ہے (ہوجا۔ بن جا) ہوجا اور بن جا کی تکمیل اختیار صورت ہے۔ صورت کے لئے مثال کی بنا پر خیال اور خیال کی بنیاد پر کام کی ضرورت ہے۔ بے مثال کے سامنے اپنی ذات کے بغیر اور کوئی مثال نہ تھی۔ امر الٰہی کام میں لگا اور موجود مثال کے نمونہ کے مطابق کائنات کا وجود ہوا۔ اور اس میں "انسان" کا درجہ زیادہ واضح اور روشن رہا کہتے ہیں کہ یہ (انسان) موجود مثال (ذات الٰہی) کے عین نمونہ کے مطابق بنایا گیا۔" لَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِیم۔ یہ تفصیل کل ہے۔ اس لحاظ سے اُس کے بغیر اور کوئی "احسن" قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ سب سے اچھا۔ سب سے بہتر۔ اس کے بغیر اور کون ہے۔؟ کوئی نہیں۔ حیّ سے اَمر اور روح کا قیّوم سے صورت کا ظہور ظاہر ہوا اور نسماتِ کرم بھی ہیں "یا حیُّ یا قیّوم"

مہرِ محبت نہاد در دلِ اہلِ وفا
داغِ ارادت کشید بر رخ گبر و یہود

مُہر نہادن = مہر لگانا۔ تصدیق کرنا۔
وفا = نباہ۔ عہد اور وعدے کو پورا کرنا۔ محبت پر قایم رہنا
ارادت = اعتقاد۔ عقیدتمندی۔ یقین کامل۔

وفادار لوگوں (ایمان پر قایم رہنے والے خدا دوستوں) کے دل پر محبت کی مُہر ثبت کردی (ان کے دوست ہونے کی تصدیق کی) اور آتش پرست اور یہودی کے ماتھے (رخ) پر عقیدتمندی کا داغ (ٹیکا) کھینچا۔

توحید اور ایمان پر قایم رہنے والے "اہلِ وفا۔ دوستان خدا اور اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر محبت کا مُہر لگا دیتا ہے "یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَۃِ" (اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو (اپنے دوستوں) کو ثابت قول (مستند بات) سے مضبوط رکھتا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ "ختم اللہ علےٰ قلوبھم۔ ان کے دلوں پر محبت کا مُہر چسپاں کرتا ہے۔ اہلِ وفا ہیں " وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ" ایمان والے خدا کی محبت میں بہت سخت ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا کی سخت اور شدید محبّت ہے۔ وفادار ہیں۔ یہی مُہر محبت ثبت کرنا (لگانا) ہے۔ ماتھے پر ٹیکا (قشقہ) لگانے کا رواج نہ صرف بُت پرستوں اور ہندوں ہی میں تھا۔ بلکہ آتش پرست اور یہودی لگاتے تھے۔ یہ ٹیکا عقیدتمندی اور ارادتمندی کا نشان ہے۔ ایک قسم کا داغ غلامی ہے۔ "میں اکو ہیا کا بندہ ہوں۔ یزداں کا غلام ہوں۔ ایشور کا پوجاری ہوں۔ باوجود اس کے کہ گبر کے سامنے آگ یا سورج ہے۔ ہندوں کے سامنے بُت ہے یا مورتی ہے۔ لیکن ان کے دلوں میں "ارادت جو ہے" وہ اس مطلق ذات" سے ہے۔ اور یہ ٹیکا۔ اُسی ارادت کا نشان ہے۔ جو چھپا ہوا نہیں بلکہ علی الاعلان۔ کھلم کھلا ماتھے پر موجود ہے۔

مُہر اور داغ دونوں "نشان ہیں۔ لیکن مفہوم اور استعمال میں فرق رکھتے ہیں۔ مُہر میں عزت اور مہربانی کا مفہوم مخفی ہے۔ اور اچھے استعمال میں آتا ہے۔ جیسے مُہر شاہی۔ داغ میں بے حرمتی بے عزّتی کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ اور بُرے استعمال میں آتا ہے۔ جیسے داغ غلامی۔ آلودگی کا داغ۔ گنہگاری کا داغ۔ کبھی عاجزی اور انکساری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "میں امیرِ کبیر کا داغدار ہوں"۔

خاکِ سر کوی اوشاہ وگدا و امیر
آئینہ رُوی او کون و مکان و وجود

بادشاہ۔ بھکاری اور امیر اس کے کوچے کی مٹی ہیں۔ (اس کے کوچے کی مٹی سے بنے ہیں۔

ہیں۔ اس کے سامنے یکساں طور پر مٹی کی وقعت دیکھتے ہیں جو پاؤں کے تلے روندی جاتی ہے۔) (اور) دنیا اور ہستی (وجود۔ موجودات) اس کے چہرے کے آئینہ ہیں (شیشہ اور آئینہ میں چہرہ کو جاتا ہے۔ اور آئینہ میں جو عکس نظر آتا ہے۔ دیکھنے والے کا عکس ہوتا ہے۔)

"کُنتُ کنزاً مخفیاً فاردت ان اعرف فخلقت الخلق" میں پوشیدہ خزانہ تھا۔ میں نے چاہا اور ارادہ کیا کہ (میں پہچانا جاؤں۔ تو پھر میں نے آفرینش (پیدائش) کو پیدا کیا۔

بادشاہ ہے یا بھکاری۔ امیر ہے یا غریب اس کے پاس سب یکساں ہیں کیوں کہ اس نے سبھوں کو اپنے کوچے کی مٹی سے بنایا ہے۔ یہاں تک کہ خاتم المرسلینؐ جیسے شان والے نبی کو خطاب ہوتا ہے۔ "قُل اِنّما انا بشرٌ مثلکم" ۔ اس کے کوچے کی مٹی کی شان کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے۔ آفرینش۔ پیدائش اور ہستی (تمام کائنات اور کل دنیا) اس کا آئینہ ہے۔ اس میں اپنے چہرے کو دیکھتا ہے۔ اور اس آئینہ میں اپنے آپکو دیکھکر خوش ہوتا۔ "میں کتنا حسین۔ جمیل اور خوبصورت ہوں" یہ کل کائنات اس کا آئینہ ہے۔ جس میں اُسی کا عکس ہے اور وہی اس عکس کو دیکھتا ہے۔ آئینہ میں جو عکس ہے آئینہ کو اس عکس کی خبر نہیں۔ آئینہ دیکھنے والے کو خبر ہے کہ یہ میرا عکس ہے۔ اسی طرح ہم کو اور کائنات کو علمیت نہیں کہ ہم میں "خدا" کا عکس ہے۔ بلکہ خدا ہی کو خبر ہے کہ یہ میرا عکس ہے۔ جو کائنات میں ہے۔ یہاں اِس بات کی توضیح ہوتی ہے۔ کہ خدا نے کائنات میں "حلول" نہیں کیا ہے۔ اور نہ حلول کرتا ہے۔ بلکہ کائنات میں اس کا عکس پایا جاتا ہے۔ حلول کرنا یہ ہے کہ ایک چیز دُوسری میں اسطرح مل جائے داخل ہوجائے کہ دونوں میں تمیز نہ ہوسکے۔ جیسا کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ "بھگوان رام کی صورت میں آیا۔ کرشن جی مہاراج کے روپ میں آیا۔ عکس کی صفائی پر آئینہ کے صاف یا مکدر ہونے کا اثر ہوتا ہے۔ سورج میں بھی عکس ہے۔ چاند تاروں میں بھی۔ پیغمبروں۔ اوتاروں اور خدا دوستوں میں بھی وہی عکس ہے جو ہم میں ہے۔ لیکن فرق سے ساتھ کسی میں نمایاں ہے کسی میں مدھم۔ سورج کے عکس سے دنیا روشن ہے۔ پیغمبروں کے عکس سے دنیا کو ہدایت ملتی ہے۔ صاف ہے یا نا صاف اور مکدر عکس اسی کا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

سابقۂ فضل او مظہر نوحؑ خلیل۔
صاعقۂ قہر او مُہلک عاد ثمود۔

سابقہ = پہلا - پہلا معاملہ - سبقت کیا ہوا - جس نے سبقت کی -

فضل = مہربانی - عنایت - رحمت - زیادتی - بزرگی - علم و ہنر -

مُظہر = ظاہر ہونے کی جگہ - مُظہر = ظاہر کرنے والا - پشتبانی کرنے والا -

صاعقہ = بجلی - قہر = غضب - غصہ - ناراضگی -

مُہلک = ہلاک کرنے والا - مار ڈالنے والا -

نوح = ایک پیغمبرؑ جس کو خدا نے طوفان سے بچایا -

خلیل = سچا دوست = ابراہیم علیہ السّلام کا لقب - جس کو آگ گلزار ہوئی -

عاد = عاد اور اُس کی قوم - عاد نے باغ ارم بنوایا - جو ان باتوں کی بنا پر بنوایا گیا جو جنّت کے بارے میں مشہور تھیں - اس قوم کو ہودؑ نے دعوتِ حق دی لوگوں نے ماننے سے انکار کیا - قہر الٰہی جوش میں آیا - زیر و زبر ہو کر یہ قوم تباہ و برباد ہوئی -

ثمود = ایک قوم تھی - جو سنگ تراشی میں کمال رکھتی تھی - یہ لوگ فن تعمیر کے ماہر تھے - پہاڑوں کو کاٹ کر اور تراش کر انہی میں گھر بناتے تھے - صالحؑ نے ان کو دعوتِ حق دی - انہوں نے انکار کیا - صالحؑ کی اُونٹنی کو مار ڈالا - عذاب الٰہی زلزلہ کی صورت میں آیا - اور یہ قوم گھروں ہی میں ہلاک ہو گئی -

اس کی رحمت مہربانی اور بزرگی کی سبقت حضرتِ نوح اور حضرتِ ابراہیم علیہما السّلام کی نجات اور پناہ (کا باعث ہوئی - اس کے قہر اور غضب کی بجلی (قوم) عاد اور ثمود کی ہلاکت اور تباہی (کا سبب) ہوئی -

یہ اس کی رحمت کی پیش دستی تھی کہ حضرتِ نوحؑ کو طوفان سے اور حضرت ابراہیم کو (نارِ نمرود) سے نجات ملی - اور یہ اس کے قہر کی بجلی تھی - کہ عاد اور ثمود جیسی طاقتور ہنرمند قومیں ایک آن میں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں - یہ غفّاری (پناہ دہی) اور قہّاری (قہر سے ہلاک کرنے) کی شانیں اسی کی ہیں -

مور و مگس سیر ہا دیدہ دریں پردہ ہا

مرغ و وحوش و طیور جملہ صنوف و جنود

مُور = چیونٹی - مگس = مکھی -

مُرغ = پر والے جانور۔ گھریلو ہوں یا پرندے۔
وحوش = وحشی جانور۔ جنگلی جانور۔ جو انسانوں کو دیکھکر بھاگتے ہیں۔
طیور = طیر کی جمع - پرندے۔ ہوا میں اڑنے والے جانور۔
صنوف = اقسام۔ قسمیں۔
جنود = جُند کی جمع۔ افواج۔ لشکر۔

چیونٹیوں۔ مکھیوں۔ مرغیوں۔ وحشی جانوروں اور سارے قسموں اور لشکروں نے ان (اسرار الٰہی کے) پردوں میں قسم قسم اور رنگ رنگ کے تماشے دیکھے۔

اس کی صفات کے پردوں میں لاتعداد لطف اور تماشے (تجربے) ہیں۔ رحیمی۔ رزاقی۔ غفاری۔ ستاری۔ قہاری۔ خلاقی وغیرہ ایک ہی ذات میں۔ رحیمی کا پردہ قہاری کے پردے سے جُدا ہے۔ اور اس قسم کی باتیں اسرار الٰہی ہیں۔ کسی کو خبر نہیں کہ وہ کس وقت کس پردے کو اٹھائیگا اور کس کو لٹکائیگا۔ جس وقت جس پردہ کو چاہتا ہے اُٹھاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لٹکاتا ہے۔ اور خود اُنہی پردوں کے پیچھے ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وہ پردہ اٹھاتا اور دیکھتا جب تک وہ نہ اُٹھائے۔ اور یہی حال کُل عالم خلق کا ہے۔

کاتبِ حکمت کشید خطِ حروفِ حدوث
شحنۂ غیرت بشست صورتِ بُود نبود

کاتب = محرّر۔ لکھنے والا۔ حکمت۔ دانائی۔ دانشوری۔ عقلمندی۔
حدوث = نیا پیدا ہونا (کرنا) شحنہ = کوتوال۔
غیرت = رشک۔

(تدبیر الٰہی) عقلمندی کے کاتب نے پیدائش کے حرفوں کے خط کو کھینچا۔ (رشک، غیرت کے کوتوال (داروغہ) نے بُود نبود (ہستی۔ جو ہے اور جو نہیں) کی صورت (شکل) کو دھو ڈالا۔ (مٹا دیا)

حکمتِ خداوندی کے لکھنے والے نے پیدائش کی تحریر کو لکھا یہ تفسیر ہے۔ "ھو المصوّر" کی صفت کی۔ کاتب حکمت سے قدرتِ کاملہ کی مصوّری کی صفت مراد ہے "خالق البارئ المصوّر" تخلیق اور حیات کی طاقتیں جو اس کے ارادے اور اس کی چاہت اور خواہش

کے مطابق عمل کرتی ہیں۔ شحنۂ غیرت سے مراد موت اور فنا کی قوتیں ہیں جو ہر موجود اور ہر ہستی میں وقت مقررہ پر اثر کرتی ہیں۔ اور اس کو یا تو بالکل فنا (نابود) کرتی ہیں یا اس کی ہیئت کو بدل ڈالتی ہیں۔ اور یہ اُس کو اپنی دائمی موجودگی اور آفرینش کے "حادث" ہونے کی دلیل کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ "کل شئی ھالک" اور "کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ"۔ اس کی ذات میں تغیّر تبدل اور فنا نہیں۔ اسواسطے اگر کوئی "موجود ہستی" ایسی ہو جسمیں تغیّر تبدل اور فنا نہ ہو۔ تو "ذات" کے ساتھ وہ ہستی (وہ چیز) باعثِ رشک ہے۔ اس لئے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ کوئی ذات اُس کے بغیر تغیر تبدل اور فنا سے بری نہیں۔ موت اور فنا کی قوت عمل میں ہے۔

قطرہ بدریا شدہ مطلق بیجا شدہ

بحرِ محیط قدم قید شدہ در حدود

مطلق = بالکل۔ حدود = حد کی جمع۔ کنارے۔
قطرہ (بارش کی بوند) دریا (سمندر) میں ہو کر بالکل بیجا (جس کی کوئی جگہ نہو) ہوا۔
قِدم = ہمیشگی۔ قدیمی۔ ازلی۔ قدامت صفت الٰہی ہے) کے محیط (گھیرنے والا۔ احاطہ کرنے والا) کا سمندر حدوں (کناروں) میں قید ہوا ہے۔

ذاتِ الٰہی کو بے پایاں اور کناروں کے بغیر سمندر سے تشبیہ دی گئی ہے مخلوق بارش کے قطرے ہیں۔ قطرہ جب تک سمندر سے باہر ہے تو اس کو اپنی جگہ اور کوئی ہستی ہے۔ لیکن جب قطرہ سمندر میں گرا اور سمندر کے ساتھ مل گیا تو پھر نہ اس کی ہستی رہتی ہے۔ نہ کوئی جگہ اس کی مخصوص ہے۔ اس کی جگہ اور ہستی دونوں فنا ہو جاتے ہیں۔ یہی مثال مخلوق کی ہے۔ جب مخلوق فنا ہوتی ہے تو خالق کی ذات میں ملکر اس کی نہ اپنی جگہ رہتی ہے۔ اور نہ ہستی۔ تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ذاتِ الٰہی کا بے پایاں اور بے کنارہ بحر (سمندر) مخلوق کی حدوں میں قید (بند) ہوتا ہے۔

قطرہ سمندر ہی کا ہے۔ سمندر سے نکلکر اس کی جگہ بھی قایم ہوتی ہے اور الگ ہستی بھی۔ لیکن پھر سمندر میں ملکر یہ دونوں چیزیں فنا ہوتی ہیں۔

مشرع ادبار ما پردہ پندار ما!

ہر کہ ازین پردہ رست گوئے سعادت ربود

مشرع = راہ - راستہ - شروع ہونے کی جگہ -
ادبار = بدبختی - نحوست - پندار = غرور - تکبر - من ہستم کا خیال -
گوی = گیند - بال - سعادت = خوش نصیبی - اقبالمندی - نیکی -

ہمارے غرور اور من ہستم کا پردہ (خیال) ہماری نحوست اور بدبختی کا راستہ ہے - (اور) جو کوئی اس پردہ (اس خیال) سے چھٹا اس نے نیکی اور خوش نصیبی کی گیند کو لے لیا -

فٹ بال ہاکی پولو اور کئی کھیلوں میں مرکز سے مقررہ لمبائی کے فاصلوں پر نشان لگاتے ہیں - اور اس نشان (جس کو گول کہتے ہیں) کے بیچ میں سے گیند (بال) کو نکالنا ہوتا ہے مقابل کے گروہوں کھلاڑیوں) میں سے جو گروہ گیند کو لیکر دوسرے گروہ کے نشان (گول) سے گذارے وہ جیت جاتا ہے - کبھی ایسا ہوتا ہے - کہ ایک ہی کھلاڑی گیند کو لیکر گول سے پار کرتا ہے -

غرور - تکبر اور من ہستم کا خیال بدبختی اور نحوست کے راہ پر چلاتا ہے اور جو کوئی اس خیال سے رہا ہو جس نے من ہستم کے خیال سے چھٹکارا پایا اس نے اقبالمندی اور خوش نصیبی حاصل کی -

دید علائی عیاں بر ورق کائنات

جملۂ ذرّات کون پیش رخش در سجود

علائیؒ نے کائنات کی کتاب کے ورق پر کھلم کھلا دیکھا کہ ہستی (وجود - دنیا) کے تمام ذرّے (کل کائنات) اس کے چہرے کے آگے (اس کے سامنے) سجدے میں ہیں -

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے عیاں طور پر (خیالی نہیں) کھلم کھلا تمام پیدائش کو اس کا مطیع اور فرمانبردار دیکھا - " وَلَهٗ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " اس کو سجدہ کرتے ہیں - کسی کی فرماں برداری کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (ہے) ہے انسان جو اپنے آپ کو " اشرف المخلوقات " سمجھتا ہے اس کے سامنے سربسجود ہونے کا زیادہ ذمہ وار ہے اگر انسان اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی کریگا تو اس سے بازپرس ضرور ہوگی - اور کوتاہی کیلئے جواب دہ ہونا پڑیگا -

رندانِ جانفشان چو قدم بر فنا زنند

بر خوانِ درد ہجر صلائے عنا زنند

رند = آزاد لوگ - مذہبی پابندیوں سے آزاد خیال جو زیرکی کے موجب شریعت سے لاپروائی کرتے ہیں -

خوان = دسترخواں۔ صلا = عام دعوت کی آواز۔
عنا = مشقت۔ دُکھ۔ تکلیف۔ غِنا = بے نیازی۔ دولتمندی۔
جان قربان کرنے والے رِند جب فنا پر قدم رکھتے ہیں (تو) درد اور فراق کے دسترخوان پر دکھ درد محنت و مشقت کی دعوتِ عام کی آواز اُٹھاتے ہیں۔ جان پر کھیلنے والے عاشق جب اپنے آپکو مٹانے کا ارادہ کرتے ہیں تو عشق اور ہجر (فراق یار سے دوری) کے دسترخواں کو بچھاتے ہیں اور محنت و مشقت کی آواز بلند کر کے لوگوں کو عام دعوت دیتے ہیں۔ "آو ہمارے ساتھ عشق و محبت ہجر و فراق کے دُکھ درد میں شامل ہو جاؤ اور اس کا مزہ چکھو۔ بخل نہیں کرتے ہیں۔

از آب دیدہ غسل کنند و بہ طورِ دل
از سرِّ عشق نالۂ فاغفِر لنا زنند

طور = کوہِ سینا جہاں حضرت موسیٰؑ خدا کے ساتھ کلام کرتا تھا۔ جہاں ایک دن موسیٰؑ کے اصرار پر تجلّی پڑی۔ فاغفِر لنا = ہم کو پناہ دے۔ ہم کو بخشدے۔ گناہ معاف کر
آنسو سے نہا کر دِل کے طور پر جا کر عشق کے سِرّ (بھید۔ راز) سے فاغفر لنا کا نالہ بلند کرتے ہیں۔
ان رندوں کی آنکھوں سے آنسو کے دریا بہتے ہیں۔ اور عشق کے سِرّ (معشوق حقیقی) سے مخاطب ہو کر التجا کرتے ہیں ہم کو معاف کر ہم کو پناہ دے۔ دیدار سے سرافراز کر۔
عشق کا سِرّ کیا ہے؟ محبتِ معشوق اور خواہش وصال۔ خواہش دیدار۔

از شرِّ دیو طبع کنند التجا بدوست
تیرِ نیاز بر ہدفِ عافنا زنند

شر = بُرائی۔ بدی۔ دیو = شیطان۔ بھوت۔ طَبع = طبیعت۔ عادت۔ مزاج
اِلتجا = منت سماجت۔ دُعا۔ نیاز = عاجزی۔ لاچاری۔ محتاجی۔
ھدف = نشانہ جس پر تیر لگاتے ہیں۔ عافِنا = ہم سے در گذر کر۔ عفو کر۔ ہم کو بچا۔
یہ رند اپنی طبیعت۔ اپنے نفسِ شیطان کے شر (بدی اور برائی) سے بچنے کے لئے اپنے دوست (خدا کے پاس) سے التجا (منت و سماجت سے مانگنا) کرتے ہیں۔

عاجزی اور نیازمندی کے تیر کو " ہم کو عفو کر۔ محفوظ رکھ ۔ کے نشانہ پر لگاتے ہیں۔ جب یہ رند نفس شیطان کے شر سے بچنے کے لئے دست بدعا ہو جاتے ہیں اور کمال عاجزی سے دعا کرتے ہیں تو ان کے دعا کا تیر نشانہ پر لگ جاتا ہے۔ دعا قبول ہوتی ہے۔ اور ان کو خدا نفس کے شر سے بچاتا ہے " واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا

چون شستہ اند لوح دل از ظلمت حدوث

در درس غیب نعرہ فاکتب لنا زنند۔

وَاکْتُبْ لَنَا

لوح = تختی ۔ ظلمت = تاریکی۔ کالک سیاہی۔

حدوث = حدث کی جمع = پلیدی ۔ ناپاکی ۔ کسی چیز کا نیا پیدا کرنا۔

درس = کتاب کا پڑھنا۔ یعنی مکتب ۔ مدرسہ ۔

واکتب لنا = ہمارے نام لکھ دیجئے۔

چونکہ جب ان رندوں (عاشقوں) نے دل کی تختی کو ناپاکی کی سیاہی سے دھویا ہے۔ (پاک کیا ہے) اس لئے غیب کے درس میں (علم لدنی پڑھنے میں) واکتب لنا (ہمارے نام لکھ دیجئے) کا نعرہ (زور کی آواز)۔ (درد کی آواز) لگاتے ہیں۔ چونکہ ان رندوں نے اپنے دلوں کو دنیا کی پلیدیوں سے صاف وپاک کیا ہے۔ دنیا سے قطع تعلق کیا ہے۔ دنیا کی خواہشات کو دل سے مٹا دیا ہے۔ اس لئے وہ غیب کے مکتب خانہ میں " واکتب لنا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ انا ھدنا الیک " (ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں) کا نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ دعا زور زور سے بلند آواز میں مانگتے ہیں۔

مستان جام شوق کہ در مجلس شہود

در استزاد آن دم انعم لنا زنند

مستان ۔ مست کی جمع ۔ رند ۔ شوق = محبت ۔ عشق ۔

شہود = حاضر ہونا ۔ حاضری ۔ سالکوں کا وہ درجہ جس میں ان کو ہر شئی میں جلوہ حق نظر آتا ہے ۔ بارگاہ الٰہی میں مصاحبت ۔

اِستزاد = زیادتی - کثرت - دَم = سانس - دُعا کی پھونک -
اَتمِم لنا = پُورا کر ہم کو = رَبَّنا اَتمِم لَنا نورَنا واغفِر لَنا اِنّکَ عَلیٰ کُلِّ شئی قدِیر
عشق کے پیالے مست شہود (معشوق کی حاضری میں) کی مجلس میں اس (شراب) کی زیادتی کے لئے اتمم لنا کا سانس (دم) بھرتے ہیں - معشوق ساقی ہے - عاشق محبت کی شراب کے پیالے پی پی کر مست ہو گئے ہیں - نہ بیہوش ہیں اور نہ سیر ہیں - پیاس بجھتی نہیں اور پلاؤ اور پلاؤ کی پکار ہے - بھر کر پلاؤ - پورا پلاؤ ہر ایک مست کی زبان پر ہے - یہ رنگ محفل شہود کا ہے - معشوق ساقی ہو - اور وہ جام بھر بھر کر عاشقوں کو پلائے - اس مستی - اس لذت - اس خوشی اس لطف اور فرحت کا اندازہ لگانا اس وقت تک ممکن نہیں - جب تک اندازہ لگانے کا خواہشمند خود محفل میں شریک نہ ہو جائے - "ذوق ایں بادہ نہ یابی بخدا تا نچشی"

ان کی پکار کیا ہے؟ رَبَّنا اَتمِم لَنا نورَنا "- اے ہمارے رب ہمارے نور (شراب معرفت کے نور) کو پورا کر - حافظ شیرازی نے چلایا ہے - ساقی بہ نورِ بادہ بر افروز جام ما - (اے ساقی! شراب کے نور سے ہمارے پیالے کو چمکا دے - منوّر کر) ساقی سے عام طور پر مرشد مراد لیتے ہیں - لیکن مجلس شہود میں ساقی وہ (معشوق) خود ہے - نورِ بادہ = شراب کا نور - شراب سے جام کو بھرنے کی استدعا نہیں - شراب کے نور سے جام کو منوّر کرنے اور چمکانے کی استدعا ہے - اور یہ نور عشق کی مستی ہے - اور جام سے مراد قلب اور دل ہے - عشق کی مستی سے دل کی روشنی حاصل ہوتی ہے - جس کو عام طور پر روشنضمیر کہتے ہیں - دل آئینہ کیطرح صاف ہو جاتا ہے اور چمکتا ہے - اس میں ہر چیز کا عکس یہاں تک کہ خیال کا عکس پڑتا ہے - یہی بات ہے - کہ بعض لوگ (فقیر - خدا دوست) لوگوں کو ان کے دلوں کا حال کہتے ہیں - رندوں کے پاس یہ بھی شعبدہ بازی ہے - اور اس سے بچنا ضروری ہے -

از مدینِ وفا چو بقدس صفا رسند

بر صخرۂ قبولِ کرم رَبَّنا زنند

مَدیَن = افریقہ کے ایک علاقے کا نام تھا - موسیٰ علیہ السّلام جب مصر سے بھاگے - تو مدین کو پہنچے - وہاں رعوائیل (حضرت شعیبؑ) رہتے تھے - شعیبؑ نے اپنی ایک لڑکی کو موسیٰؑ سے بیاہا - معاہدہ یہ رہا کہ موسیٰؑ دس برس بطور خانہ داماد شعیبؑ کے پاس رہے - دس برس موسیٰؑ شعیبؑ کی

بھیڑ بکریاں چراتے رہے اور وفاداری سے معاہدہ پورا کیا۔ پھر رخصت لیکر اہلیہ کے ہمراہ مصر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں رات کو ایک شعلہ آگ کا نظر آیا۔ موسیٰؑ آگ لانے گئے۔ دیکھا ایک جھاڑی آگ بھڑک رہی ہے لیکن جھاڑی محفوظ ہے۔ جھاڑی سے آواز آئی "یا موسیٰ میں (تمہارا) خدا ہوں۔ جوتا اُتار کیونکہ یہ مقدّس زمین ہے" اسی جگہ پر موسیٰؑ کو پیغمبری ملی۔

قدُس = پاک - وادی (میدان) مقدّس۔ جس کو "طوبیٰ" کہتے تھے - اور اسی میدان میں پہلے پہل خدا موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔ صخرہ = بڑا پتھر۔ ربّنا = ربّنا آمنّا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین (اے ہمارے رب ہم نے ایمان لایا۔ اس لئے ہم کو بخشدے پناہ دے۔ ہم پر رحم کر۔ اور تم ہی بہترین رحم والے ہو۔)

جب یہ رند وفا کے ملک سے صفا کے مقدّس مقام پر پہنچتے ہیں تو قبولیت کے کرم (عطیہ الٰہی) کے پتھر پر (چڑھکر) "ربّنا" کہتے ہیں۔

رند جب وفاداری سے عشق کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرتے ہیں۔ عہد وفا کو پورا کرتے ہیں۔ ربّنا اللہ تم استقاموا "استقامت سے قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ تو قبولیت کے مقام پر " اجابت از در حق بہر استقبال مے آید "۔ کرم۔ فیض اور بخشش کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اُدھر ہی سے آواز آتی ہے۔ اور یہ پکار اُٹھتے ہیں "ربّنا" کیا بلند مقام ہے۔ اور یہ مقام رندانِ جانفشان کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

در سیرِ سرِّ عالم بے منتہائے عشق

گام نخست بر سر این تنگنا زنند

گام = قدم - نخست = پہلا - تنگنا = چھوٹی گلی - تنگ کوچہ -

عشق کے بے انتہا عالم کے سرّ کے سیر میں پہلا قدم اس تنگ کوچے کے سر پر مارتے ہیں۔

جب یہ رند عشق کے بے انتہا عالم کے سرّ کے سیر کو نکلتے ہیں۔ تو اس دنیا کے سر پہ لات مارتے ہیں۔ سرّ عشق کی سیر کے لئے ترک دنیا پہلا قدم ہے۔ دُنیا پر لات مارنے کے بغیر یہ سیر ممکن نہیں۔"

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایں محال ست و خیال ست و جنوں

آدمی اس چیز پر لات مارتا ہے۔ جس چیز کی اس کے پاس قدر اور وقعت نہ ہو۔ رند اس دنیا کو بے وقعت مانتے ہیں۔ اس لئے اس پر لات مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔

چوں در ریاض اُنس شراب بقا چشند

خوش تیغ ترک بر رخ دار الفنا زنند

ریاض = باغات۔ روضہ کی جمع۔ اُنس = محبّت۔ عشق۔ میل جول۔
بقا = ہمیشگی۔ پائیداری۔ دار الفنا = فنا کا گھر۔ دنیا۔

جب یہ (رند) محبّت اور عشق کے باغوں میں بقا (فنا ہونے) کی شراب چکھتے (پیتے) میں تو ترک (چھوڑنا) کی تلوار دنیا کے چہرے پر خوشدلی سے مارتے ہیں۔

بقا کی شراب حیاتِ اَبدی کا اثر رکھتی ہے۔ شراب غم دُور کرنے والی چیز ہے۔ غم دُنیا کا ہوتا ہے۔ غم عقبیٰ کا ہوتا ہے۔ شرابِ بقا اور وہ بھی محبّت میل ملاپ اور اُنس کے باغوں میں کسی چیز کا غم باقی رکھ سکتی ہے۔ کس چیز کی خواہش رہ سکتی ہے۔ اور اس غم اور خواہش کے موجود نہ رہنے کو "ترک" کہتے ہیں۔ اور یہ معرفت کی شراب پینے والے ہیں۔ جو ترک دنیا ترک عقبیٰ ترکِ مولا ترکِ ترک کی تلوار کو خوشدلی سے چلاتے ہیں۔

با داغ مفلسی چو علائی خیام عز

برسُدّہ قناعت و اوجِ عنا زنند۔ (برسدرۂ قناعت و اوج غنا زنند)

خیام = خیمے۔ خیمہ کی جمع۔ عِز = عزت۔ ارجمندی۔
سُدّہ = چوکھٹ۔ آستانہ۔ دہلیز۔ (سدرہ = بیری کا ایک درخت۔ جو جبرئیلؑ کا مقام ہے)
اَوج = بلندی۔ اُونچائی۔ عنا = دُکھ۔ درد۔ (غنا = تونگری۔ دولتمندی)

بیرند علائیؒ کی طرح مفلسی تنگدستی اور لاچاری کا داغ (دھبہ) رکھتے ہوئے عزت اور ارجمندی کے خیموں کو قناعت کے چوکھٹ اور دُکھ درد کی بُلندی پر گاڑتے ہیں (نصب کرتے ہیں)

فرماتے ہیں کہ جسطرح میں نے مفلسی کا دھبہ رکھتے ہوئے عزت اور تونگری کو قناعت اور دُکھ درد برداشت کرنے کی برکت سے اعلیٰ پیمانے پر حاصل کیا ہے۔ اسی طرح یہ رند بھی عزت کے خیموں کو

قناعت کے آستانہ پر گاڑتے ہیں۔ قناعت اپناتے ہیں۔ تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں۔ پھر اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو خدا دوست دکھلا کر دنیاوی مال و دولت جمع کرتے ہیں کسی صورت میں خدا دوست نہیں۔ اس کی کسوٹی "قناعت" اور "مصیبتوں" کو برداشت کرنا ہے۔ جو قانع اور بردبار نہیں۔ خدا دوست نہیں بن سکتا ہے۔

نقابِ عزّ اگر یکدم ز روئی خود بر اندازی (نقابِ عزّ۔ نقابِ غیر)

ہزاراں بیدل از ہر سو در آیند در سر اندازی۔

نقاب = گھونگٹ۔ برقع۔ منہ پر ڈالنے کا پردہ یا کپڑا۔
عزّ = غرور۔ بزرگی۔ کبریائی۔ جلال۔ عزّ = عزّت = غیر = سوا۔ جدا۔ بیگانہ)

(اے معشوق) اگر کبریائی اور جلال کے نقاب کو ایک لمحہ کے لئے اپنے چہرے سے اٹھاؤ گے (تو) لاکھوں عاشق (بیدل) ہر طرف سے سروں کو قربان کرنے (کاٹنے) کے کام میں لگ جائیں گے۔

اے معشوق تمہاری خوبصورتی۔ حسن اور جمال کا یہ عالم ہے کہ نقاب ہونے کے باوجود کل کائنات تیرے حُسن پر عاشق ہے۔ عاشق نقاب میں سے تیرے حُسن کی جھلک دیکھتے ہیں۔ اسواسطے ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اگر تم نقاب اٹھاؤ گے تو عاشق کمال عاجزی سے سر جھکا کر تیرے مقدس قدموں پر سر کاٹنے لگیں گے۔

زیک پیچ سر زلفت دو عالم گشت عنبر بو

اگر آں پیچ بکشائی سمن بر عنبر اندازی

سمن = چنبیلی کا پھول۔ عنبر = مشک عنبر اس کا رنگ کالا ہے۔

تیرے کالے زلف کے سرے کے ایک خم سے دونوں عالم خوشبودار ہوگئے۔ اگر اس خم کو کھولدوگے (تو) چنبیلی کو عنبر پر ڈالوگے۔

زلف اور خوشبوؤں کے سرتاج عنبر میں رنگ کے لحاظ سے مشابہت ہے۔ عنبر سے مہک نکلتی ہے جو عالم میں پھیل جاتی ہے۔ زلف سے بھی مہک نکلتی ہے اور کائنات میں پھیل جاتی ہے۔ زلفہ رات کے تاریک حصے کو کہتے ہیں۔ مزلفہ اکھٹے کئے ہوئے ایک گروہ میں جمع کئے ہوئے رات کے تاریک حصے میں خواب (نیند) اور بے ہوشی اور بے حسی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ انسان۔ حیوان۔ چرند۔ پرند

کیڑوں مکوڑوں کی اکثریت غفلت میں پڑتی ہے - اکٹھی ہوتی ہے "در خواب غفلت ایں ہمہ بیدار کو بیدار کو" تاریک رات اور زلف نہ صرف رنگت کے لحاظ سے بلکہ اثرات کے لحاظ سے مشابہ ہیں - جسطرح گھپ اندھیرے میں مطلوب راستہ کا ملنا مشکل ہے - اسی طرح زلف کی زنجیر سے بھاگ نکلنا دارد ہے - زلف اور روی - ظلمت اور نور - کفر اور دین کا ظہور نہ ہوتا اگر خم دار پیچیدہ زلف سر پر جگہ لیکر روی پر غالب نہ ہوتا - روی کی خوبصورتی - چمک دمک کو زلف سے ہی درخشندگی آب و تاب اور رونق میں اضافہ ہوتا ہے - زلف دراز کی کہانی دراز ہے - اس کے پیچ خم اور کشش میں راز ہے - عاشقوں کو اس زنجیر میں جکڑ جانے پر ناز ہے - دونوں عالم اس کے ایک تار میں لٹکے ہوئے ہیں - زلف میں کجی (ٹیڑھا پن) ہے - اور روی سے زیادہ حصّہ میں پھیلی ہوئی ہے - اسواسطے کجی راستی پر غالب ہوتی ہے - زلف کی کجی اور حلقے کائنات کو گھیرے ہوئے ہیں - کوئی دل اور کوئی چیز اس حلقے سے باہر جا نہیں سکتی - اگر روی پر الف کو بکھیر دیگا تو نہ ظاہری نور اور روشنی رہیگی اور نہ نورِ ہدایت - ہر رنگ کی ظلمت کا دور دورہ اور غلبہ ہوگا - لیکن وہ ایسا نہیں کرتا ہے - کیونکہ لٹ کے تار اگرچہ اکٹھے ہیں لیکن ایک ہی نہیں اسواسطے اگر یہ منہ پر بکھر بھی جاتے ہیں منہ کو کامل طور پر چھپا نہیں سکتے - تاروں (زلف کی لڑی) میں سے روی کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ اگر دنیا میں کفر کا غلبہ رہا - رہتا ہے اور رہیگا لیکن دین اور ہدایت کلیتہً کبھی نہیں معدوم ہوگا - زلف کے گرفتار عاشق حقیقت میں روی دیکھنا چاہتے ہیں اور "روی" ہی کے عاشق ہیں - اگر زلف کو چہرے سے کامل طور پر ہٹا دیگا - تو کائنات میں ایک بھی "کافر" نہیں رہیگا - بلیت

"کفر و دین و نور و ظلمت در جہاں — از رخ ماہ و شب گیسوئی اوست"

زلف میں سکون نہیں حرکت ہے - منہ پر آتی ہے اور پیچھے ہٹ جاتی ہے - یہ حرکت رفتار عالم - دن رات - روحانی روشنی - روحانی ظلمت عاشقوں کے لئے شام غم اور صبح امید - وصل اور ہجر کا باعث ہے - عاشق زلف کی زنجیر سے چھٹکارا پانے کی جد و جہد کرتے ہیں - (کثرت سے توجہ ہٹانے کے لئے ریاضت کرتے ہیں -) کثرت کی پرستش - پوجا اور خیال سے رہائی پاکر روی پر نظر جمانا (لقا) چاہتے ہیں - رخ یار کو = جبین و ابرو - چشم و لب - خط و خال - قد و قامت اور زلف کے ساتھ مجموعی طور پر دیکھنا چاہتے ہیں - اور دیدار سے مطلب رخ یار ہی کو دیکھنا ہے - رخ جاناں کے دیدار میں خود بخود یہ سامنے آتے ہیں -

زلف لمبی - ٹیڑھی - بے سکون - آب و تاب والی سیاہ نور کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہے -

اس کے ہر وصف میں راز ہے۔ اور ایسے راز کہ جن نیک بخت۔ خوش نصیب۔ سعادتمندوں نے اس تک رسائی حاصل کی اور اس کو ہاتھ میں لے لیا وہ بھی اس کے وصفوں کو نہ سمجھ سکے۔ ہم بتائیں تو کیا بتائیں۔ جب ہم ابھی اس کے قیدی اور گرفتار ہیں۔ پیچ کو کھولنا عنبر پر چنبیلی ڈالنا ہے۔ عنبر کا رنگ سیاہ ہے۔ چنبیلی کے پھول سفید ہیں دونوں خوشبودار ہیں۔ کفر اور دین عاشقوں کے پاس عنبر اور چنبیلی میں کفر کے بعد دین حاصل ہو۔ ہجر کے بعد وصل حاصل ہو۔ ہجر کے بعد وصل حاصل ہو۔ ظلمت کے بعد روشنی ہو۔ موجود دونوں ہیں۔ لیکن ان کے لطف کا اندازہ اور ہی ہے۔ جو تجربہ سے ملتا ہے۔

شود جلوۂ حسنت غبارِ غیر ظاہر شد
گر از غیرت کنی غمزہ غبار از رہ بر اندازی

غبار = گرد۔ ناراضگی۔ کدورت۔ دشمنی۔ رقابت۔
غیر = رقیب۔ دوسرا۔ دشمن۔
غیرت = محبت یا شک یا عداوت وغیرہ کی بنا پر کسی کام کرنے پر ہمت کی کمر باندھنا۔
غمزہ = آنکھ مارنا۔ آنکھ سے اشارہ کرنا۔

تمہارے حسن کے نمودار (جلوہ) ہونے سے رقیب کی دشمنی (کدورت) ظاہر ہو گئی۔ اگر (اب) غیرت کر کے آنکھ کا اشارہ کرو گے۔ تو تو راستے کے غبار (گرد۔ آلودگی) کو جھٹک دو گے (دور پھینک دو گے) انسان کی بنائی ہوئی بات ہے۔ اور اس بناوٹی بات پر اس کو اعتماد اور اعتقاد ہے۔ کہ جب خدا انسان کے بغیر تمام کائنات پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا۔ اور ہر پیدا کیے ہوئے کو اپنا اپنا کام سونپا تو ہر پیدا شدہ مخلوق نے سرِ تسلیم خم کر کے اطاعت قبول کی۔ جس کے سپرد جو کام ہوا وہ اس میں مشغول ہو گیا۔ کچھ تخلیقی کام پر مقرر ہوئے۔ کچھ تخریبی کام پر۔ ساتھ ساتھ آقا اور مالک تعریف۔ تقدیس اور تحمید بھی کرنے لگے۔ خدا نے کہا۔ یہ سب کچھ اچھا ہوا۔ لیکن میرے "حسن" کا جلوہ میری چاہت کے مطابق کسی میں نہیں۔ میں ایک ایسی مخلوق پیدا کروں جس سے میرے حسن کا جلوہ نمودار ہو۔ تو اس (خدا) نے پیدا شدہ کائنات سے کہا "میں ایک ایسی مخلوق پیدا کروں جو میرے حسن کا جلوہ ہو (کہلائے) اس کو "آدم" نام رکھوں گا۔ فرشتوں نے کہا۔ ہم تیرے فرمانبردار ہیں۔

تمہاری تسبیح اور تقدیس میں مصروف ہیں۔ اور کوئی بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ کائنات میں خدشہ ہوا۔ کہ یہ "آدم" نہ معلوم کیا بلا کا پتلا ہوگا۔ ہم پر اپنے منشا کے مطابق حکومت کریگا۔ اور ہمارے لئے دُکھ اور تکلیف کا باعث ہوگا۔ یہ ہمارے مفوضہ کام سے مزید کام لیگا۔ اور ہم کو اس کے منشا کے مطابق کام کرنا پڑیگا۔ تو کائنات بھی "آدم" کے پیدا کرنے پر راضی نہ ہوئی۔ خدا نے اعلان کیا کہ میں ارادہ کر چکا ہوں اور اپنے ارادہ سے باز نہیں آونگا۔ مجھے اپنے "حسن" کا جلوہ دکھانا ہے اور "آدم" کو بنانا ہے۔ کائنات میں شعور پیدا ہوا۔ کیونکہ سب سمجھ گئے کہ مالک چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے۔ اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے۔ "آدم" بہانہ ہے۔ آدم مقدس بے چون بیچگوں ہستی کے لباس کے بغیر اور کیا ہوگا؟ کیا ہم اس کے مستحق نہ تھے۔ کیا ہم "جلوۂ حسن" نہیں بن سکتے تھے؟ رقابت شروع ہوئی۔ دلوں میں اس آدم کے بارے میں کدورت کی میل جمی۔ جلوۂ حسن نمودار ہوا۔ آدم بنا۔ ہوا ہی جس کا خطرہ تھا۔ حکم ہوا۔ جلوۂ حسن کی (آدم کی) اطاعت کرو اس کے آگے سر جھکاؤ۔ غیر (رقیب) نے کہا۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ ہم اس کو تمہارا درجہ دیں اور اس کے سامنے جھکیں۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے ہیں کہ ہم تمہارے عاشق۔ فرمانبردار ہو کر ہم کسی اور کی حکومت مانیں۔ تو ہمارا ہے۔ ہم تمہارے ہیں اور بس۔ مگر "جلوۂ حسن" (آدم) نمودار ہوا تھا۔ اب بنتا تو کیا بنتا۔ غیریت اور رقابت قایم ہوئی۔

اس بات کو دھیان میں رکھنا چاہئیے۔ کہ ہم جس کو غیر سمجھتے ہیں وہ بھی ہم کو غیر ہی مانتا ہے۔ ایک ہی معشوق کے دو عاشق آپسمیں رقیب ہیں۔ معشوق کو اپنانے کا حق جیسا ایک کو ہے ویسا ہی دوسرے کو بھی ہے دونوں عشق کے راستے میں ایک دوسرے کے لئے روک ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ "رقیب" ہٹ جائے۔ اور معشوق میرا ہی بنکر رہ جائے اور میرے سوا کسی کا نہیں۔ اسواسطے ہر ایک گھات داؤں میں لگا رہتا ہے۔ تاکہ دوسرے کو "محبوب" کی نظر سے گرائے اور خود منظور نظر بنے۔ چونکہ "جلوہ حسن" ایک غیرت کا نتیجہ ہے۔ (آدم کو خدا نے کائنات کی مخالفت کرنے پر بھی بنایا) اسواسطے اگر وہ معشوق غمزہ (آنکھ کا اشارہ) ہی کرے تو یہ غمزہ اس کی طرف سے محبت کا کافی ثبوت ہے۔ تو غیر مٹی کے ساتھ اس طرح رل جائیگا۔ جسطرح ہم راستے کے گرد و غبار کو دامن سے جھاڑ کر پھر مٹی کے ساتھ

ملاتے ہیں۔ اُدھر ہی سے فضل و کرم اور نظر عنایت ہو تو کام بن جائیگا۔ اور اس کا پتہ ایک غمزہ سے لگ سکتا ہے۔ کہ وہ بھی ہم کو چاہتا ہے۔ ہم سے محبت کرتا ہے۔

صدائے موکب عزمم نگنجد در ہمہ عالم
گرم یکرہ بدشنامی عنایت برسر اندازی

صدا = آواز۔ شور۔ موکب = اردل کے سوار اور پیادے۔
عزم = ارادہ۔ دشنام = گالی گلوچ۔

میرے ارادہ کے اردلیوں کی آواز سارے عالم میں نہیں سما سکیگی۔ اگر ایک دفعہ ایک گالی سے مجھ پر عنایت کروگے۔

لاابالی کا یہ عالم ہے کہ کتنا شور مچاؤ۔ چیخ پکار اٹھاؤ۔ منت وسماجت کرو۔ عجز وانکساری کرو۔ آہ وفغاں سے آسمان کو سر پر اٹھاؤ وہاں سے کوئی آواز نہیں آتی ہے۔ عاشق سوزِ عشق میں کیا کچھ نہیں کرتا ہے۔ اپنی سوزش اور اپنی آواز کے سوا کچھ بھی محسوس نہیں کرتا ہے۔ دلاسا اور تسلّی کی تو بات کیا۔ گالی بھی نہیں سنتا ہے۔ مت رو۔ شور مت مچاؤ۔ بولو کیا چاہتے ہو۔ کیا مانگتے ہو۔ ہم تمہاری بات سنیں گے تمہاری مراد پوری کرینگے تو دلبری کی باتیں ہیں۔ چپ رہو۔ خاموش ہو جاؤ۔ بکواس کرتے کرتے مغز چاٹے ہم تمہارے آہ وفغاں سے اُکتا گئے۔ اس قسم کا عتاب بھی سنائی نہیں دیتا ہے۔ اگر اس قسم کا عتاب بھی اُس پیارے کی زبان سے نکلتا اور میں سُنتا تو خوشی کے مارے میری کیا بات ہے۔ میرے ارادہ کے اردلیوں کی شادی کی صدا اتنی بلند ہوتی جو سارے عالم میں سمانہ سکتی اور اس عالم سے عالم بالا کو پہنچ جاتی۔ لیکن میری آرزو پوری نہیں ہوتی ہے۔ اور تم گالی سے بھی مجھ پر عنایت نہیں کرتے ہو۔ عاشق کے لئے اس سے بڑھکر کیا جفا۔ کیا ظلم اور کیا ستمگاری ہوسکتی ہے کہ معشوق اسکی عجز وزاری۔ آہ وفغاں کو سنتا ہے۔ اور اوکھا جواب تک نہیں دیتا ہے۔

نہ ظلِ ظلمتِ صورت شوم در مسندِ معنی   بتم
گر از راہِ کرم یکدم خودم در خاور اندازی

ظلّ = سایہ۔ خیال۔ ظلمت = تاریکی۔ صورت = شکل۔ ظاہری صورت = مجاز۔
مسند = تخت۔ تکیہ دار بیٹھک۔ معنی = حقیقت۔ اصلیت۔ خور۔ سورج۔ خاور = مشرق۔

صورت کی تاریکی کے سایہ سے (نکل کر) معنی کے تخت پر ہو جاؤنگا۔ (بیٹھ جاؤنگا) اگر مہربانی سے ایک لمحہ (تھوڑی دیر) کے لئے میرے سورج کو مشرق میں ڈالو گے۔ انسان جو حقیقت اور اصلیت میں روح لطیف اور نور ہے۔ جسم کثیف کی خمیر کے ساتھ گوندھا گیا ہے۔ اور صورت (ظاہری اور جسمانی شکل) نے اس کو اپنے تاریک سایہ (مجاز) میں بٹھا دیا ہے۔ یہ حقیقی انسان صورت کے کسوف (سورج گرہن) میں ہے۔ (مجاز کے پردہ کے پیچھے ہو گیا ہے) قدس اللہ سرہٗ۔ التجا کرتے ہیں۔ اے میرے مولا۔ اے نور اور ظلمت کے مالک۔ اے قدرت اور طاقت والے۔ اے میری عاجزی اور کمزوری سے واقف اگر مہربانی سے میرے سورج (اوج) کو جو مجاز کے اندھیرے سایہ کے کسوف میں ہے۔ نکال کر آسمان (حقیقت کے بلند مقام) پر طلوع کرنے کے لئے (حقیقت سے واقف ہونے کے لئے) ڈالو گے۔ تو میں حقیقت کے تخت پر مسند نشیں ہو جاؤنگا۔ یہ مجاز اور جسم دونوں سے چھٹکارا پانی کی التجا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوستان خدا کو اپنے جسموں سے بھی نفرت ہے کیونکہ وہ اس کو اندھیرے کا سایہ سمجھتے ہیں۔ ہر سایہ بذات خود تاریک ہوتا ہے۔ پھر تاریکی کے سایہ کا خیال کرنا ہے۔ کہ اس ظلمت (تاریکی) کا ظل کیا ہے؟ اور ہم کس اندھیرے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

غبار غیرہ و کفر و دیں طلسم گنج معنی شد
طلسم گنج کے ماند چو زلف از رخ بر اندازی

غبار = کدورت۔ دشمنی۔ رنجیدگی۔ غیر = رقیب۔ بیگانہ۔ دوسرا۔ نفس و شیطان۔ کفر = مخلوق پرستی اور کثرت پرستی کا مذہب۔ دین = تسلیم و رضا کا مذہب۔ لین دین۔ حساب و کتاب۔ نیک عملوں اور بد عملوں کے جزا اور سزا ملنے کا مذہب۔ طلسم = خزانوں پر کی ڈراونی صورت۔ جادو کا عجیب و غریب تماشا جو دیکھنے والے کو حیرت میں ڈالے اور سمجھ میں نہ آئے۔ موہوم خیالات کو عجیب و غریب شکلوں میں نظر میں لانے والا علم۔

نفس شیطان کی دشمنی اور کفر اور دین حقیقت کے خزانے کے طلسم ہو گئے (بن گئے) خزانے پر کا طلسم کب رہیگا جب (تو) (اپنے) رخ (چہرے) سے زلف کو ہٹا دو گے۔ مشہور ہے کہ ویرانے کے خزانے کا محافظ تاجدار کالا سانپ ہوتا ہے۔ جس کو شہمار

کہتے ہیں۔ یہ بڑا خطرناک سانپ ہوتا ہے۔ اور کسی کو خزانے تک آنے نہیں دیتا ہے۔ رنگ۔ پیچ و خم اور لچک کے مناسبت کے موجب عاشقوں اور شاعروں نے "زلف" کو "مار" سے تشبیہ دی ہے۔ "روی یار" خزانہ ہے اور "زلف یار" خزانہ کا محافظ مار ہے۔ وہ خزانے جن کو بادشاہ یا امیر دفن کرکے چھپاتے تھے۔ کہتے ہیں۔ وہ ان پر طلسم باندھتے تھے اور اس پر گورکھ دھندا لگاتے تھے۔ طلسم کی تعمیر اس قسم کی ہوتی تھی کہ اگر کوئی گورکھ دھندا پیچیدہ آسانی سے نہ کھلنے والا قفل) کھولنے میں کامیاب ہوتا تو اندر جاکر اس کو رستہ نہیں ملتا تھا کہاں سے آیا کہاں جاؤں کدھر سے باہر نکلوں۔ بھٹکتے بھٹکتے تھک کر چور چور ہوتا تھا اور ناکام مرجاتا تھا۔ رقیب کی رقابت اور دشمنی کفر اور دین حقیقت کے خزانے کے طلسم ہیں اور "مار" ہیں۔ عاشقوں کے پاس "مذہب عشق" کے بغیر جو حقیقت کا راستہ ہے۔ باقی تمام مذہب طلسم اور مار ہیں اور زلف یار کی شکل میں نمودار ہیں اور روی یار کو جو خزانہ ملے چھپائے ہوئے ہیں یا تو کسی کو وہاں تک جانے ہی نہیں دیتے یا طلسم میں پھنس کر بھٹکتے بھٹکتے رکھتے ہیں اور خزانہ کا سراغ نہیں دیتے ہیں۔ اگر طلسم اٹھ جائے اور سانپ بھاگ جائے تو خزانہ ملنے کی امید بڑھ جائیگی اور رنج و محنت سے کھودنے پر خزانہ مل جائیگا۔ ہم میں یہ طاقت نہیں کہ طلسم کو ہٹائیں اور مار کو بھگائیں۔ یہ طاقت طلسم بنانے والے ہی کو حاصل ہے۔ حقیقت کے خزانے کا طلسم "زلف یار" کا بنا ہوا ہے۔ اس لئے اگر وہ زلف کو (رقیب کی دشمنی۔ کفر اور دین۔ موہوم خیالات وغیرہ کو) ہٹائیگا۔ تو حقیقت کا کھوج ملنا آساں ہو جائیگا۔ حقیقت نظر آئیگی۔ زلف سے مراد کثرت۔ "ماسوی اللہ" یہ بڑا طلسم ہے۔ معنی سے مراد وحدت۔ "اللہ" ہے۔ کثرت کے طلسم کے گورکھ دھندے کو کھولنا اور طلسم کے اندر جاکر خزانہ پانے کے لئے صحیح کھوج لگانا عاشقوں کا کام ہے۔ اور ان میں سے بھی خوش نصیب سعادتمند مقبول ازل ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

جہان زندانِ من گردد گرت یکدم نہ بیند دل
نعیم جان شود دوزخ گرش غم در بر اندازی

نعیم = جنت۔ بہشت۔

اگر میرا دل ایک لمحہ کے لئے تجھے نہیں دیکھیگا (تو) دنیا میرے لئے قید خانہ بنیگی۔

(اور) جان (روح) کی جنّت جہنم ہو جائیگی اگر اس (دل) کو غم کی پوشاک پہناؤ گے (اگر دل میں اپنا غم ڈالو گے)

یہ مقام قدس اللہ سرہ کا ہے۔ جو معشوق حقیقی کو مخاطب کر کے اس کو گوش گذار کرتے ہیں۔ کہ اگر ایک لمحہ کیلئے تیرا دیدار بند ہو جائے تو یہ دنیا میرے لئے زنداں ہو جائیگی۔ اس شعر کے مفہوم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدس اللہ سرہ ہر وقت ہر دم۔ دن رات میں "حضور" میں ہوتے تھے۔ اور "دیدار" سے مشرف تھے۔

کرام عالم علوی لوائے رفعتم گیرند
اگر یک نقطہ از نامم رقم در دفتر اندازی

کرام = بڑے لوگ۔ علوی = فرشتوں کے۔ اعلیٰ درجے کے۔ لوامی = جھنڈا۔ رفعت = بلندی۔ عزت۔ رقم = لکھنا۔ تحریر۔ محکمہ کے کاغذات اور حساب کتاب۔ وہ کمرہ یا مکان۔

(اے آقا) اگر میرے نام کا (سالم نام نہیں) ایک نقطہ اپنے (عاشقوں کی فہرست) دفتر میں ڈالو گے (لکھو گے) (تو میری شان اتنی بلند ہو گی کہ) عالم بالا کے رہنے والے (فرشتے اور مقربین) میری بڑائی اور عزت کے جھنڈے کو (فخر سے) ہاتھ میں اٹھائینگے۔

علی با دردِ دل عمرے مقیم خاک این درشد
گر از دار روے لطفش دوائے درخور اندازی

مقیم = ٹھہرنے والے۔ قیام کرنے والا۔ بسنے والا۔

در = دروازہ۔ چوکھٹ۔ درخور = مناسب۔ لایق۔ سزاوار۔ موزون۔

علی دل کے دکھ (دل کی بیماری) کے ساتھ ایک زمانے سے اس دروازے پر بیٹھا ہے۔ (اس امید سے) شاید کہ مہربانی اور فضل و کرم کی داؤں میں سے اس کے مناسب حال موزوں دوا اس کو دید وگے۔ (دردِ دل کا علاج کر دگے) دل کی بیماری۔ عشق کی بیماری ہے۔ اس کی دوا لطف و عنایت حضوری۔ مہربانی۔ دیدار اور وصال ہے۔ عاشق کے دردِ دل کا نسخہ یہی ہے۔

قدس اللہ سرہ۔ کس عجز۔ کس شکستہ دلی اور امید سے دعا اور التماس کرتے ہیں۔

بہت زمانہ گزرا کہ میں دل کی بیماری کی دوا کے لئے تیرے دروازے پر بیٹھا ہوں۔ ابھی تک اس دل کی بیماری کا علاج نہ ہوا۔ دروازہ نہ کھلا۔ کسی نے پوچھا کہ بھیا تم کون ہو۔ کیا مانگتے ہو۔ کیا چاہتے ہو۔؟ مگر میں اس دروازے سے اٹھنے کا نام نہیں لیتا ہوں۔ ناامید نہیں ہوں مجھے امید ہے۔ کہ لطف و عنایت اور مہربانیوں کی جو دوائیاں تمہارے شفاخانے میں ہیں۔ میری بیماری کی تشخیص کر کے میرے مناسب حال دوا مجھے دو گے۔

دلے را کز غم عشقش سر موئے خبر باشد
ز تشریف بلائے دوست بر وے صد اثر باشد

تشریف = شرف بخشنا۔ آنا۔ بزرگ کرنا۔ ترجیح دینا۔ ذاتی خوبی کا ظہور کرنا۔
بلا = تکلیف۔ مصیبت۔ دکھ۔ چستی و چالاک۔ تیزی۔ آزمائش۔

(اگر) کسی دِل کو اُس کے عشق کے غم کی خبر سرِ مو (کے برابر) ہو (تو) یار کی بلا (آزمائش) کی تشریف (شرف بخشنے۔ آنے) سے اُس (کی ہستی) پر سینکڑوں اثر (نشان۔ علامات) ہونگے۔ عشق اور عشق کے غم کی علامات اور نشان اور اثر پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ چھپانے سے چھپ نہیں سکتے۔ "کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن" عشق مجازی ہو یا حقیقی ظاہر ہوتا ہے۔ دِل دھڑکنا۔ منہ سوکھنا۔ رنگ فق ہونا۔ چہرے کا رنگ پیلا پڑ جانا۔ دماغ بگڑنا۔ خیالات میں ڈوبے رہنا۔ بھوک کا مٹ جانا۔ بے خوابی۔ بے آرامی۔ بے قراری۔ آہ و فغاں۔ گریہ زاری۔ خون جگر آنکھوں سے بہنا۔ محفلوں اور مجلسوں سے اکتانا۔ اپنے اور پرائے نظروں سے گر جانا۔ یگانوں سے بیگانہ ہونا۔ شرمندہ اور رسوا ہونا۔ نام اور ننگ ناموس سے ہاتھ دھونا۔ وغیرہ وغیرہ اس کے اثر ہیں۔ یار (دوست) کی بلا۔ اس کی محبت (عشق) ہے۔ جب عشق تشریف لاتا ہے۔ تو اس کی تشریف آوری پر سینکڑوں آزمائشوں کا شروع ہوتا ہے عشق سے جو غم دل میں جگہ بناتا ہے۔ اگر دِل کو اس کی خبر سرِ مو کے برابر ہو تو دل پر قیامت بپا ہوگی۔ لیکن دِل غم کے بوجھ کے تلے اتنا دب جاتا ہے۔ کہ بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کا کارخانہ چلتا رہتا ہے لیکن اس کے اثر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

کسے کز غمزہ جنبش چو زلف او پریشاں شد
ز نام و ننگ و کفر و دیں بکلّی بے خبر باشد

غمزہ = آنکھ کا اشارہ ۔ ننگ = شرم حیا ۔

جو کوئی اس کے "حسن" کے غمزہ (اشارہ) سے اس (معشوق) کی زلف کیطرح پریشاں (تتر بتر اور پراگندہ) ہوا ۔ (وہ) نام (شہرت عزّت) شرم وحیا کفر اور دیں سے کامل طور پر بے خبر ہو گا ۔

حسُن خوبی خوشنمائی خوبصورتی دلربائی ۔ قد وقامت ۔ خط وخال ۔ زلف پیچاں ۔ کمانِ ابرو ۔ تیغ بینی ۔ نزاکت ۔ رنگ رو ۔ رنگ بدن ۔ اندازِ تبسم ۔ ادائے تکلّم ۔ شیریں دہان ۔ خوش بیانی حرکات وسکنات کے رنگ ڈھنگ کی مناسبت اور موزنیت کو کہتے ہیں ۔ کسی چیز میں زیادتی نہو ۔ کسی چیز میں زیادتی نہو ۔ کسی چیز میں کمی نہو ۔ مخلوقات میں کامل "تناسب" کا پایا جانا ناممکن اور محال ہے ۔ کسی مخلوق میں چاہئے وہ انسان ہو ۔ پری ہو ۔ پھُول ہو ۔ پرند ہو ۔ چرند ہو ۔ تارا ہو ۔ چاند ہو ۔ سورج ہو ۔ فرشتہ ہو ۔ جن ہو ۔ جو کچھ ہو نکتہ بیں نظر نکتہ گیری سے بچ نہیں سکتی ہے ۔ تناسب میں زیادتی یا کمی ضرور نظر آئیگی ۔ اور حسن کا معاینہ کرنے والا حسُن شناس کہہ اٹھیگا ۔ کہ یہ "غیر متناسب حسن ہے ۔ غیر متناسب حسُن کے مقابلے میں "متناسب حسن" کی موجودگی لازمی اور ضروری ہے ۔ جس متناسب حسن کو وہ "حسن کامل" مانے گا ۔ یہ متناسب حسُن ۔ حُسنِ کامل معشوق حقیقی کا حسن ہے ۔ ہر بات موزوں ہے ۔ ہر ادا موزوں ہے ۔ ہر کام موزوں ہے ۔ مخلوق کے حسُن میں تغیّر اور زوال ہے ۔ منبع حسن کا حسن بے پایاں بے زوال اور غیر متبدل ہے ۔ دانشمند سعادتمند زوال پذیر حسن سے لازوال حسُن کا کھوج لگاتے ہیں ۔ اور اُسی کا لو لگاتے ہیں ۔ اسی سے محبت کرتے ہیں ۔ اُسی حسن کو دیکھنے کے لئے پریشان ہو جاتے ہیں ۔ اس کی پرستش کرنا چاہتے ہیں ۔ کفر و دیں (مذہبی پابندیوں) شہرت ۔ عزّت ۔ شرم وحیا سے بے خبر ہو جاتے ہیں ۔ اس حسُن کی تلاش میں بے خبر مست اور مدہوش ہونے کا نام "عالم حیرت" ہے ۔

بُبیں کز نازکی طبعش ملول است از گُلِ سوری
میانِ آتشِ جانم مدامش چوں مقر باشد

ملول = رنجیدہ ۔ گُلِ سوری = ایک سُرخ رنگ خوشبودار نازک پھُول ۔
مدام = ہمیشہ ۔ مَقر = ٹھہرنے کی جگہ ۔ جائے قرار ۔

اس معشوق کو میری جان کی آگ میں ہمیشہ کیلئے ٹھہرنے کی جگہ ہوگی۔ جس کی طبیعت (مزاج) نازکی کے موجب گل سوری سے رنجیدہ اور ملول (ناراض۔ ناخوش) ہے۔

پوجا اور پرستش کے لئے پتھر سے تراشے ہوئی یا سونا۔ چاندی یا کسی دھات سے بنائی (گھڑی) ہوئی مورتی کو "بُت" کہتے ہیں۔ چونکہ عاشق معشوق کی پرستش اور پوجا کرتا ہے۔ اس لئے معشوق کو بھی "بُت" کہتے ہیں۔ گل سوری رنگت کے لحاظ سے آگ کے شعلے یا انگارے سے مشابہ ہے۔ لیکن گل سوری میں خوشبو اور ٹھنڈک ہے۔ آگ میں جلن اور دھواں ہے۔ گل سوری سے فرحت ملتی ہے۔ آگ سے سوزش۔ عاشق کی جان میں عشق کی آگ جلتی رہتی ہے۔ اور عاشق کو معشوق کو دل میں جگہ دینے اور جان میں رکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ مگر معشوق کی نازک مزاجی کا یہ عالم ہے کہ وہ گل سوری کی سرخی سے گھبرا کر ملول ہوتا ہے۔ کہ اس کی گرمی نہ لگے۔ ایسے نازک مزاج معشوق کا گھر دل کا آتش خانہ کیسے بنے اور وہ اس جلن اور سوزش والے گھر میں کیونکر قرار کرے۔

تو در گلخن طمع داری کہ شاہت ہمنشیں گردد۔
کجا آن فر سلطان را دریں گلخن گذر باشد

گلخن = بھٹی۔ آتش خانہ۔ فر = شان شوکت۔ دبدبہ۔

(تم کو طمع ہے) تم چاہتے ہو کہ بھٹی میں بادشاہ تمہارا ساتھی ہو جائے۔ (مگر تم یہ نہیں سوچتے ہو) کہاں اُس بادشاہی شان وشوکت کو اس بھٹی میں سے گذر ہوگا۔

تونے اپنے آپکو آتش خانہ بنایا ہے۔ اور طمع رکھتے ہو کہ بادشاہ تشریف لائے اور تمہارے ساتھ بیٹھے۔ یہ فضول خیال اور محال آرزو ہے۔ بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے پاک وصاف سجا سجایا ہوا محل چاہئے۔ جس میں آلودگی اور گند اور ناصافی کا نام ونشان نہ ہو۔ اسواسطے تم پہلے بادشاہ کی شان وشوکت کے مطابق شاہی محل بناؤ۔ اس کو لازمی ساماں سے سجاؤ۔ اور اپنے آپکو اس کے قابل بناؤ کہ تم بادشاہ کو گھر آنے کے لئے دعوت دے سکو۔ تم بھٹی میں سکونت کرکے ہو اور بادشاہ کی ہمنشینی کا خیال رکھتے ہو۔ (یہ خیال نہیں) کہ تم ہی بادشاہ کے پاس جاؤ گے۔ بلکہ یہ طمع کہ بادشاہ ہی تمہارا ساتھی بننے کے لئے تمہاری بھٹی میں آئے۔ کیا واہیات خیال اور طمع ہے۔ یہاں ان لوگوں کے خیال اور دعویٰ کی تردید ہے۔ جو آلودہ ہیں۔ گندے ہیں۔ ناپاک اور

ناصاف ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ہم میں ہے۔ ہمارا دل خدا کا گھر ہے۔ وہ ہمارا ساتھی ہے۔ یہ جھوٹا دعویٰ ہے۔ باطل خیال ہے۔ اور بے بنیاد آرزو اور لالچ ہے۔

کینہ۔ حسد۔ بغض۔ عداوت۔ بخلی۔ لالچ۔ طمع۔ حبِّ دُنیا۔ خواہش حشمت جاہ۔ نفس پروری کا خیال۔ شہوت پرستی۔ ناپاک نظر۔ حرام خوری۔ بے رحمی بے انصافی وغیرہ بُری باتیں دل کو آتش خانہ بناتے ہیں۔ اور اس کو سیاہ بناتے ہیں۔ جب تک یہ بُری باتیں تمہارے دل میں ہیں۔ تب تک تمہارا دل "خدا کا گھر نہیں بن سکتا ہے۔

گدائے را کہ با سُلطاں بے ہمتا بود سودا
دلش پیوستہ ریش و عیش تلخ و دیدہ تر باشد

بے ہمتا = بے مثل۔ بے مانند۔ بے نظیر۔ لاثانی۔ سودا = عشق۔ دیوانگی۔ لین دین۔ خرید و فروخت۔ ریش = زخمی۔ عیش تلخ = آرام کڑوا = بے آرامی۔ بے مزگی۔

جس بھکاری کو بے نظیر لاثانی بادشاہ کا عشق ہوگا۔ اس کا دل ہمیشہ زخمی (اس کا) عیش کڑوا (اس کی) آنکھیں تر ہونگی۔ قدس اللہ سرہٗ۔ اس بے ہمتا۔ بے نظیر بادشاہ کے عاشقوں کا حال بیان فرماتے ہیں۔ کہ ان کے دل زخمی اور شکستہ ہوتے ہیں۔ ان کا عیش منغص ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ کیونکہ شاہی دربار میں حضوری اور بادشاہ کے ساتھ ہمنشینی بھکاری (گدا) کے لئے غیر ممکن اگر نہیں مشکل ضرور ہے۔ اپنے آپکو منظور نظر بنانا محنت و مشقت صبر و تحمل اور اولی العزمی چاہتا ہے۔ دروازے پر ہر وقت رہنا ہے۔ تاکہ کبھی بادشاہ استفسار حال کریگا۔

سلامت جوی محرومی ز ذوق منصب شاہی
سریر ملک آں یابد کہ عزمش پُر خطر باشد

محروم = نااُمید۔ بے بہرہ۔ ذوق = شوق۔ ذائقہ۔ لذت۔ منصب = عُہدہ۔ مرتبہ۔ کام۔ سریر = تخت۔ گدی۔ شاہی مسند۔ عزم = ارادہ۔ خطر = خوف۔ اندیشہ۔ مصیبت۔

سلامتی (حفاظت۔ تکلیف سے نجات) ڈھونڈھنے والے (تم) بادشاہت کا مرتبہ پانے کے شوق سے بے بہرہ (خالی) ہو سلطنت کے تخت کو وہی حاصل کر سکتا ہے جس کا ارادہ (عزم) تکلیفوں اور مصیبتوں سے بھرا ہوا ہو۔

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔ اے تکلیفوں اور سختیوں سے بھاگنے والے اور سلامتی (امن وامان اور آرام) کو ڈھونڈھنے والے تم بلند اور اعلیٰ رتبہ حاصل نہیں کر سکتے ہو۔ کیونکہ ملک کے تخت (بادشاہت) کو پا سکتا ہے جس کا ارادہ پکا اور خطروں سے بھرا ہوا ہو۔ جو سخت سے سخت مشکلوں کا سامنا بہادری سے کرے۔ دنیاوی عزت۔ شہرت اور مرتبہ جب سختیوں کو برداشت کرنے کے بغیر پانا ممکن نہیں تو پھر حقیقی بادشاہت حاصل کرنے کے لئے کس درجہ کی اولی العزمی کی ضرورت ہے۔ ریاضت۔ عبادت۔ قناعت۔ فاقہ کشی۔ شب بیداری۔ خدا ٹنگزاری کے لئے کمربستہ رہنا ہے۔ نام و ننگ۔ ناموس۔ عیش و آرام کو خیرباد کہنا ہے۔ غاروں میں خلوت نشیں ہونا ہے۔ اور اپنے آپ کو قیدی بنانا ہے۔ خواہشات کے ساتھ لڑنا ہے۔ پھر کہیں کامیابی ہوگی اور گدّی ملے گی۔

کے از پیمودنِ آفاق ایں دولت شود حاصل
کسے را زیبد ایں معنی کش اندر خود سفر باشد

پیمودن = ناپنا۔ آفاق = افق کی جمع۔ آسمان کے کنارے۔ ساری دنیا۔
دولت = اقبال۔ مال۔ حکومت۔ زیبد = سجتا ہے۔ زیبا ہے۔ معنی = اصلی بات۔

دنیا کو ناپنے سے یہ دولت (باطنی باطنی بادشاہت۔ قربِ الٰہی) کب حاصل (مل سکتی) ہو سکتی ہے۔ یہ بات قربِ الٰہی اور باطنی بادشاہت) اسی کو سجتی (حاصل ہوتی) ہے جو اپنے آپ میں سفر کر رہا ہو۔ (جو اپنی حقیقت دریافت کر رہا ہو۔ میں کیا ہوں۔ کہاں سے آیا۔ کہاں جاتا ہے وغیرہ) چیز گھر میں ہے۔ ہم اس چیز کو گھر سے باہر نکل کر ڈھونڈھتے ہیں۔ چیز کب ملیگی۔؟ جتنا دُور ہم سفر کرینگے اسی اندازہ سے چیز ہم سے دُور ہو جائیگی۔ گھر میں ڈھونڈیں تو پھر ضرور ملیگی۔ سب کچھ ہم ہی میں ہے۔ خدا بھی ہم ہی میں ہے۔ اسکو غاروں۔ جنگلوں۔ بیابانوں۔ مندروں۔ مسجدوں۔ گرجاؤں۔ زمینوں اور آسمانوں میں ڈھونڈنے نکلنا اس سے دُور ہونا ہے۔ اپنے آپ میں اس کو ڈھونڈھو۔ اس کی تلاش کرو۔ تو دیکھو تم اس کو پاتے ہو یا نہیں۔ یہ دولت اور یہ خزانہ تم میں ہے۔ کھودو اور نکالو۔ راہِ حق کے آٹھ شرط پورے کرنے ہیں۔ ان کے پورے کرنے کو "سفر اندر خود" کہتے ہیں۔ اول۔ ہوش در دم۔ دوم نظر بر قدم۔ سوم سفر در وطن۔ چہارم۔ خلوت در انجمن۔ پنجم یاد کرد۔ ششم۔ بازگشت۔ ہفتم۔ نگہداشت۔ ہشتم یادداشت۔ اپنے آپ میں سفر نا ہوست۔

ملکوت - جبروت - اور لاہوت کا سفر ہے - یہ سفر دنیا کی پیمائش کرنے سے ملک ملک پھرنے سے طے نہیں ہوتا ہے - یہ مرشد کامل کی رہنمائی سے اپنے آپ ہی میں طے کرنا ہے - یہ سفر طے ہوا تو دولت ابدی حاصل ہوئی۔

کسے از سرِّ این معنی بگفت و گو نشد آگہ
کہ از پیمودنِ دریا تحیّر بیشتر باشد

تحیّر = حیرانی - تعجّب - پریشانی - اچنبھا۔

کوئی اس حقیقت کے بھید سے (زبانی باتوں سے واقف (آگاہ) نہ ہوا - کیونکہ سمندر کو ناپنے سے تعجب اور حیران زیادہ ہوتی ہے - حقیقت کے راز کی آگاہی باتوں اور بحث ومباحثہ سے نہیں ہوتی ہے - حقیقت یہ ہے - وہ ہے - اِس طرح ہے اُس طرح ہے - یہ عمل اور تجربہ سے معلوم ہوتی ہے - اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آدمی سمندر کو ناپنے تولنے بیٹھے گا - اس کام میں لگنے سے اس کی پریشانی ہی بڑھ جائیگی - اور سمندر نہ تو لا جائیگا اور نہ ناپا جائیگا - لوگ حقیقت پر گفتگو اور بحث مباحثے کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم حقیقت کے بھید سے آگاہ ہوئے قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں - باتوں سے کوئی آگاہ نہوا۔

علی گوہر کسے یابد کہ او از سر قدم سازد
کے افتد گوہرِ معنی ترا گر قدرِ سر باشد

اے علی موتی وہی نکالتا ہے (موتی اس کے ہاتھ آتا ہے) جو سر کو قدم بناتا ہے - تیرے ہاتھ معنی (حقیقت) کا موتی (جوہر) کب آئیگا اگر تم کو سر کی قدر ہوگی - سمندر کی گہرائیوں سے موتی نکالنے کے لئے غوطہ خور سر نیچے کرکے ڈبکی لگاتے ہیں - سمندر میں نیچے جاتے وقت پاؤں اوپر اور سر نیچے ہو جاتا ہے - پاؤں کا کام سر سے پورا کرنا ہوتا ہے - اور سمندر کی تہ پر پہنچنے تک یہی عمل جاری رہتا ہے - یہ سر کی بیقدری ہے کہ اس سے پاؤں کا کام لیا جاتا ہے لیکن سر کی اس بیقدری ہی سے موتی ہاتھ آتا ہے - اگر سر کو بیقدر نہ کیا جائے اور سر نیچا کرکے ڈبکی نہ لگائی جائے موتی بھی ہاتھ نہ آئیگا۔

اسی طرح جب تک غرور کے سر کو بے قدر جانکر نیچے نہ کیا جائے اس وقت تک حقیقت کے گوہر کو حاصل کرنا ممکن نہ ہوگا۔

ہر سرے کز سرّ عشقش والہ شیدا شود
از بد و نیک وجود خویش ناپیدا شود

والہ = عاشق ۔ شیدا = دیوانہ ۔ فریفتہ ۔ عاشق ۔

جو کوئی سر (شخص ۔ انسان) اس کے عشق کے بھید سے (راز سے) فریفتہ اور دیوانہ ہو جائے ۔ وہ اپنے وجود (ہستی کے اچھے اور برے سے بے خبر ہو ہو جائیگا ۔

اس کی محبت اور اس کے عشق کے بھید سے کہ اس کی محبت میں کیا راز ہے؟ کیا لطف ہے؟ اور اس عشق کا کیا انجام ہے؟ اگر کوئی ان باتوں کو واقف ہو کر عاشق اور فریفتہ ہو جائے ۔ تو اس کو اپنی ہستی کی اچھی اور بری باتیں بھول جاتی ہیں ۔ وہ اپنی ہستی سے بے خبر ہو جاتا ہے ۔ اس کو اچھے اور برے کی تمیز نہیں رہتی ہے ۔ اس کو بغیر اچھائی کے اور کچھ سوجھتا نہیں ۔

در سویدائے دل ہر کس کہ ایں سودا نشست
عاقبت جان و دلش روزے دریں سودا شود

سویدا = دل پر کا سیاہ داغ ۔ دل کا کالا نقطہ ۔ سودا = دیوانہ پن ۔ عشق ۔ لین دین اور خرید و فروخت ۔ خیال ۔ عاقبت = انجام ۔ آخر ۔ آخر کار ۔

جس کسی کے دل کے کالے داغ پر یہ خیال بیٹھ گیا ۔ (تو) آخر کار اس کی جان اور اس کا دل اسی (عشق) کے لین دین (خیال) میں ختم ہو جائیگا ۔ دل میں ایک چھوٹا سا کالا نقطہ ہوتا ہے ۔ مشہور ہے ۔ کہ یہ داغ دل کا دل ہے ۔ اور یہی چھوٹا سا نقطہ حکمراں ہے ۔ کرتا دھرتا ہے ۔ دل کے دل میں جو بات بیٹھ جاتی ہے ۔ اس کا نکلنا مشکل ہوتا ہے ۔ "یہ ضمیر ہے" ۔ "یہ شعور خفتہ" کہا سکتا ہے ۔

جب ہم بیدار ہوتے ہیں ۔ اور ہمارے حواس درست ہوتے ہیں تو ہم بہت کچھ کرتے ہیں ۔ بہت کچھ دیکھتے ہیں اور بہت کچھ سنتے ہیں ۔ اس میں تھوڑا سا ہم کو یاد رہتا ہے ۔ اور اکثر حصہ "لاشعوری" میں جاتا ہے ۔ جس کے معنی دوسرے لفظوں میں بھول جانا اور دھیان نہ رہنا ہے ۔ جو کچھ ہم بھول جاتے ہیں وہ سارا اس کالے نقطے میں موجود رہتا ہے ۔ جب ہمارے حواس نیند یا بے ہوشی میں یا مستی اور مدہوشی میں آرام کرتے ہیں اور ہم کو نہ اپنی خبر رہتی ہے اور نہ دنیا کی تو یہ خفتہ شعور (جس کو نفسیات کے عالم "لاشعوری" کہتے ہیں) بیدار ہوتا ہے ۔ ہم خواب دیکھتے ہیں ۔ ہم بڑبڑاتے ہیں ۔ اور کبھی کبھی ہم وہ باتیں کہتے ہیں جن کو ہم ہوشیاری میں کسی سے

نہیں کہنا چاہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ اسی "سیاہ نقطے" کی کارروائی ہے۔ اور یہ کالا داغ دِل کا دل ہے۔ جس سے کچھ بھی مٹتا نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں عشق کا خیال بیٹھ گیا۔ پھر یہ خیال مٹنا ناممکن اور محال ہے۔ اور اس شخص کی جان اس کا دل اس کی ہستی سب کچھ اسی خیال میں ختم ہو جاتا ہے

نیکنامی بایدت پیرامن ایں در مگرد۔
ہر کہ روی مہ بہ گِل پوشد سبک رسوا شود

پیرامن۔ پیرامون = آس پاس۔ اردگرد۔ گردونواح۔ مگرد = مت چکر لگاؤ۔ مت پھرو۔ مہ۔ ماہ = چاند۔ گِل = کیچڑ۔ مٹی۔ سبک = ہلکا۔ بے وقار۔ جلد اور تیز۔ چست وچالاک۔

(اگر تم) نیک نامی چاہتے ہو (تو) اس دروازے کے اردگرد چکر مت لگاؤ (مت پھرو) (کیونکہ) جو کوئی چاند کے منہ کو کیچڑ سے چھپائیگا (وہ) جلد ہی رسوا (ذلیل) ہو جائیگا۔

عشق کی مثال نورانی چاند کی مثال ہے جس کی روشنی کو چھپانا ممکن نہیں۔ عاشق عشق کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے لیکن عشق چھپ نہیں سکتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے۔ جو چاند کو کیچڑ پھینک پھینک کر چھپانا چاہیگا اور یہ کام کرنے بیٹھے گا۔ لوگ اس کو رسوا اور شرمندہ کرینگے۔ دیوانہ احمق اور پاگل کہینگے۔ اسواسطے اگر دنیاوی نیکنامی چاہتے ہو۔ تو پھر عشق ورزی کا نام تک نہ لو۔

آبحیواں بایدت در ظلمت نابود شو۔
آنکہ چشم از خود بپوشد چوں خضر بینا شود

آبحیوان = آبحیات۔ آب بقا۔ امرت۔ وہ پانی جس کے پینے سے دائمی زندگی ملتی ہے۔ نابود = نہونا = عدم۔

خضر = ایک پیغمبر کا نام ہے مسلمانوں میں بہت مشہور ہیں۔ توراۃ میں "خضر" نام کا کوئی اسرائیلی پیغمبر نہیں۔ کہتے ہیں کہ جہاں سے یہ پیغمبر چلتے ہیں وہاں سبزی اور شادابی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی "خضر" نام سے کسی پیغمبر کا ذکر نہیں۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور خدا کے ایک خاص بندے کی ملاقات کا ذکر ہے۔ جب نبی اکرم ؐ سے اس بندے کے نام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے "خضر" فرمایا۔ بہت سے لوگ انہیں پیغمبر نہیں

مانتے ہیں۔ خدا کا خاص بندہ "ولی" صاحبدل اور خدا دیدہ مانتے ہیں۔ لیکن قرآنی عبارت کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ خاص بندہ بھی پیغمبر ہی ہے صاحب وحی ہے۔ کیونکہ موسیٰؑ سے کہتے ہیں۔ "یہ کام میں نے حکم خدا سے کئے" براہ راست یا بالواسطہ جس پر خدا کا حکم نازل ہو۔ تو وہ پیغمبر ہے۔ یہ ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خاص بندگان خدا کا درجہ اولوالعزم مرسلوں سے اونچا ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کی ملاقات اس خاص بندے سے بطور شہادت پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ یہ کام میں نے وحی الٰہی سے کئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت خضرؑ کو پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں۔

توراۃ میں "یرمیاہ" عربی ارمیا کا ایک بہت بڑا باب ہے۔ خداوند کا کلام جو اس پر نازل ہوا ہے۔ اس میں خداوند یرمیاہ کو کہتے ہیں۔ دیکھ آج کے دن میں نے تجھے قوموں اور سلطنتوں پر مقرر کیا کہ اکھاڑے اور ڈھائے۔ ہلاک کرے اور گرائے۔ تعمیر کرے اور لگائے" موسیٰؑ سے جو خاص بندہ ملا وہ یہ کام کرسکتا تھا۔ مشہور ہے کہ حضرت خضرؑ نے آبحیات پیا ہے۔ اس آبحیات کے حقیقی معنی سالکوں کے پاس "شراب معرفت" ہے۔ لیکن کہانی یوں مشہور ہے۔ کہ دنیا کا ایک حصہ ہے۔ جہاں سورج کبھی نہیں چمکتا ہے۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ لوگوں نے اس کا نام "ظلمات" رکھا ہے۔ اور "آبحیات کا چشمہ" اسی ظلمات میں ہے۔ سکندر نے جب ساری دنیا فتح کی تو اس کو کہا گیا کہ اب دنیا کا صرف ایک حصہ فتح کرنا باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ ظلمات ہے جس میں آبحیات کا چشمہ ہے۔ سکندر نے اس ملک کے رہبروں اور رہنماؤں کی تلاش کی اور حضرت خضرؑ نے راستہ دکھانے کی ذمہ داری لی۔ سکندر ظلمات کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچنے پر اس کو معلوم ہوا کہ یہ علاقہ ویران ہے۔ اور آبحیات کی جستجو شروع ہوئی۔ آبحیات کا چشمہ کسی کو نہ ملا۔ حضرت خضرؑ اچانک چشمے پر پہنچے۔ پانی پیا۔ ہاتھ منہ دھویا۔ کچھ پانی سکندر کے واسطے کوزے میں بھر کر لایا۔ کچھ دور چلکر خضرؑ کو اندھیرے میں ٹھوکر لگی کوزہ ہاتھ سے گرا پانی بہہ گیا۔ حضرت خضرؑ واپس مڑے تاکہ پھر کوزہ بھر کر لائے۔ بہت کوشش اور دیکھ بھال کی چشمہ نظر نہ آیا۔ نا امید ہو کر واپس آئے۔ سکندر کو واقعہ سنایا۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبحیواں تشنہ مے آرد سکندر را۔

اگر آبحیات چاہتے ہو تو نابود (نہ ہونے) کی تاریکی (اندھیرے) میں چلے جاؤ (کیونکہ) جو کوئی اپنے آپ سے آنکھیں چھپائے (بند کرے) وہ خضر کی طرح بینا (دیکھنے والا) ہوجائیگا۔
معرفت کی شراب پینا اگر چاہتے ہو تو اپنی پوری نفی کرو۔ "میں کچھ نہوں" یہ میں کچھ نہوں زبانی نہو عملی ہو۔ اس پر عمل کرنا ظلمات میں جانا ہے۔ اپنے آپکو گمنام بنا ہے جسطرح ظلمات میں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے۔ اسیطرح سے دنیا سے آنکھیں بند کرنی ہیں اور کسی چیز کو لالچ اور طمع کی آنکھوں سے نہیں دیکھنا ہے۔ یہ "نابود" کی حالت ہے۔ نہ دنیا ہے اور نہ دنیا میں کچھ ہے۔
جب یہ حالت رونما ہوگی تو آبحیات (آب بقا۔ شربت لقا) کا چشمہ نظر آئیگا۔ اور آبحیات پی کر دل کی بینائی کام کرنے لگیگی۔ اور تم خضر کیطرح "بینا" ہوجاؤ گے۔ حضرت خضرؑ کی بینائی یہ ہے کہ اسرار اور پوشیدہ باتیں اُس پر عیاں ہیں۔ جیسا کہ موسیٰؑ اور بندہ خاص کی ملاقات سے واضح ہوتا ہے۔ حضرت خضرؑ کے بارے میں نہ صرف مشہور ہے۔ بلکہ بزرگوں کے یہاں ہیں کہ وہ دوستانِ خدا سے ملتے ہیں ان کی تربیت کرتے ہیں۔

حل نگردد ہرگز این معنی ترا تا با خودی!
چوں ز خود فانی شوی این مشکلت حلوا شود

(خضرؑ کی طرح بینا ہونے کا) یہ سوال و مسئلہ تم سے اُس وقت تک حل نہو گا جب تک تم اپنے آپکے ساتھ ہو۔ جب خود فنا ہوجاؤ گے۔ (تو) یہ مشکل (مسئلہ) تم پر آسان ہو جائیگی۔
سوال کو حل کرنا اُس کی اصلیت اور حقیقت کو کھولنا ہے۔ پیچیدگیوں کو دور کرنا ہے۔ سوال کے ہر جز ہر حصّے کو الگ الگ کر کے سوال کو فنا کرنا کہتے ہیں اور تجزّی سے درست جواب نکالا جاتا ہے۔ اسیطرح جب تک انسان اپنی پیچیدگیوں کو ایک ایک کر کے نہیں کھولیگا۔ اور اپنی خودی اور "من ہستم" (میں ہوں) کے خیال کو جڑ سے اُکھیڑ کر نہیں پھینکے گا تب تک اُسپر "بینا" ہونے کا مسئلہ حل نہ ہو گا۔
مشکل سوال حل ہونے کے بعد حلوا (میٹھا نرم کھانا جو آٹے یا سوجی گھی اور کھانڈ سے بنتا ہے) بنتا ہے۔ جو چبانے کے بغیر ہی حلق سے اُتر جاتا ہے۔

آب چون از ابر افتد قطرہ خوانندش ہمہ
چون بہ بحر اندا خت خود را نام او دریا شود

پانی جب بادل سے گرتا ہے تو سارے اس کو قطرہ (بوند) کہتے ہیں۔ جب (یہ قطرہ) اپنے آپ کو سمندر میں ڈالتا ہے تو اس کا نام سمندر ہو جاتا ہے۔ چھوٹی ہستی جب بڑی ہستی میں مل جاتی ہے تو وہ بڑی ہستی ہی بن جاتی ہے۔ آدمی جو ایک قطرہ ہے۔ جب اپنے آپکو وحدت کے محیط میں ملاتا ہے۔ تو یہ بھی محیط ہی ہو جاتا ہے۔

مردانِ خدا خدا نہ ہستند۔ لیکن ز خدا جدا نہ ہستند۔

ور صدف او را بلطف خویشش گیرد در کنار
بیگمان از یمنِ ذاتش دُرِّ بے ہمتا شود

صدف = سیپی۔ موتیا جانور۔ جس کے پیٹ میں موتی بنتا ہے۔
لُطف = مہربانی۔ کنار = گود۔ آغوش۔ بغل۔
یُمن = فیض۔ برکت۔ دُرّ = موتی۔ بے ہمتا = لاثانی۔ بے نظیر۔

اگر سیپی اس (قطرہ) کو اپنی مہربانی سے گود میں پکڑیگا۔ بغیر کسی شک کے (یہ قطرہ) اس (سیپی) کی ذات کی فیض برکت سے لاثانی موتی بن جائیگا۔

اگر اس انسان کو اس طالب مولا کو عنایتِ خداوندی شامل حال ہو۔ تو اس خدا کی مہربانی کی برکت سے اس کا درجہ اور مرتبہ بہت اعلیٰ ہو جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری کوشش کے ساتھ فضل الٰہی شامل حال ہونے کی ضرورت ہے۔ وہاں ہی سے عنایت اور مہربانی ہو تو کام بنتا ہے۔

گشتہ از غوغائے حسنش عالمے پُر شور و شر
ہر کجا زد خیمہ ایں دولت یقیں غوغا شود

غوغا = شور۔ بھیڑ بھاڑ۔ دولت = سلطنت۔ حکومت۔

اس کے حُسن کے شہرہ سے ایک عالم شور شر سے بھر گیا ہے۔ سچ مچ (یقیناً) جہاں کہیں یہ (حُسن کی) حکومت خیمہ لگاتی ہے وہاں شور و شر برپا ہو جاتا ہے۔

ساری دنیا اس کے حُسن ہی سے پُر ہے۔ تو ساری دنیا میں شور و شر برپا کیوں نہو۔
آسمان و زمین اُسی کے نور سے بنے ہیں اور بھرے ہیں۔ تو شور و شر لازمی ہے۔

تا کے ایں آتش بخس پوشی علائی از نظر
کاخر از خس پوش نگردد ایں شرر پیدا شود

خس = گھاس پھوس کے تنکے ۔ شرر = آگ کی چنگاری

اے علائی کب تک اس (عشق کے) آگ کو گھاس پھوس (کوڑا کرکٹ) سے چھپاؤ گے۔ (کیونکہ) آخر کار اس کوڑ کرکٹ (ادنیٰ خیالات) سے چھپائی ہوئی فکر (سوزش بجاد) سے یہ (عشق کی) چنگاری ظاہر ہو گی۔

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔ میں عشق الٰہی کی آگ کو دنیاوی خیالات اور تفکرات سے چھپانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تاکہ غلبۂ استغراق میں راز نہانی ظاہر نہ ہو۔ لیکن مجھے نظر نہیں آتا ہے۔ کہ یہ عشق کی آگ بجھ جائے۔ بلکہ خطرہ یہ ہے۔ کہ یہ آگ میرے تمام دنیاوی خیالات کو لگ نہ جائے اور مجھے ایسا ہی دکھائی دیتا ہے۔ کہ آخر میں ایک نہ ایک وقت ایسا ہی ہو گا۔

غزل نمبر ۱۳

دوش دل در غم او میزد با جان رائے
کہ ترا در سر این سود نشد سودائے

دوش = کل ۔ گذری ہوئی رات ۔ رای = صلاح ۔ مشورہ ۔ تجویز ۔
سر = فکر و خیال ۔ وہم و گمان ۔ موافق ۔ سود = نفع ۔ فایدہ ۔

کل رات دل اس کے غم میں جان کے ساتھ صلاح مشورہ کرتا تھا۔ کہ تم کو اس فایدہ کے خیال میں کوئی سودا نہ ہوا۔ (قیمت طے نہ ہوا۔ لین دین نہ ہوا۔)

جان نے محبت کا سودا کیا۔ اور دل کو بطور قیمت دیدیا۔ اس خیال سے کہ محبت کے عوض میں محبت ملیگی اور معشوق بھی دل دیگا تو یہ نفع رہیگا۔ (محبت کے بدلے محبت ملیگی اور پھر معشوق بھی ملیگا)۔ لیکن اس خیال کی بنا پر کہ معشوق بطور نفع ملیگا قیمت کا فیصلہ ہی نہ ہوا۔ اب بیچارہ دل جو زرِ قیمت کے طور پر دیا گیا تھا۔ معشوق کا غلام بنا۔ غلام کی حالت ہمیشہ غم کی حالت ہوتی ہے۔ سودا تو جان نے کیا اس سودا کے غم کا بوجھ دل پر پڑا۔ اور دل جان کے ساتھ مشورہ کرتا تھا۔ دیکھو تم نے کتنی غلطی کی نفع کی بات ہی نہیں (معشوق ملنے کی تو بات ہی نہیں) سودا بھی نہ ہوا۔ یہی عشقبازی کا سودا ہے۔ نفع کی تو بات کیا اصل زر بھی واپس نہیں ملتا ہے۔ اور غم کا باعث یہی بات ہے۔

گفتمش ملک سلیمان بگدائے نرسد
تاج رفعت نکشد جز سر رد شن رائے

سلیمان = مشہور پیغمبر ہے۔ جس کے فرمانبردار انسانوں کے علاوہ جن۔ دیو۔ پری۔ پرند۔ چرند ہوا وغیرہ تھے۔ ہوا کو حکم دیتا تھا۔ ہوا اس کے تخت کو ایک ملک سے دوسرے میں لیجاتی تھی۔ رفعت = بلندی۔ بزرگی۔

میں اس (دل) کو حضرت سلیمانؑ کا ملک بھکاری کو نہیں ملتا ہے۔ اور روشن عقل والے کے بغیر بزرگی کے تاج کا سزاوار کوئی سر نہیں۔ ملک سلیمان (یا باطنی بادشاہت) گھر گھر بھیک مانگنے والوں کو ملتی نہیں وہ بادشاہت جس کے ملنے پر کائینات فرمانبردار بنے معمولی بادشاہت نہیں۔ سچے عاشق کے سامنے اگر ایک طرف کل کائینات کی حکومت اور دولت پیش کی جائے۔ دوسری طرف معشوق اور اُس سے کہا جائے دو میں سے ایک کو منتخب کرو۔ تو وہ غربت۔ ذلت۔ مسکنت۔ لاچاری۔ بےکسی اور بےبسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے معشوق کو منتخب کریگا۔ اور تمام دنیا کی دولت اور عیش عشرت پر ترجیح دیگا۔ اور یہی روشن رائے ہے۔ کہ آدمی فانی اور لافانی کے انتخاب کرنے میں تدبر سے کام لے۔ اور یہی روشن رائے ہے اور انہیں سر پر بزرگی کا تاج کہ تاجدار بادشاہ ان کے پاؤں کی مٹی کو برکت کے لئے تاجوں پر رکھتے ہیں۔

دولتِ جم کہ سلاطینِ جہاں پےَ نبرند
کے بخیالش رسد آخر چو من شیدائے

دولت = حکومت۔ بادشاہت۔ مال و جائداد خزانے۔

جم = مخفف جمشید کا = ایران کا ایک بڑا مشہور بادشاہ۔ ایرانیوں کا سلیمان۔ اس کے پاس شراب پینے کا ایک جام تھا۔ جس کو "جام جہاں نما" کہتے تھے۔ جب اس میں شراب ڈالتے تھے تو اسمیں سے دنیا کا سارا حال دکھائی دیتا تھا۔ دنیا کی دولت۔ مخفی خزانے۔ حالات جو پیش آنے والے تھے سب نظر آتا تھا۔ اور یہ بھی مشہور ہے۔ کہ اس کے پاس بے اندازہ دولت تھی۔ صوفیائے کرام سالک "جم" سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دولت جم سے محمدؐ کی باطنی حکومت مراد لیتے ہیں۔

جمشید (بڑے بادشاہ۔ مالک الملک) کی وہ دولت جس کا سراغ اور جس کا پتہ دنیا کے بادشاہ نہیں پاسکتے ہیں۔ کب میرے جیسے ایک دیوانہ۔ فریفتہ (شیدا) کے خیال میں (وہ) آسکتی ہے۔

حکومت خداوندی وہ حکومت ہے اور اتنی بڑی حکومت ہے کہ کسی کا خیال اس کا اندازہ نہیں کرسکتا ہے۔ اور اسی حکومت کا چلانے والا "اللہ اکبر" ہے۔ اللہ اکبر کا تفصیلی مقابلہ

"شرک" ہے - اور یہ اس کے یہ معنی نہیں کہ "اللہ" مقابلے کے طور پر سب سے بڑا ہے - بلکہ یہ ہے کہ اللہ کی بڑائی اور ذات وہ ہے - جو خیال میں نہیں آسکتی ہے - خیال کی رسائی وہاں تک نہیں - اور دنیا کے بادشاہ جو لوگوں کی نظر میں بڑے ہوتے ہیں اس باطنی دولت کا پتہ نہیں پاسکتے ہیں -

سیرِ عنقائے جلالش کہ نگنجد بدو کون
طمعِ جلوہ او بیں تو زہر بیجائے

عنقا = ایک موہوم مبارک پرندہ - جس کا سایہ دولت اور سلطنت بخشا ہے -
جلال = بزرگی - رعب و داب - جلال میں قہاری اور جباری کی صفت سے "جمال" میں عفو اور رحیمی کی - دو کون = دو دنیا - جلوہ = نمودار ہونا - دیدار دینا - اپنے آپ کو ظاہر کرنا - بیجا = وہ شخص جس کی کوئی جگہ نہو - ٹھکانہ نہو - آوارہ - نامعقول -

جس کے جلال کے ہما (راج ہنس) کی سیر (پرواز) دو دنیا میں سما نہیں سکتی ہے - تم دیکھو کہ ہر ایک آوارہ اور نامعقول کو اُسے دیکھنے کا لالچ ہے - خدا کا کوئی خاص مکان نہیں اور نہ وہ کسی خاص مقام پر ٹھہرا ہوا ہے - اور نہ کسی خاص جگہ پر ٹھہرتا ہے - اس کی سیر ہر جگہ ہے - نظر آنے والی دنیا میں بھی اور نظر نہ آنے والی غیب کی دنیا میں بھی اور ان دو دنیاؤں سے آگے بھی - اور ایسی حالت میں اس کا دیدار کوئی دیکھے تو کہاں دیکھے - باوجود یہ حالت ہونے کے اس کے جلوہ (دیدار) کی طمع ہر نامعقول آوارہ گرد بھی رکھتا ہے - کیا یہ عجیب بات نہیں! دیدار اور جلوہ کو دیکھنا کوشش سے نہیں - اگر عنقائے جلال کا گذر ہو تو لمحہ بھر کے لئے تھوڑی سی جھلک ممکن ہے - ورنہ نہیں -

سخن دوست در یں کوی کسے را زیبد
کہ بغیر از غمِ یادش بنود پروائے

اس کوچے میں یار کی بات بتانا اسی کو پھبتی (زیبایش دیتی) ہے جس کو اس کی یاد کے غم کے بغیر کوئی پروا (خوف) نہو - لوگ اس کے کوچے میں بیٹھکر قصہ خوانیاں کرتے ہیں - اور دوست کی باتیں سنانے بیٹھتے ہیں ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے یہ کرنا ان کی زیبایش اور رونق نہیں بڑھاتے - اُس کی بات بتانا اس عاشق کی شان کے شایاں ہے جس کو اس کی یاد کے غم کے سوا اور کسی چیز کی پروا نہو -

اکثر لوگ جب سلوک کی تربیت پاتے ہیں اور سالک اور راہ مولا کے طالب بنتے ہیں۔ تو دوست کی باتیں سنانے لگتے ہیں۔ ابھی ان کے دلوں میں اس کی یاد کے غم نے جگہ بھی نہیں بنائی ہوتی ہے۔ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔ ان کو یہ کرنا زیب نہیں۔

قطرۂ بے سروپا را زکجا آن مقدار
کہ درونِ دل خود جائے کند دریائے

بے سروپا = حیران پریشان۔ جس کا ٹھکانہ ہی نہیں۔ (نہ سر ہے نہ پاؤں ہے)۔
مقدار = قدر۔ جسامت۔

بے مقدار حقیر اور ناچیز قطرے کو جس کا نہ سر ہے نہ پاؤں۔ وہ جسامت (بڑائی) کہاں ہے کہ اپنے دل میں سمندر کو جگہ بنائے۔

قطرہ دریائے محیط (سمندر) کو دل میں جگہ بنانا چاہتا ہے۔ خود قطرہ کی حالت یہ ہے۔ نہ اس کا سر ہے اور نہ پاؤں اور پھر اس کی چھوٹائی اس پر طرہ ہے۔ اس حالت اور حیثیت سے واقف ہو کر سمندر کو دل میں جگہ بنانا چاہتا ہے۔ خدا را بتائیے یہ اس کی آرزو اور تمنا کسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے۔

تو خدای بے مثل بے چگوں بے پایاں بڑائی والا ایک چھوٹے سے دل میں سما سکتا ہے؟ اور اس کو دل میں جگہ بنانے کی خواہش ایسی ہے جیسے کہ قطرہ سمندر کو دل میں جگہ بنانا چاہتا ہے۔ تمام لوگوں کا خیال اور عقیدہ ہے۔ کہ دل خدا کا تخت ہے۔ خدا دل میں رہتا ہے خدا دل میں سما سکتا ہے۔ دل میں جگہ بنا سکتا ہے۔ لیکن قدس اللہ سرہٗ نے جو مثال قطرے کے دل کی اور سمندر کی پیش کی ہے۔ عدیم المثال ہے۔ قطرہ کتنا چھوٹا! اس کا دل کتنا چھوٹا ہو گا! آرزو کتنی بڑی اور سمندر کتنا بڑا! انسان اپنی ہستی پھر اپنے دل کی بڑائی کا اندازہ لگائے پھر خدا کی عظمت اور بڑائی پر غور کرے نتیجہ پر پہنچنے کے بعد دعویٰ کرے اگر اس کو تجربہ نے اس دعویٰ کا حقدار بنایا ہو۔

شرح درد دلِ خود کردے اربا فتمے
در ہمہ عمر دمے ردی جہاں آرائے

میں دل کے دکھ (دِل کی بیماری عشق) کی شرح (کھول کر بیان) کرتا اگر ساری عمر میں

ایک ہی لمحے کے لئے دنیا کو آراستہ اور سہانے والا چہرہ پاتا (دنیا کو رونق بخشنے والے منہ کا دیدار ہوجاتا)

عشق پیدا ہونے کا سبب چہرہ (روی) کی خوبصورتی ہے حسن عام طور پر روی کا حُسن ہی فریفتہ بناتا ہے۔ یعنی روی عشق کا سبب ہے اور عشق "دردِ دل" باعث ہے۔ علت معلول کے اصول کے مطابق سبب اور نتیجہ کی تشریح اس وقت ممکن ہے جب دونوں باتوں کی واقفیت ہو۔ دردِ دل معلوم ہے۔ اس کا سبب عشق بھی معلوم ہے۔ لیکن عشق کا سبب جو "روی" ہے۔ وہ روی معلوم نہیں۔ اسواسطے دردِ دل کی شرح پوری طور سے اسی وقت ممکن ہے۔ جب روی کی واقفیت ہوجائے۔ قدس اللہ سرہٗ۔ فرماتے ہیں۔ اس خوبصورت حسین چہرہ کو میں نے ابھی پایا (دیکھا) نہیں۔ اسواسطے میں دردِ دل (عشق) کی شرح بیان نہیں کرسکتا ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک شخص چل رہا ہے۔ ٹھوکر کھانے۔ چکرانے کسی کا دھکا کھانے وغیرہ کے بغیر ہی گر جاتا ہے۔ زخمی ہوتا چوٹیں آتی ہیں۔ درد سے کراہتا ہے۔ جب ہم اس سے گرنے کا سبب پوچھتے ہیں تو نہیں بتا سکتا ہے۔ بتائے بھی کیا۔ وہ درد کو زخمی ہونے کو گرنے کا نتیجہ تو بتا سکتا ہے لیکن گرنے کے سبب کو بیان کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ جب اس سے سوال کرتے ہیں۔ گرنے کا سبب کیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے۔ خبر نہیں۔

از خط و خال تو ہر بیخبرے راچہ خبر
بہ سُہا رہ نبرد دیدہ ہر بینائے۔

سُہا = بنات النعش کے سات ستاروں میں ایک چھوٹا سا باریک ستارہ ہے۔ یہ ستارہ تیز نظر والوں کو بھی مشکل ہی سے دکھائی دیتا ہے۔

تمہارے خط و خال سے ہر بے خبر (انجان) کو کیا خبر ہے۔ کیونکہ ستارہ سُہا کیطرف ہر بینا کو راستہ نہیں ملتا ہے۔

علم نجوم (ستاروں کا علم) کے محققوں نے سیاروں اور ستاروں کا مشاہدہ اور معاینہ کرنے پر انکے نام رکھے۔ انکی رفتار۔ طلوع و غروب جسامت اور ایک دوسرے سے دوری کو دریافت کیا۔ ان کی آپسمیں کشش اور ان کے اثرات معلوم کرکے قلمبند کئے۔

شاعر بھی اجرام فلکی کو پس پشت ڈال نہ سکے۔ معشوق کی تعریف میں رخ و زلف چشم و بینی

دہان و گوش - قد و قامت اور خط و خال کو اجرام فلکی کے ساتھ تشبیہ دینے لگے - صوفیائے کرام جو سماع سے وہ حاصل کرنا چاہتے تھے جو اوراد و وظایف اور دعاؤں سے بمشکل حاصل ہوتا رخ و زلف - دہان چشم - قد و قامت خط و خال ہیں وہ معانی بھر گئے جنکا واسطہ سلوک اور زندی کے ساتھ ہے - "رخ" سے مظہر لطف الہٰی مراد لیتے ہیں - "خط" سے حجاب کبریائی - عرفان کے آبحیات کے چشمے کا کنارہ - "خال" سے دور محیط کا مرکز اصل وحدت کا نقطہ جسمیں کثرت کو دخل نہیں - حالانکہ دور محیط تک جتنے خطوط کثرت کے نکلتے ہیں اسی سے نکلتے ہیں -

بنات النعش کے چہرے میں "سُہا" خال ہے - جو خال نقطہ وحدت ہے - سہا کو دیکھنا ہر بینا آنکھ کا نام نہیں - دوربین اور تیز نظر چاہئے - تب کہیں بہت کوشش کے بعد اگر سُہا نظر آیا تو آیا - ورنہ آنکھیں ہی دیکھ دیکھکر تھک جاتی ہیں - "خال" نقطہ وحدت کو دریافت کرنا ہر ایک کا کام نہیں - "چشم بینا" دل کی آنکھ ہے جو اس نقطۂ وحدت (خال) کو دیکھ سکتی ہے - یہ باتیں اُن صاحبدلوں سے قارئین کرام کو دریافت ہو سکتی ہیں جو "سماع" کو "زنغمہ تا خدا یک کوچہ راہ است" کے قایل ہیں یہاں طوالت کے باعث اختصار سے کام لیا گیا - جس کوتاہی کے لئے یہ فقیر معافی کا خواستگار ہے

لافِ عشقش مزن امروز علائی بزبان
چوں یقیں از پس امروز بود فردائے

لاف زدن = شیخی بگھارنا - ڈینگ مارنا - فخر کرنا -

یقین = کسی بات کے بارے میں دل و دماغ کی وہ حالت جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے -

علائیؔ آج کے دن زبان (باتوں) سے اس کے عشق کے متعلق شیخی مت بگھار (فخر نہ کر) کیونکہ تم کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ آج کے پیچھے (بعد) کل (آنے والا دن) ضرور ہے -

شیخی بگھارنا اور فخر کرنا اس شخص کو زیبا ہے جو کام کو پورا کرے - کام اور محنت کا نتیجہ بر آمد ہونے سے پہلے ہی ڈینگ مارنا کہ میں نے یہ کام کیا ہے درست نہیں - یہ زبانی جمع خرچ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں - فرماتے ہیں عشق کے کام کو استقلال اور ثابت قدمی سے سرانجام دیا ہے - آج تو تم شیخی بگھارتے ہو مجھے اس کا عشق ہے - لیکن کیا تم کو اس بات سے انکار ہے کہ کل ضرور آنے والا ہے - اور نہ معلوم کل تک کیا حالات رونما ہونگے اور تمہارے عشق میں کوئی خلل واقع نہ ہو جائے - تمہارا عشق - ناقص عشق اور زبانی عشق ہی نہ رہے - اسواسطے بہتر یہی ہے - کہ تم عشق اور اس کا

عاشق ہونے کا لاف ہی مت دید د- لاف زنی نہ کرو- کہ میں اس کا عاشق ہوں-

غزل نمبر ۱۴

خوش آن سرے کہ بود ذوقِ سیرہا دیدہ
بچشم دل رخ اسرارِ آن سرا دیدہ

ذوق = شوق- لذّت- اسرار = سر کی جمع = راز- بھید- پوشیدہ باتیں-
سرا = محل- مکاں- کاروان سرا-

کیا ہی خوش اور کیا ہی تر و تازہ ہے وہ سر جس نے سیروں کے لذّت کو دیکھا (چکھا) ہے- اور دل کی آنکھوں سے اُس (خدا کے) گھر کے بھیدوں کے مُنہ (چہرہ) کو دیکھا ہے-

طالبان مولا- سالکوں کو راہِ مولا میں سفر کرنے پر منازل طے کرنے ہوتے ہیں سیر ناسوت جسموں کے عالم کی سیر- سیر ملکوت فرشتوں اور عالم ارواح کی سیر- یہ بھی اجسام ہی ہیں لیکن لطیف ان کی نشو ونما مادی چیزوں کے استعمال پر منحصر نہیں ان کی حیات اور ممات کا طریقہ عالم ناسوت سے مختلف ہے- یہ زندہ ہیں اور مرتے نہیں ان کی موت تبدیل ہیئت ہے- جسم سے جُدائی نہیں عجیب زندگی ہے- عجیب عالم ہے- سیر جبروت صفات الٰہی کی عظمت وجلال- مرتبۂ وحدت کے نظارے کیونکہ یہ صفات کی سیر ہے اسواسطے یہ حقیقت محمدی کی سیر ہے- لاہوت کی سیر- ذاتِ الٰہی میں فانی ہوکر "اللّٰہ" حاصل کرنے کی سیر- لاھُوَ الاّھُوَ (وہ نہیں ہے مگر وہی ہے) نفی و اثبات کا انتہائی درجہ نفی کامل کے بعد اثباتِ کامل- خدا کی بھی "نفی" پھر اثبات اقرار- لاہوت "لاہ سے بنا ہے اور "اللّٰہ" کا اصل لفظ ہے- شاید یہ "لیہ" سے ماخوذ ہے- جس کے معنی ہیں اپنے آپکو چھپانا اور پردہ میں جانا- اسرار الٰہی کے رُخ کو دِل ہی کی آنکھیں دیکھتی ہیں- ظاہری آنکھوں میں یہ نور اور یہ طاقت نہیں- دل کی آنکھوں کی بینائی کی برکت سے اس کے ابتدائی مرحلے- کشف القلوب دُوسروں کے دلوں کے خیالات سے پردہ اٹھانا اور دیکھنا- بہت سے لوگ ہمارے بیان کرنے کے بغیر ہی اُدھر ہی سے ہمکو ہمارا حال ہماری حاجتیں بتاتے ہیں- کشف قبور مردوں کے حالات سے آگاہی پانا- وغیرہ اس کے بلند مرحلے ہیں- کشفِ عالم تمام کائنات کا علم ہو جانا- شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللّٰہ عنہ و رضاہ عنّا کی طرف ایک قصیدہ منسوب ہے- اس میں ایک جگہ شیخ رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں:- "میں نے ملک خدا پر (ساری کائنات پر) اس طرح سے نظر ڈالی جسطرح ہاتھ کی ہتھیلی پر کے رائی کے دانے پر

نظر ڈالتے ہیں" یعنی میں نے کائنات کو اور کائنات کے حالات کو اسطرح دیکھا اور معلوم کیا ہے جسطرح ایک آدمی رائی کے دانے کو ہاتھ کی ہتھیلی میں آسانی سے اور اچھی طرح سے دیکھ سکتا ہے اور اس کا حال معلوم کر سکتا ہے۔ پھر اس سے آگے کے اسرار (بھید) ہیں ان کا دیکھنا اور ان کا حال معلوم ہونا۔ کسقدر خوشی کی بات ہے۔ کیا یہ سرخوش نہ ہوگا۔ کیا یہ دل فرحاں نہ ہوگا۔ اور دل کی یہ آنکھیں کتنی منور اور بینا ہونگی جن میں یہ طاقت ہے۔

ہماری حد نظر سے جو چیز دور ہے اس کو ہم "دوربین" سے دیکھ سکتے ہیں۔ طاقتور سے طاقتور دوربین لاکھوں کروڑوں میلوں کے فاصلے پر کی چیزیں دکھا سکتی ہے۔ لیکن یہ دوربین بھی آنے والے حالات یا گذرے ہوئے حالات دکھانے سے معذور ہے۔ اور یہ صرف "دل کی بینا آنکھیں ہیں" جن میں یہ طاقت ہے۔ کہ مادی اور غیر مادی دونوں قسم کی چیزوں کو دیکھتی ہے۔ اگر یقین نہیں تو دل کی آنکھوں میں بینائی پیدا کرو تاکہ تم بذات خود یقین کروگے کہ یہ بالکل سچ ہے۔

ز روزنِ دل خود گوش کردہ رازِ ازل
وزاں دریچہ یقیں سرِّ ماجرا دیدہ

روزن = کھڑکی۔ روشندان۔ ازل = وہ زمانہ جس کی ابتدا نہیں۔
دریچہ = کھڑکی۔ یقیں = سچ مچ۔ ماجرا = سرگذشت۔ جو کچھ گزرا۔

(کیا خوش ہے وہ سر جس نے) اپنے دِل کے کانوں کی کھڑکی سے ازل کے راز کو سُنا ہے اور اُسی کھڑکی سے سچ مچ (اچھائی سے یقین کے ساتھ) جو کچھ واقع ہوا اس کے سِرّ کو دیکھا ہے۔ (اُس سِرّ کی واقفیت حاصل کی ہے۔)

دل کے کان جب کھلتے ہیں تو الہام الٰہی خیال کے رنگ میں نہیں بلکہ اصلی رنگ میں صاحبِ دل سنتا ہے۔ جو کچھ واقع ہوا ہے یا جو کچھ واقع ہونا ہے۔ اس کی خبر اس کو ملتی ہے۔ اور سِرّ قدیم (جس کو رازِ ازل بھی کہتے ہیں) سے اس کو مطلع کیا جاتا ہے۔ "رازِ ازل" بعضوں کے پاس "ذاتِ الٰہی" کی حقیقت ہے۔ کچھ لوگ "رازِ ازل" سے غرض وغایت خلقت آفاق مراد لیتے ہیں۔ اور "کُنتُ کنزاً مخفیاً فاردت واَن اُعرف فخلقت الخلق" میں پوشیدہ خزانہ تھا۔ (مخفی ذات) تو میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے کائنات پیدا کی اور پیدائش سے

مخاطب ہو کر پُوچھا "اَلَستُ بِرَبِّکُم" سبھوں نے جواب دیا "بلیٰ" اور اس کو پہچانا "عرفان" ہے - کچھ لوگ "بار امانت" کی حقیقت کو راز ازل سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں کا مجموعہ راز دل سے اور اس کو دِل ہی کے کانوں سے سُن سکتے ہیں٭ یعنی ہم آواز سے پہچانتے ہیں کہ کس کی آواز ہے اور دیکھنے کے بغیر بولتے ہیں فلانی ہے - یا آواز سے اندازہ لگاتے ہیں کہ یہ لوہے کی آواز ہے - لکڑی کی آواز ہے - گائے کی آواز ہے - بندوق کی پانی وغیرہ کی -

بر آستانِ وفا ہر دمے ز دشمن و دوست

ہزار محنت و ناکامی و جفا دیدہ

آستان = شاہی ڈیوڑھی - چوکھٹ - جفا = بے وفائی - ظلم -

(کیا خوش وہ سر ہے جس نے) وفاداری کی چوکھٹ پر ہر وقت دشمن اور دوست سے بے شمار محنت تکلیف ناکامیابی اور ظلم دیکھے ہیں - (برداشت کئے ہیں)

مشہور ہے - اشد البلاء علے الانبیا ثم علے الاولیا - سخت آزمائشیں نبیوں پر کی جاتی ہیں پھر ولیوں پر - آزمائش اس لئے ہے - کہ سختیوں سے گھبرا کر دست بردار مت ہو جائے - پائے استقلال میں لغزش مت آئے - لیکن عاشق صادق کب کسی ناکامی - محنت اور ظلم و جفا کی پروا کرتے ہیں - وہ تکلیف - نامرادی اور بے وفائی میں بھی ایک خوشی اور لذت محسوس کرتے ہیں - دُعا کرتے رہتے ہیں کہ غم عشق کم نہ ہو - اور دوست (معشوق) کی ایذا رسانی جاری رہے -

بہر جفا کہ کشیدہ ز روزگار دراز

برائے دوست دراں شیوۂ وفا دیدہ

جفا = ظلم - ستم - بے وفائی - شیوہ = طریقہ - دستور -

(خوش ہے وہ سر جس نے) ہر بے وفائی ظلم و ستم جو (اُس نے) بہت زمانے سے برداشت کئے - اُن میں (بے وفائی جور و جفا میں) وفا کے طریقہ اور طرز عمل کو دیکھا ہے (محسوس کیا ہے) عاشق کو زمانے سے رنگ رنگ اور قسم قسم کی ایذائیں پہنچتی ہیں - پھر معشوق کی جفا لیکن وہ خوش دلی سے سب کچھ برداشت کرتا ہے - ہر جفا میں عاشق کو وفا کا رنگ نظر آتا ہے - عاشق قتل کرنے کو بھی معشوق کی مہربانی تصور کرتا ہے -

٭ ہر ایک چیز کی آواز کانوں سے ہے - دیکھنا جیسے آنکھوں سے ہے - کانوں سے سنتے ہیں

بہر وفا کہ بمُرْدہ بزیرِ تیغِ جفا
ز روی دوست دو صد خلعتِ صفا دید

تیغ = تلوار - خنجر - خلعت = وہ لباس جو بادشاہ عزت کے طور سے دیتے ہیں۔
صفا = پاکیزہ - نورانی۔

جو سِتم اور بے وفا کی تلوار کے نیچے ہر ایک وفا کے (ادا کے لئے) لئے دوست (معشوق - یار) کی طرف سے بے لاگ اور صاف دو سو خلعت (انعام کے) دیکھے ہیں۔

جفا کی تلوار کے نیچے اگر دوست سے کوئی ادا وفا کی سرزد ہوئی - تو عاشق صادق نے ہر اس قسم کے وفاداری کے ادا کو سینکڑوں صاف اور پاکیزہ نور کا خلعت بطور انعام بخشایش میں ملنے کے برابر خیال کیا - اور دوست کیطرف سے جور وجفا اور ظلم وستم جو ہوتا رہا بھول گیا۔

میانِ ظلمتِ امکان وکثرتِ صوری
نسیمِ صبحِ وصال از رہ فنا دید

ظلمت = تاریکی - امکان = ممکن ہونا - طاقت - اختیار - ہو سکے۔
صوری = ظاہری - صورت والی - نسیم = تازہ ٹھنڈی ہوا۔

ممکن ہونے اور ظاہر کی کثرت کی تاریکی میں فنا (نابود) کے راستے سے وصال (یار سے ملنے) کی تازہ ٹھنڈی صبح (امید) کی ہوا دیکھی ہے (محسوس کی ہے)

ہم کہتے ہیں :- یہ کام کرنا میرے امکاں میں ہے یعنی میرے اختیار میں ہے میری طاقت میں ہے - یہ کسی بات کا امکاں میں ہونا صاف ثبوت ہے کہ بات اندھیرے میں ہے - عیاں نہیں - ہو یا نہ ہو دونوں کا اطلاق ہوسکتا ہے - کثرتِ صوری سے مراد شکل پذیر - صورت یافتہ کائنات ہے - صورت یافتہ پیدائش کے اقسام کی تعداد لاکھوں ہے - یہ کثرتِ صوری بھی تاریکی ہے - انسان کثرت پرست - ظاہر پرست اور ممکن پرست ہے - لیکن عاشق باوجود ان باتوں کے اپنے آپکو فنا کرکے معشوق کے وصل کی ٹھنڈی ہوا دیکھتا ہے - تاریکی میں راستہ پانا مشکل ہوتا ہے لیکن فنا کے راستے پر چلنے سے ایک تازہ ہوا آتی ہے اور وصال کی امید دیتی ہے - جیسے نسیم جو آخر شب میں چلتی ہے - صبح ہونے کی پیامبر ہوتی ہے۔

میان آتش شبہائے ہجر ہر دم صبح
ہزار روح صفا از دم صبا دیدہ

فراق اور دوری کی راتوں کی آگ میں ہر صبح کو باد صبا (صبح کی ہوا نسیم) کے دم (پھونک) سے ہزاروں پاک اور صاف روحوں کو دیکھا ہے۔

معشوق سے دور عاشق کی رات "شب ہجر" کہلاتی ہے۔ فراق سے اس کے بدن اور جان میں آتشِ عشق بھڑک اٹھتی ہے۔ اور عاشق اسی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ رات بے خوابی۔ بیداری اور بے تابی میں گذرتی ہے۔ صبح آنے پر امید کی جھلک منہ دکھاتی ہے۔ اور قدرے تسلّی اور تشفی ہوتی ہے۔

سالک جو رات بھر معشوق حقیقی کے ہجر سے گریہ زاری میں ہوتے ہیں۔ صبح کے وقت اِن کی تسلّی اور اطمینان کے لئے ارواح مقدسہ ان کے پاس آتی ہیں۔ صبح بے شک وقت دُعا ہے۔ صبح کی دُعا مستجاب ہے۔ "دمِ صبا" اجابتِ دُعا کیطرف اِشارہ ہے:

چو از رسوم مجازی فنا شدہ کُلّی
درونِ زہر فنا شربت بقا دیدہ

جب ظاہری (مجازی) رسموں سے کلّی (پوری) طور پر فنا ہوتا ہے (تو) فنا کے زہر میں بقا (دائمی زندگی) کا شربت دیکھا ہے۔ (دیکھا ہے)

مذہبی اور رواجی رسوم جن کی پابندی ضروری خیال کی جاتی ہے۔ صوفیائے کرام کے پاس "مجازی رسوم" ہیں۔ جن کا واسطہ حقیقت سے بہت تھوڑا ہے۔ جو لوگ ان رسموں کی پابندی سے آزاد ہو کر "فنا فی اللہ" ہو جاتے ہیں* لیکن باطن میں اور حقیقت میں اِسی فنا کے زہر میں شربت بقا (دائمی حیات کا جام) پاتے ہیں۔

ز جام شوق شدہ مست و شیشہ بشکستہ
میان عربدہ محبوب خوش لِقا دیدہ

عُربدہ = بدخوئی۔ نخرہ۔ لڑائی۔ خوش لقا = خوش دیدار۔ خوبصورت۔

شوق (محبت۔ عشق) کے جام سے مست ہو کر شیشہ (بوتل) کو توڑا ہے اور لڑائی (ناز نخرہ بدخوئی) میں خوش دیدار محبوب (پیارے) کو دیکھا ہے۔ عشق اور محبت (عرفان)

* بظاہر مردہ ہو کر حقیقت میں زندہ رہتے ہیں۔

کے پیالے کو پی کر جب مست ہو گئے تو. تونے (دل) کو توڑ ڈالا (شکستہ دلی پیدا ہو گئی) اور اس توڑ پھوڑ کی لڑائی میں محبوب بھی تماشائی بنکر پہنچا۔ واہ واہ کیا لطف کی بات ہوئی۔ لڑائی ہی میں خوبصورت خوش دیدار یار کا دیدار نصیب ہوا۔

علائی از چہ شدی مست چوں نخوردی مے

ز دیدہ مست شود ہر کسے تو نا دیدہ

علائی جب تو نے شراب ہی نہ پی تو تم کس سے مست ہو گئے۔ ہر کوئی دیکھنے سے مست (عاشق) ہوتا ہے اور تو دیکھنے کے بغیر ہی مست ہو گیا۔

متوالا وہ بنتا ہے جو مے پیتا ہے۔ عاشق وہ بنتا ہے جو معشوق کو دیکھتا ہے۔ علائی تعجب میں اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ تو نے مئی (عرفاں) پی ہی نہیں تو مست کس چیز سے ہوئے ہو۔ متوالا بغیر پینے کے بنا حل طلب مسئلہ ہے۔ دیکھنے کے بغیر عاشق ہونا بھی عجیب بات ہے۔ اس کا جواب جامی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے:۔ نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ؎ بساکیں دولت از گفتار خیزد ؎ عشق صرف دیدار ہی سے حرکت میں نہیں آتا ہے۔ اکثر عشق کی یہ دولت باتوں (سننے) سے ملتی ہے۔

غزل **نمبر ۱۵**

چون جمالش را نظر خورشید تاباں میکند

آفتاب از رشکِ حسنش روی پنہاں میکند

جب روشن چمکدار سورج اس کے جمال پر نظر کرتا ہے۔ تو اس کے حسن کے رشک سے آفتاب مُنہ چھپاتا ہے۔

اس میرے معشوق کا حسن اس درجے کا ہے کہ سورج باوجود اس روشنی اور چمک کے شرمندہ ہوتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ مجھے بھی ایسا ہی حسن ہوتا۔ آفتاب نور اور گرمی کا ایک بڑا کرہ ہے۔ عالم کو روشنی اور گرمی دیتا ہے۔ لیکن تحقیقات سے دریافت ہوا ہے۔ کہ اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔ حسن کامل میں کمی بیشی نہیں۔ اسی حسن کی ایک کرن آفتاب ہے۔ یہ حسن کا درجہ اور حال ہے۔ اور رخ یار کے جمال تعریف ہے۔

تا پریشاں گشت زلفش بر رخ چون آفتاب

باد شوقش ابر جانم را پریشاں میکند

اس کی زلف سورج جیسے رخ (چہرہ) پر جب پھیل کر بکھر جاتی ہے۔ تو اس کے شوق (عشق) کی ہوا میری جان کے بادل کو پریشاں کرتی ہے۔ (تیتر بتر کرتی ہے)
جب گمراہی ظلمت۔ کثرت۔ کفر ضلالت وحدت کے منور چہرے پر بکھیر جاتی ہیں۔ تو میں سوچتا ہوں یہ کیا ہوا۔ جان کی فضا میں شک کے بادل چھا جاتے ہیں لیکن اس کے عشق کی ہوا ان بادلوں کو تتر بتر کر کے اڑا دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق ہی واحد ذریعہ ہے۔ جو شکوک دور کرتا ہے۔ اور زلف یار (کثرت) کی قدر وقیمت دکھاتا ہے۔ زنجیر زلف کا گرفتار روئ تاباں کا حقیقت میں خواستگار ہے۔ زلف گرفتار کا مدعا بھی رخ منور ہی کو دیکھنا ہے۔ یہ زلفِ یار کی تعریف ہے۔

تیرِ عشقش کز کمانِ ابروان گردد رہا
عقل را مے دوزد و قصدِ دل وجان میکند

اس کے عشق کے تیر جو بھوؤں کی کمان سے چھٹتے ہیں۔ عقل کو سی تے ہیں۔ اور دل و جان (پر لگنے کا) ارادہ کرتے ہیں۔ مژہ یا مژگان اور ابرو "مظہر اسم مضل" کی تاویل ہیں۔ کمانِ ابرو سے جو تیر نکلتے ہیں (ظہورات صوری) وہ عقل کو سیتے ہیں۔ یعنی عقل کو بیکار بناتے ہیں۔ ظہورات صوری قدرتِ کاملہ کا وہ مظہر ہیں کہ عقل کے ہونٹ۔ زبان۔ چشم و گوش عشق کے تیروں سے سِئے جاتے ہیں جسطرح ہم کپڑے یا کسی چیز کو سوئی سے سی کر بند کرتے ہیں۔
عقل کو بیکار کرنے کے ساتھ ہی یہ تیر دل اور جان کا ارادہ بھی کرتے ہیں کہ ان پر لگ کر ان کو بھی مجروح کریں۔ وہ محقق جو ظہورات صوری کی تحقیقات میں پابہ زنجیر رہتا ہے۔ اس میں بھی جذبہ (عشق) ہوتا ہے۔ اور وہ جذبہ "تیر عشق" ہے۔ ظہورات صوری کا دلدادہ ہوتا ہے۔ شب و روز اس میں لگا رہتا ہے۔ یہی تیر عشق کا اثر ہے۔ یہ ابروی یار کی تعریف ہے
تیر مژگان۔ ابروی کمان۔ سیاہ ابرو صوری ظہورات اور افعال کے مظہر ہیں "یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا"

نالہائے آتشینم در فراقش ہر سحر
قصدِ احراق حجب بالائے کیواں میکند

احراق = جلانا۔ حجب = حجاب کی جمع۔ پردے۔

کیوان = سیّارۂ زحل - سنیچر - ساتواں آسماں - پرانے منجموں کی تحقیقات سیّارہ زحل تک ہی تھی - وہ اس کو نظام شمسی میں سب سے دور اور سب سے اونچا سیّارہ مانتے تھے - اس سے اوپر عرش اور عرش سے پرے لامکاں = بہت اونچا - بہت دور -

ہر صبح اس کے فراق (جدائی) میں میرے آتشیں (آگ والے گرم) نالے سیّارہ کیواں سے اوپر (لامکاں) کے پردوں کو جلانے کا قصد (ارادہ) کرتے ہیں -

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ خدا اور بندہ (عبد) کے درمیاں ستر ہزار پردے ہیں - بعض کہتے ہیں سات سو پردے ہیں - کچھ تعداد کو ستر بتاتے ہیں - اور آدھے حضرات ساٹھ بیان کرتے ہیں - اور بہتوں کا اعتقاد ہے - کہ کوئی پردہ نہیں - لیکن ہمارے لئے بارگاہ قدس اور ہمارے درمیاں پردے ہیں چاہئے ان کی تعداد کچھ ہی ہو - اور "بارگاہ قدس" پر نظر ڈالنے کے لئے ان پردوں کا اٹھانا یا جلانا ضروری ہے - تاکہ دیکھنے میں رکاوٹ باقی نہ رہے - ان پردوں میں وقت سحر (صبحدم) کے گرم نالے آتشیں آہ و بکا ہی آگ لگا سکتے ہیں - وقت سحر کی گریہ زاری توبہ و استغفار کی طاقت کی تعریف ہے - وقتِ سحر سالکوں کے پاس تجلیات الٰہی کے جلوہ کا وقت ہے - فیضِ الٰہی کا نزول جو وقت قلب پر ہوتا ہے -

چرخ چوں تابِ غمش ناورد زاں رو ہر زماں
جان ما افسوس بر گردونِ گرداں میکند

چرخ = آسماں - تاب = طاقت - برداشت -
گردون = چھکڑا - گردونِ گرداں - چکر مارنے والا آسماں -

آسماں (باوجود اتنا بڑا ہونے کے) اس کے غم (عشق معرفت - بندگی) کو برداشت نہ کر سکا - (اسی لئے) ہماری جان کو (اس) چکرانے والے آسماں پر افسوس (حسرت) آتا ہے - حسرت آتی ہے -

قرآن کریم کی ایک آیت ہے: "ہم نے آسماں اور زمین اور پہاڑوں سے کہا - "امانت" کا بوجھ اٹھاؤ - انہوں نے یہ بوجھ اٹھانے سے انکار کیا - اور کہا ہم میں اٹھانے کی تاب (برداشت) نہیں اور انساں نے اُٹھالیا" - ہماری جان کتنی چھوٹی اور آسماں کتنا بڑا - تاب اور برداشت کے لحاظ سے ہماری جان کتنی بڑی اور آسماں کتنا چھوٹا - اگر اس کو مدّنظر رکھکر ہماری جان

آسماں پر افسوس کریگی تو یہ خلاف واقعہ نہیں۔ یہی بڑائی انساں کی ہے کہ باوجود حقیر مخلوق ہونے کے اس نے اس کے "غم" کو اٹھایا۔ دوستانِ خدا جنہوں نے بارِ امانت کو اٹھایا ہے۔ یہ ان کی تعریف ہے۔

سرو آزادی کند از سروِ قدش در چمن
چوں ہوائے باغ آں سروِ خراماں میکند

ہوا = آرزو۔ خواہش۔ خراماں ناز سے چلنے والا۔

سرو چمن میں اس کے سیدھے قد (کی برکت) سے آزادی (کی زندگی) کرتا ہے۔ جب اس ناز سے چلنے والے سرو کے باغ کی خواہش کرتا ہے۔

قد مجموعی صورت کا نام ہے۔ جسم کے تمام اعضاء و جوارح اس میں شامل ہیں۔ سر۔ زلف۔ جبیں۔ ابرو۔ چشم۔ مژگاں۔ بینی۔ لب۔ دنداں۔ گردن۔ سینہ۔ بازو۔ ہاتھ۔ کمر۔ سرین۔ ٹانگیں۔ پاؤں۔ انگلیاں۔ ناخن وغیرہ۔ پھر قد میں راستی ہے۔ "قدِ بالا"۔ پھر قد کا سایہ ہے اور یہ سایہ قد کا عکس ہے۔ دنیا (کائنات) سالکوں کے پاس اسی کا سایہ اور عکس ہے۔ سرو میں کجی نہیں۔ تمام موسموں میں سرسبز اور شاداب رہتا ہے۔

ذات اللہ راستی اور سچائی کے بغیر اور کچھ نہیں اور ہمیشہ ایک ہی حالت میں ہے۔ ہر جگہ اس کا جلوہ ہے۔ گویا ہر جگہ پہنچا ہے۔ اس واسطے "خراماں" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسکی خواہش اور اس کے باغ میں پہنچنے کا عشق آزادی اور نجات بخشندہ ہیں۔

ہر اعضا کسی صفت اور کسی نہ کسی کام کا مظہر ہے۔ لیکن قد کُل صفات اور تمام افعال کا مظہر ہے۔ اور قد ہی سے ذات مراد ہے۔ ہم "اکبر" یا "رحیم" کسی کے روی کو یا ہاتھ یا پاؤں کو نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ مجموعہ اعضا کو۔ اللہ مجموعہ صفات کا نام ہے۔ جمالی اور جلالی۔ تخلیقی اور تخریبی جو بھی ہیں۔

گر دمے وصلش بصد جاں میسر مے شود
دو گراں جانی مکن چوں دوست ارزاں میکند

میسر = حاصل۔ گراں جانی = سستی۔ کاہلی۔ سخت جانی۔
ارزاں = سستا۔

اگر کسی وقت سو جان کے بدلے اس کا وصل تم کو حاصل ہو جائے۔ جا و۔ سستی نکرو کیونکہ دوست سستا بیچتا ہے۔

اگر ہزار جاں ہوں اور دوست مطالبہ کریگا کہ میں تیرے وصل پر اس وقت راضی ہو جاؤنگا جب تم مجھے ہزار جاں دیدو گے۔ فرماتے ہیں اگر تم عاشق ہو تو ہزار جان دیدو اور وصل کی نعمت خرید و۔ کیونکہ یہ قیمت کچھ بھی نہیں۔ خریدنے میں سستی نہ کرو۔ یہ بہت ارزاں ہے

جان کہ مشتِ خاک دامنگیر او شد چوں سزد
کو بہ جرأت قصدِ خلوتگاہ سلطان میکند

(اُس) جان کو جسکے دامن کو مٹھی بھر مٹی نے پکڑا ہے (آلودہ کیا ہے) کب سزاوار ہے کہ جرأت (ہمت) کرکے (وہ) بادشاہی خلوتگاہ (حرم خانہ۔ تنہائی کی جگہ) کا قصد (ارادہ) کرے۔

عجز اور خاکساری کا سبق ہے۔ ہم قصد کرتے ہیں کہ ہمیں بارگاہ قدس کا راستہ ملے۔ اور ہم اس درگاہ میں پہنچیں۔ ہم کو یہ خاکی جسم اتنا دامنگیر ہوا ہے اور ہم کو اس جسم نے اس درجہ آلودہ کیا ہے۔ کہ ہم اس جسم کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ جسم روح کی یہ محبت اور یہ وابستگی اتنی ہے کہ جنت کے باغ حور و قصور عیش و آرام کو جو ہمیں واعظ سناتے ہیں۔ قصہ کہانی سے زیادہ وقعت نہیں دیتے ہیں۔ اور جسم کو چھوڑ کر جنت میں نہیں جانا چاہتے ہیں۔ ایسے حالات میں ہمارے لئے کب سزاوار ہے۔ کہ بادشاہ کے محل میں۔ جو جنت سے کہیں بڑھ چڑھکر اور اعلیٰ ہے۔ جانے کا قصد کریں۔

گر بدیں جانِ محقّر از علائی قانع اند۔
خوش بر افشاں کو چو لطفش کار آساں میکند

محقّر = حقیر۔ ذلیل۔ بے قیمت۔ قانع = قناعت کرنے والا۔ تھوڑی چیز پر۔

افشاں = چھڑک۔

علائی اگر وہ اسی حقیر جان پر راضی ہیں۔ (تو اے علائی) خوشی سے (اس جان کو) چھڑک دو (نثار کردو) کہ وہ اپنی مہربانی (رحمت) سے کام آساں بنا دیگا۔

فرماتے ہیں علائی اگر وہ اس بے قدر و قیمت جان کو قبول کرنے پر راضی ہے تو تم خوشدلی اور رضا مندی سے جان کو نثار (نچھاور) کردو۔ اور اس کا لطف اسکی عنایت اور مہربانی تمہارے

کام کو آسان کریگی۔

غزل نمبر ۱۶

اے رُوح رُوح پرور وئی ایجِ روح نام
بوی حیات از نفست مے وزد مدام

رَوح = ٹھنڈی ہوا۔ خوشبو۔ فرحت۔ ریح = ہوا۔
نفس = جان۔ روح۔ سانس۔ کلام۔

اے روح کو پالنے والی خوشبو دار ٹھنڈی ہوا۔ اور روح نام رکھنے والی ہوا تیرے نَفَسْ (دم یا سانس) سے ہمیشہ زندگی کی بُو چلتی رہتی ہے (بُو آتی رہتی ہے)

بادِ صبا سے خطاب ہے! صبح کی ہوا ٹھنڈی خوشبو دار روح پرور زندگی بخش اور صحت بخش ہوتی ہے۔ زندگی کا دارومدار ہوا پر ہے۔ کھانے پینے کے بغیر جاندار بھی کئی دن گزار سکتا ہے۔ نیند کے بغیر بھی کچھ مدت زندگی بسر کرسکتا ہے لیکن ہوا کے بغیر (حبسِ نفس کے عاملوں کے بغیر) چند منٹ کیلئے بھی زندہ رہنا ناممکن ہوتا ہے۔ اسی لئے ہوا کو روح بھی کہتے ہیں۔ اور ہم ہوا ہی سانس میں لیتے ہیں اور اسی سے زندہ ہیں۔ اس لئے اس کے دم میں "بوئے حیات" ہے۔ ہر سانس میں دو پائیں موجود ہیں۔ سانس اندر لینا زندگی کو بڑھاتا ہے۔ سانس باہر نکالنا فرحت بخشتا ہے۔ سانس لینا چھوڑنا زندگی کا خاتمہ ہے۔

ہر صبحدم ز مجلس روحانیانِ قدس
با تشنگانِ شوق دہی شربتِ غرام

غرام = محبت۔ لالچ۔ عذاب۔

پاکی اور بزرگی (قدس) کے روحانیوں (روحانیت رکھنے والوں) کی مجلس سے ہر صبحدم (پو پھٹنے کے وقت) عشق و محبت کے پیاسوں کو محبت کا شربت دیتے (پلاتے) ہو۔

صبحدم کی پاکیزگی۔ فرحت بخشی اور اجابتِ دُعا میں تمام مذاہب متفق ہیں۔ تمام مذہبوں کے ماننے والے صبح کیوقت کو عبادت۔ پوجا اور ذات بے چون و بیچگوں و بے نیاز کے سامنے جانے کا اور اس سے حاجات مانگنے کا بہترین وقت مانتے ہیں۔ خوش الحان پرندے باغوں میں۔ جنگلوں میں۔ ویرانوں میں اس کی آمد پر چہچہانے لگتے ہیں۔ نور کا عالم نظر آتا ہے۔ فطرت مسکراتی ہے۔ یہی وقت پھولوں کے خندہ زن (کھلنے) ہونے کا ہوتا ہے۔ اور ہوا خوشبو سے بھر جاتی ہے۔

سالکوں اور عارفوں کا عقیدہ ہے۔ بلکہ ایمان ہے کہ جام معرفت کے پیالے عاشقوں کو اسی وقت پلائے جاتے ہیں۔ ارواح مقدسہ اسی وقت پر عالم قدس سے انکی ملاقات کو آتی ہیں۔

(باد صبا سے خطاب)

ہر خاکِ کوئی دوست گذشتی مگر سحر
کز لطف جانفزا اے ہمہ راحتی و کام

جان فزا = جان بڑھانے والا۔ زندگی زیادہ بنانے والا۔

ہمہ = بالکل۔ کامل طور پر۔ کام = بامراد۔ بامقصد۔

(اے خوشبودار ٹھنڈی ہوا) شاید تم صبح کے وقت معشوق (دوست) کے کوچے کی مٹی پر سے گذری (چلی) ہو۔ کیونکہ اُس کی) جان بڑھانے والی مہربانی سے (لطف سے) تم سراپا راحت اور بامراد ہو۔ (کامل طور پر بامقصد ہو) ہوا ہمیشہ متحرک ہے۔ اس میں سکون نہیں۔ چلتی رہتی ہے۔ ہمیشہ آہستہ کبھی تیز اور تند۔ اُوپر جاتی ہے نیچے آتی ہے۔ مجسم ہے۔ دکھائی دیتی نہیں۔ تیز حرکت کے وقت محسوس ہوتی ہے۔ گرم بھی ہو جاتی ہے۔ اور سرد بھی۔ اس میں اجزا ہیں جن سے بہ مرکب ہے۔ اس میں حد درجہ کا نفوذ ہے۔ آوازیں اسی کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتی ہیں۔ اور اسی کے ذریعہ سنی جاتی ہے۔

قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّہٗ اس کے ہمیشہ چلتے رہنے کے خیال سے اس کو پوچھتے ہیں۔ "اے ہوا آج تم بامراد مقصد اور راحت فرحت سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ شاید تم دوست کے کوچے سے چلی ہو اسی لئے تم میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ اسی کا لطف ہے۔ کہ تم بھی جانفزا بنی ہو۔ سالکوں کو ہر فرحت بخش چیز یا کام میں اسی کے لطف کی "بو" آتی ہے۔

گر در سرادقاتِ جلالش رسی دمے
زیں جاں مستمند رسانی بیکے پیام

سرادقات = سرادق کی جمع = خیمے۔ شامیانے۔ پردے۔

مستمند = غمگین۔ حزیں۔ حاجتمند۔ پیام = پیغام۔ خبر

اے ٹھنڈی خوشبو ہوا) اگر تم اس کی عظمت و بزرگی کے خیموں میں کسی وقت پہنچو گی تو اس غمگین حاجتمند سے اُس کو ایک پیغام پہنچاؤ۔

ہوا جو ہر جگہ پہنچنے والی ہے۔ اس کے متعلق پرانے لوگوں کا خیال تھا۔ کہ فضا زمین سے آسمان تک اور لامکاں تک اسی سے بھری ہے۔ اس واسطے اس کی رسائی بارگاہ قدس کے خیموں تک تسلیم کرتے تھے۔ اب معلوم ہوا ہے۔ کرۂ ہوا محدود ہے۔ اور اس کے طبقے ہیں۔ جو ہوا کرۂ ارض کے گرداگرد ہے۔ وہ دو ڈھائی سو میل سے زیادہ نہیں۔ پھر اور ایک طبقہ ہے۔ پھر اور پھر اور پھر وہ حدود آتے ہیں جہاں یہ ہوا ہے ہی نہیں۔ قدرت کاملہ کا اور ہی انتظام ہے۔ اور چونکہ ہوا میں آواز ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کی صفت ہے۔ اور جہاں اور کوئی آواز اور پیام نہیں پہنچا سکتا ہے۔ وہاں یہ پیام پہنچا سکتی ہے۔ اسواسطے عاشق اس کی منت وسماجت کرتے تھے کہ معشوق تک ہمارا پیام پہنچا دو۔

کاں مفلس شکستہ مہجور آنجناب
برخاکِ راہ حیرت ومیگویدت سلام

مُفلس = بے سروساماں۔ فقیر۔ بے نوا۔
مہجور = جدا کیا گیا۔ ہجر میں چھوڑا گیا۔ حیرت = حیرانی۔ پریشانی۔

اے ہوا پیام یہ ہے) کہ وہ بے سروساماں جس کو آپ کے ہجر نے شکستہ کیا ہے۔ (جس کے دل کو آپ کی جدائی نے توڑ دیا ہے) حیرانی اور پریشانی کی خاک پر پڑا ہوا ہے۔ آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔

قدس اللہ سرہ کی دربار قدس میں رسائی کا خیال رکھیے۔ اور جو شہادتیں ان کے واصل باللہ اور فنافی اللہ ہونے کی ہم تک پہنچی ہیں انکو زیر نظر رکھیے۔ پھر ان ہی زبانِ مبارک سے اپنی نارسائی اور عجز کا بیاں سنئے۔ کہ ہوا کو قاصد بناتے ہیں تا کہ یہی ان کا حال بیاں کرے۔ اس سے عظمت وجلال کی بارگاہ کی بڑائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس بارگاہ میں رسائی کی حقیقت کیا ہے۔ "عالم حیرت" ہے عقل اور فلسفہ سے اس عالم حیرت کا حال معلوم کرنا ناممکن ہے۔

عمریست تازہ سُدہ قربت فتادہ است
یا دیو نفس در قفس طمع بند کام

سُدہ = آستانہ۔ چوکھٹ۔ ڈیوڑھی۔ دروازہ۔

دیو = شیطان - بھوت - جن - قفس = پنجرہ - دام - قید خانہ -

(پیام جاری ہے) ایک عمر گذری (ایک زمانہ سے) جب سے نزدیکی (قربت) کی چوکھٹ سے (دور) پڑا ہے - اور لالچ کے پنجرے میں نفسِ شیطان کے ساتھ مقصد اور مطلب کو باندھا ہے -

شعر کا مفہوم ہے کہ میں قرب میں تھا - بارگاہ قدس میں رہتا تھا - وہاں سے مجھے نکلنے کا حکم ملا - نفس کے پنجرے میں قید کیا گیا - اور اس میں نفسِ شیطاں کو میرا ساتھی بنایا گیا - طمع دنیا کی پھندے مجھ پر ڈالے گئے - اور ایک زمانہ سے میں اسی میں بند ہوں -

نَے پائے سیر نَے رہِ مقصود نَے قرار
نَے صبر نے امید مگر رافتِ کرام

رأفت = مہربانی - عنایت - کرام = بڑے لوگ -

(پیام جاری ہے) نہ سیر کے پاؤں ہیں نہ مقصد کا راستہ (معلوم) ہے - نہ قرار و آرام ہے - (نہ دوری اور جدائی پر) صبر (برداشت) ہے - اگر ہے تو بزرگوں کی مہربانی کی امید ہے -

بزرگوں سے اور بڑے لوگوں سے مراد انبیاء و اولیاء کرام ہیں - جن کی شفاعت کی امید ہے کہ وہ امداد فرمائینگے - ورنہ رہائی کی کوئی صورت نہیں -

درگاہِ جود را چہ زیان کردہ مے شود
کار دو کون گر کنی از یک نظر تمام

جُود = بخشش - فیاضی - زیان = نقصان - کمی -

فیض و بخشش کی بارگاہ کو کیا نقصان پہنچیگا (کیا کمی ہو گی) (اگر) دو دنیاؤں کے کام کو ایک نگاہ سے پورا کرو گے -

عنایت فضل و کرم اور جود و بخشایش کی ایک نظر دو عالموں کے کاموں کے سدھانے کیلئے کافی ہے - اور بحرِ جود و کرم میں کچھ بھی کمی نہ ہو گی - جب دنیاؤں کے کام سدھر جائینگے - تو خود بخود میرا کام بھی درست ہو گا - سدھر جائیگا - یہی راز ہے کہ دعاء عموماً جمع کی صورت میں کی جاتی ہے - چاہئیے دعا مانگنے والا اکیلا ہی کیوں نہ ہو - مثلاً ایک شخص خلوت میں تنہا ہاتھ اُٹھاتا ہے - اور کہتا ہے :- رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ = دُعا جمع کی صورت میں ہے سبھوں میں واحد ذات بھی خود بخود شامل ہے - اور دُعا کا یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے -

دریائے فضل موجِ کرم سے زند بران
مرکبِ علائیا مگر انجا کنی مقام

فضل = زیادتی۔ عام خیال میں رحمتِ خدا کی زیادتی۔

موج = لہر۔ بران = دوڑادے۔ مرکب = سواری کا گھوڑا۔

رحمت الٰہی کی بڑائی کا دریا کرم (مہربانی عنایت) کی لہریں مارتا ہے۔ اے علائی تو سواری کو تیز دوڑا تاکہ تم (بھی) اس دریا پر مقام کروگے (ڈیرہ ڈالوگے)

لہریں مارنے سے مراد دریا کا بھرپور لبالب اور جوش میں ہوتا ہے۔ فضل الٰہی کے دریا میں کبھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ یہ دریا ہمیشہ بھرپور رہے۔ وَرَحمتی وَسِعَت کُلَّ شَیٔ۔ (میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے) اس سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کے حسن جمال خوبی خوبصورتی تخلیق اور تخریب رحمت کا ظہور رہے۔ اور رحمت کا دریا ہمیشہ موجزن ہے۔ یہاں قدس اللہ سرہ جس فضل کے دریائے کیطرف اشارہ فرماتے ہیں اور ساتھ ہی بیاں کرتے ہیں کہ یہ موج زن ہے

وہ وصال مع اللہ کا دریا ہے۔ اور ساتھ ہی سواری کو تیز کرنے کا حکم دیتے ہیں یعنی جد وجہد۔ ریاضت وعبادت پر زیادہ کمر بند ہونے کا اپنے آپکو تلقین فرماتے ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری سے زیادہ کام لینا چاہتے ہیں۔ اور منزل مقصود پر پہنچکر شربت وصال سے سیراب ہونا چاہتے ہیں۔ دریائے پر پہنچکر آب زلال سے سب سے پہلے پیاسا پیاس نہ بجھائے تو کیا کرے۔

غزل نمبر ۱۷

نقد حیات خواہی جان کن فدائے جانان
کاین ہست در رہِ عشق آئین مہربان

نقد = کھرا روپیہ۔ قیمت۔ سرمایہ۔ حاضری۔

آئین = دستور العمل۔ قانون۔ رسم ورواج۔

مہربان = محبت کرنے والے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے والے = عاشق

اگر زندگی کی نقد قیمت (ہاتھوں ہاتھ اور اچھی قیمت) چاہتے ہو۔ (تو) جان (روح۔ دل وہ چیز جس سے زندگی قایم ہے) جاناں (معشوق) پر قربان (نثار) کرو (کیونکہ عشق

کے راستے ہیں (عشق ورزی میں) عاشقوں کا قانون یہی ہے۔

جان وہ چیز ہے جس سے حیات قایم ہے۔ اور جان سے بڑھکر کسی جاندار کو کوئی چیز زیادہ پیاری نہیں۔ سب کچھ جائے اور جان بچ جائے ہر جاندار کا فطرتی آئین ہے۔ اس کے متعلق ایک توضیحی مثال پیش کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک امیر زادہ تھا اور وہ ایک امیر زادی پر فریفتہ ہوا۔ دونوں کی شادی ہوئی۔ مدت گذری اولاد نہوئی۔ دونوں اولاد کے لئے ترستے تھے۔ پیروں۔ فقیروں۔ سادھوؤں۔ سنیاسیوں۔ درویشوں۔ رندوں۔ مجذوبوں سے ملے درگاہوں۔ آستانوں پر گئے۔ نذریں رکھیں۔ طبیبوں۔ ڈاکٹروں سے حال بیان کیا۔ غرض جو ممکن کوشش تھی وہ کی۔ اور اللہ نے اولاد عطا کی۔ دولت میں خدا نے برکت کی تھی۔ تجارت اور کاروبار ترقی پر تھا۔ امیر زادہ دکان پر ہوتا تھا۔ بیوی گھر میں۔ بچے کیواسطے ایک دایہ مقرر ہوئی تھی۔ بچہ کوئی سال بھر کا ہو تھا ایک دن ماں نے بچے کو اوپر والے طبقے میں سُلایا۔ آیہ کو کہہ گئی۔ بچہ اوپر سو رہا ہے اچانک کوٹھی میں آگ لگ گئی۔ دایہ بدحواس ہو کر باہر بھاگی۔ بچے کا خیال نرہا۔ بچے کی ماں آئی تو دایہ سے پوچھا۔ بچہ کہاں ہے! جواب ملا۔ "میں بدحواس ہو کر بھاگی۔ بچہ اوپر ہی ہے۔ اتنے میں خاندار بھی آیا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ میاں نے بیوی سے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ جواب ملا اوپر سویا تھا۔ باپ بھی اور ماں بھی لوگوں کو منتیں کرتے ہیں کہ کوئی بچہ کو لادے۔ ہم ہزاروں کیا لاکھوں روپے انعام دیں گے۔ لیکن خود اندر جائے اور بچے کو لانے کی جرأت اور ہمت نہیں کرتے ہیں۔ اور نہ لوگوں میں سے کوئی بھاری انعام جیتنے کی ہمت کرتا ہے۔ مکان جاڈاد اور بچے کے سمت جل گیا لیکن جان کی قربانی کسی نے نہیں دی۔ یہ ہے "جان عزیز"

لیکن عاشقوں کے پاس اس جان عزیز کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں۔ وہ پیارے پر پیاری جان کو فدا کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ اور ان کا دستور العمل یہی ہے۔ اس جان فدا کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خودکشی کرتے ہیں۔ اپنا خون بہاتے ہیں۔ فاقہ کشی کر کے جان دیتے ہیں نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ معشوق کی دلجوئی اور رضامندی چاہتے ہیں۔ اس کے حکموں کی تعمیل کرتے ہیں۔ جو معشوق نے بتایا۔ یا جو وہ بتائے اس کی بجا آوری میں اگر جان بھی جائے تو یہ مبارک بات ہے ابراہیم خلیل اللہ۔ اسمٰعیل ذبیح اللہؑ۔ عیسٰے روح اللہؑ۔ شہید کربلا امام حسینؑ وغیرہ عاشقوں کی

مثالیں موجود ہیں۔ اور اسی کو "آئینِ مہربانان" کہتے ہیں کہ اس کے حکموں کی تعمیل میں سر مو فرق نہ آئے۔ جب یہ عمل ہوگا تو "نقدِ حیات" ملے گا۔ یہ پیاری جان اسی کے راہ میں فدا ہو۔ تو اس کی قیمت ملیگی۔

مستانِ جامِ شوقش بر بوئی لطف ہر شام
بر درگہ جلالش آیند جان فشانان

اُس کے شوقِ (عشق) کے جام (معرفت کا پیالہ) کے مست (عاشق مخمور) اس کے لطف (عنایت۔ مہربانی) کی بو پر ہر شام کو اس کے جلال (بزرگی۔ عظمت) کی بارگاہ پر جان چھڑکتے (نچھاور۔ نثار کرتے) ہوئے آتے ہیں۔

میخوار عام طور پر شام ہی کو میخانہ پر جاتے ہیں۔ کچھ پی کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ کچھ سرمستی میں وہیں پڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح جامِ شوق کے مستوں کو بھی شام کا وقت مرغوب ہے۔ ولطف وکرم کی بو کو سونگھتے ہیں۔ اور بارگاہ جلال پر حاضر ہو کر رات بھر شوق ذوق اور اور مستی میں رہتے ہیں۔ "یبیتون لربہم سجداً وقیاماً۔ (راتوں کو اپنے رب کے آگے قیام اور سجدہ میں لگے رہتے ہیں) کمر بستہ ہو کر اس کی یاد میں رہنا جانفشانی ہے۔ ہر رات کو بیدار اور آہ وبکا میں رہنا جان کے لئے کچھ کم آزار نہیں۔ لیکن اس کی لذت اور اس کی مستی تکلیف سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ یہ جام شوق کے مست ہی جانتے ہیں ہمیں اس مستی کی کیا خبر ہے۔

آنانکہ زنگ ہستی از لوح دل زدودند
از جان نفور دارند در دل ہوائے جانان

زنگ = لوہے۔ پیتل۔ تانبے وغیرہ پر جو میل خود بخود جم جاتی ہے۔
لوح = تختی۔ زدودن = دور کرنا۔ صیقل کرنا۔
نفور = نفرت کرنے والا۔ ہوا = خواہش۔ شوق۔ چاہت۔

جنہوں نے ہستی (میں بھی ہوں) کے میل کو دل کی تختی سے اٹھایا۔ وہ جان کو نفرت کرنے والے ہیں۔ (اور) دل میں معشوق کی چاہت رکھتے ہیں۔

جنہوں نے دل کو من ہستم اور خود بینی کے زنگ سے صیقل کر کے صاف کیا۔ وہ جان کا خیال ہی نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں جسم وجان کی ذرہ بھر محبت نہیں بلکہ ان کو (جسم وجان)

کی نفرت ہے۔ دل کو آلائیشوں۔ آلودگیوں۔ طمع۔ لالچ وغیرہ سے صاف کرنے کے بعد اگر ان کے دلوں میں کوئی چیز باقی رہتی ہے۔ تو وہ "جاناں" کی خواہش ہے۔

مرغانِ سدرہ ہر شب حیران و بیدلانند
چوں در خروش آید افسونِ عشق خوانان

سِدرہ۔ ساتویں آسمان پر بیری کے مشابہ ایک درخت۔ مقام جبریل۔ فرشتوں کے رہنے کی جگہ۔ فرشتے اس سے آگے نہیں جا سکتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ کے پرند (مقرب فرشتے جن کا کام تسبیح و تہلیل کے سوا کچھ نہیں) ہر رات حیراں (پریشاں) اور بیدل (بے قرار۔ گھبرائے ہوئے) ہو جاتے ہیں۔ جب عشق خوانوں (عشق کا نغمہ بجانے والوں) کا افسون (منتر۔ دُعا۔ جادو) (بلند آواز میں) خروش (شور) میں آتا ہے۔

عاشق جب اپنا نغمہ اور ترانہ رات کو شروع کرتے ہیں تو سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتے۔ گھبرا کر (بیدل ہو کر) خاموش ہو جاتے ہیں۔ کہ یہ کیا شور ہے۔ اور سنتے رہتے ہیں کہ یہ معشوق کی تعریف میں کیا کہتے ہیں اور اس (معشوق) کو کیا سناتے ہیں۔

از چشم بد نہاں اند وز خویشتن نہاں تر
عالم شدہ سمن بوی از خوی این نہاناں

بُری آنکھ سے چھپے ہوئے ہیں اور اپنے آپ سے زیادہ پوشیدہ ہیں ان چھپے ہوئے مستوں کے خوی (عادت اور طریق زندگی) سے عالم (کل کائنات) چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو سے بھر گیا ہے۔ (سمن بو ہو گیا ہے)

یہ مست لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ لوگوں کی تو بات کیا اپنے آپ سے بھی پوشیدہ ہیں ان کو خبر نہیں ہم کیا ہیں۔ ہم ہیں بھی یا نہیں۔ ان کے اخلاق۔ عادات۔ اطوار ایسے ہیں کہ ساری دنیا میں ان کی خوشبو پھیلتی ہے۔ دیکھئے بزرگانِ دین اور اولیائے کبار کے طریق زندگی کو۔ ان کے طرز عمل کی خوشبو سے عالم بھر گیا ہے۔

چون تیرہ روزگاری زین رہ نشان چہ جوئی
کز رہروی نشان پرس از راہ بے نشانان۔

تیرہ = تاریک - تیرہ روزگار = بدنصیب -

جب تم تاریک روزگار والے ہو (بدنصیب ہو - تاریک زمانہ والے ہو) تو اس (عرفان کے) راستے کا نشاں (علامت) کیا ڈھونڈھتے ہو - بے نشانوں (عاشقوں - خدا کے مستوں) کے راستے کا نشاں کسی راستے چلنے والے سے پوچھ لو -

تمہارا روزگار تاریک ہے تم اندھے ہو - بے خبر ہو اور پھر عاشقی اور عرفاں کے راستے کے نشاں ڈھونڈھتے ہو - کتابوں میں پڑھتے ہو - خیالی گھوڑے دوڑاتے ہو - کہ خدا دوستی اس طرح ملتی ہے - اُس طرح ملتی ہے - یہ راستہ خدا سے ملنے کا ہے - وُہ راستہ عرفاں حاصل کرنے کا ہے - ارے بدنصیب ان نشاں جوئیوں کو چھوڑ دے - کسی رہرو (صاحب دل خدا دوست) کے پاس جا وہ تم کو راستہ بتا دیگا - کیونکہ اس راستے پر چلنے والوں کا کوئی نشاں راستے پر نہیں رہتا ہے - یہ لوگ بے نشاں ہیں - سڑک پر چلنے میں ہلکا یا گہرا نشاں چلنے والے کا ضرور رہتا ہے لیکن یہ لوگ ایسے بے نشاں ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا ہے - کدھر سے آئے کہاں ٹھہرے کدھر چلے گئے - کہاں تک پہنچے اسواسطے اس کا علاج یہی ہے کہ کسی رہرو کو پکڑا جائے تاکہ وہ کچھ نہ کچھ پتہ دیگا -

گر کام خواہی از دوست ناکامی است کامت
کز گلشن وصالش دور اند کامرانان -

کام = مقصد - مراد - ناکامی = نامرادی - ناکامیابی -

اگر دوست سے مراد (حاصل کرنا) چاہتے ہو - (تو) نامرادی (کامیاب نہونا) ہی (میں) تمہاری مراد (کامیابی) ہے - (کیونکہ) اُس کے وصال کی پھلواڑی سے بامراد (کامیاب) لوگ دور ہیں -

دنیادی کامراں اور مطلب مند لوگ اس کے گُلشن وصال سے دُور ہیں - دوستانِ خدا کو ہر وقت اور ہر جگہ ٹھوکریں لگتی ہیں - نہ گھر نہ بار - پریشاں حال ہر رنگ کی ناکامی - لیکن فرماتے ہیں - گھبراؤ مت اسی میں تمہاری کامیابی ہے - یہ جو تم کو ناکامی اور شکست دکھائی دیتی ہے اسی میں کامیابی اور جیت ہے -

عقل و دل اندرین رہ جان را عقیلہ آمد
این کار باز گو نہ ناید ز کار دانان۔

عقیلہ = فریبی مکار ہوشیار عورت۔ چوپائے کے پاؤں باندھنے کی رسی یا زنجیر۔
کاردان = تجربہ کار۔ دانا۔

عقل اور دل اس راستے میں جان کی بیڑیاں ہیں۔ اور تجربہ کار داناؤں سے یہ کام دوبارہ نہیں ہوتا ہے۔

عشق کے راستے میں عقل اور دل بندش اور رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ عقل کی رسائی چونکہ محدود ہے۔ اور دل عقل کی باتوں پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس واسطے یہ دونوں جان کے لئے بیڑی (ہتھکڑی) بنتے ہیں۔ جان کو آگے قدم اٹھانے میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ تجربہ کار دانا (عارف) عقل اور دل کے پھندوں میں اگر ایک دفعہ پھنس جاتے ہیں۔ لیکن دوبارہ وہ جان کو اس بیڑی میں پھنسنے نہیں دیتے ہیں۔ عقل وجوہات اور دلایل سے راستے کا سراغ لگانا چاہتی ہے۔ چونکہ راستے کا کوئی نشان نظر نہیں آتا ہے۔ اسواسطے عقل جان کو قدم اٹھانے سے رکاتی ہے۔ لیکن تجربہ کار دانا عقل کی باتوں کو پس پشت ڈالتے ہیں اور قدم آگے بڑھاتے ہیں

کاردان اور تجربہ کار عارف کی عقل کو "عقل سلیم" کہتے ہیں۔ یہ عقل ظاہری اور باطنی دونوں حالات کا جایزہ لیتی ہے۔ اور اکثر یار ظاہر بینی اور ظاہر پر عمل کرنے سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔ اور وہ کام کراتی ہے۔ کہ ظاہر بین عاقل اس عاقل کو دیوانہ اور بے وقوف۔ ناداں اور کم عقل قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس عقل کی رسائی طبیعات سے بالاتر ہو کر مابعد الطبیعات تک ہوتی ہے۔

ہماری عقل حقیقت کے راستے میں بیڑی ہے۔ عقل کے گھوڑے حواس ہیں جن پر سوار ہو کر یہ تگ و دو کرتی ہے۔ حواس سے بالاتر میدان میں اس کی شہسواری کام نہیں آتی ہے۔ اس لئے مولا طلبی میں اس سے کام نہیں لیا جاتا ہے۔ اور نہ لینا چاہئے۔

در وصف سر عشقش گر لال شد علائی۔
خوش باش کا گفت او از حال بے زبانان

لال = گونگا۔ وہ شخص جو بول نہیں سکتا ہے۔

اس کے عشق کے بھید کی خوبی کو بیان کرنے میں اگر علائی گونگا ہو (تو کیا اندیشہ ہے)
خوش رہو کیونکہ وہ بے زبانوں کے (اندرونی) حال سے واقف ہے (آگاہ)

قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں اگرچہ میں اس کے عشق کے بھید (سرّ) کی خوبیوں کو جو مجھے معلوم ہوئی ہیں الفاظ میں زبان سے بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ تو یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ میں چاہتا تھا کہ جو کچھ مجھے اس کے عشق میں دریافت ہوا۔ اور جو کچھ اس عشق کے سرّ کو معلوم کرنے میں مجھ پر گذرا اس کو کھول کر وضاحت سے بیان کروں۔ لیکن میری زبان میں یہ طاقت ہی نہ رہی۔ یہاں تک کہ اب میں اس (معشوق) کو بھی اپنا حال سنا نہیں سکتا ہوں۔ پھر بھی مجھے خوشی ہے۔ کہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ (پیارا) بے زبانوں کے دل کے حال سے آگاہ ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔

غزل نمبر ۱۸

تا چند درد عشقش دارم نہفتہ در جاں
پنہاں چہ دارم آتش چوں دود نیست پنہاں

کب تک میں اس کے عشق کی بیماری کو جان میں چھپائے رکھوں۔ آگ کو کیسے پوشیدہ رکھوں جب دھواں پوشیدہ (رکھ سکتا) نہیں۔

آتش عشق جب دل و جان میں بھڑک اٹھتی ہے اور شعلہ زن ہوتی ہے۔ تو عاشق اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن آگ کا دھواں بند نہیں رہ سکتا ہے۔ اوپر کو اٹھتا ہے۔ دھواں دیکھکر ہر ایک اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ جہاں سے دھواں اٹھتا ہے۔ وہاں آگ ہے۔ عشق کی نشانیاں اسی طرح چھپانے سے چھپتی نہیں۔ آہ بھرتے رہنا۔ بے خوابی۔ بھوک کا مٹ جانا۔ بے قراری۔ اضطراب۔ رنگ اور فق ہونا۔ حیرت زدہ بننا وغیرہ اس کی نشانیاں ہیں۔ جنکو چھپانا ممکن نہیں اور یہی آتش عشق کا دھواں ہے۔

چوں نیست درد عشقش دارو پذیر پس من
بیہودہ چند پویم در آرزوی درماں۔

جب اس کے عشق کی بیماری دوائی قبول کرنے والی نہیں (علاج پذیر نہیں) (تو) میں پھر علاج کی آرزو میں بیہودہ (فضول) کب تک دوڑتا رہونگا۔

عشق کی بیماری کی دوائی دیدار اور وصال ہے۔ اس دوائی کے حاصل ہونے کا

امکاں آساں نہیں دوسری کوئی دوائی یہ بیماری قبول ہی نہیں کرتی ہے۔ اسواسطے علاج کے درپے ہونا فضول اور بیہودہ ہے۔

داروی دردِ ایں ریش از ہر طبیب مندیش
کایں را دوا بنابی جز داغ دردِ جاناں

ریش = زخم۔ داغ = دھبہ۔ جلانا۔

اس (عشق کے) زخم کا مرہم (دارو) ہر طبیب سے (ملنے کا) گماں نکر (کیونکہ) اس (زخم) کا علاج معشوق کے درد سے جلاکر داغ دینے کے بغیر نہیں پاؤ گے۔

پُرانے لوگ مُزمن اور لاعلاج زخموں کو گرم لوہے سے جلاکر داغ دیتے تھے۔ یہ داغ دینا آخری علاج مانا جاتا تھا۔ آجکل بھی جو پایوں کو لوگ جلاکر داغ دیتے ہیں۔ یہ جلانے کا نشاں بعد میں ہمیشہ رہتا ہے۔ غلامی کے زمانے میں بھی۔ مالک غلام کو یا کنیز کو داغ دیتے تھے اور یہ داغدار غلام کہلاتے تھے۔

فرماتے ہیں کہ عشق کے زخم کا مرہم تم طبیبوں سے ملنے کا گماں مکر۔ اس کا علاج صرف معشوق کے درد (آتش عشق) سے ہی داغ دینا (جلانا) ہے۔ جب دردِ عشق سے اس کو داغ دیدو گے تو یہ مندمل ہو جائیگا۔

از من مجوی رائے چوں رام نیست بختم
کے رائے داند آں کو در خویش گشتہ حیراں

مجھ سے (تم بیماریٔ عشق کا علاج کرنے کے بارے میں) رائے مشورہ اور صلاح مت ڈھونڈ (نہ پوچھ) کیونکہ میرا بخت (نصیب) میرا فرمانبردار نہیں (میرے قابو میں نہیں) جو شخص اپنے آپ میں حیراں ہو (خود حیراں ہو۔ خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچتا ہو) وہ کیا رائے (مشورہ دینا) جانتا ہے۔

خوش نصیب اور بخت والے وہ ہیں جو بیماری کا علاج پاتے ہیں اور شفایاب ہوتے ہیں دکھ درد سے نجات پاتے ہیں۔ جو دکھ درد ہی میں گرفتار اور مُبتلا رہتے ہیں وہ بدنصیب نہیں تو اور کیا ہیں۔

فرماتے ہیں میں خود ابھی دردِ عشق کا بیمار ہوں۔ اور اس کے علاج کی تلاش میں

ہوں۔ حیران اور پریشان ہوں کہ کیا کروں اس کی دوائی کیا ہے۔ کہاں سے ملتی ہے؟ ایسے حالات میں کب اور کیسے میں مشورہ دے سکتا ہوں۔ کہ عشق کے زخم کا مرہم کیا ہے اور کہاں سے ملتا ہے۔

سبحان اللہ! کس عجز کا اعتراف ہے۔ عالمِ حیرت کی کیفیت کس انداز سے بیاں فرماتے ہیں۔ اور عشق کے علاج کے بارے لاعلمی کس انکساری سے ظاہر فرماتے ہیں۔

اَدبارِ ہستی ما شد پردہ جمالش
ورنہ ز راہِ تحقیق خورشید نیست پنہاں

اَدبار = دُبر کی جمع۔ پیٹھیں۔ اِدبار = نحوست۔ بدبختی۔

(۱) ہماری ہستی کی پیٹھیں (دنیاوی جسمانی زندگی) اس کے حسن کے پردے ہوئی ہیں۔ نہیں تو تحقیق (درستی سے دریافت کرنے) کے رو سے سورج پوشیدہ (چھپا ہوا) نہیں۔

(۲) ہماری ہستی کی نحوست اس کے حسن و جمال کے لئے پردہ ہوئی ہے ...... الخ

نورانی اور روشن چیزوں کے لئے پشت رو نہیں۔ نور کا ہر طرف سے رُو ہے۔ پیٹھ نہیں۔ یہی مُراد ہے " فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ " (تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو۔ اُدھر اُس خدا کا جلوہ ہر طرف سے ہے۔ ہیں کھُلم کھلا بلا کسی روک ٹوک کے کیوں نظر نہیں آتا ہے! خورشید تاباں ہمیشہ چمک رہا ہے۔ نورفشانی کرتا ہے۔ لیکن جب ہماری نظر اور سورج کے درمیاں چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا آتا ہے۔ تو ہم قرصِ خورشید کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ بادل کا معمولی بخارات کا ٹکڑا ہم میں اور سورج میں پردہ بنتا ہے۔ اسی طرح سے ہماری ہستی کے نحوست کے بادل ہمیں اُس آفتاب کے دیکھنے میں پردہ کرتے ہیں۔ یہ ہستی کے بادل ہٹ جائیں تو سورج نظر آئیگا۔ ہستی مٹ جائے تو خدا مل جائیگا۔

ہستی میں ایک رخ ہے (اگلا طرف) ایک پیٹھ ہے (پچھلا طرف) اگلے طرف میں آنکھیں ہیں۔ جن سے ہم دیکھتے ہیں پچھلے طرف میں دیکھنے کا کوئی ساماں نہیں۔ دنیا میں جب ہم آتے ہیں تو دنیا کی طرف ہمارا رخ ہو جاتا اور پیٹھ خدا کی طرف پیٹھ کی طرف سے کچھ بھی نہیں دیکھا جاتا ہے۔ چاہئے کوئی چیز کسقدر حسین و جمیل کیوں نہ ہو۔ اسواسطے ہماری پیٹھ پر

پردہ کا کام کرتی ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ حسین وجمیل چیز ہی نہیں۔ چیز موجود ہے۔ لیکن پیٹھ اس کی طرف ہونے کے موجب نظر نہیں آتی ہے۔

اگر ہم کو جمال دیکھنے کا شوق ہو۔ تو ہم کو جمال کی طرف رخ (منہ) کرنا چاہئے۔ "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا" (میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اس ہستی کیطرف اپنا رخ کر لیا ہے۔ جو آسمان اور زمین کی بنانے والی ہے۔ سچے پیرو کی حیثیت میں دین کے احکام پر ثابت رہنے والا) جمال دیکھنے کے لئے اس وجودی ہستی کو مٹانے کی ضرورت نہیں۔ اس کو پلٹانا ہے۔ پلٹانے سے روحانی ہستی کا رخ جمال کیطرف ہو جائیگا۔ نحوست دور ہو جائیگا۔

دورِ حیاتِ ہستی آخر شود ولیکن۔
بتو دبقائے جان را ہرگز فنائے دورا

وجودی جسمانی حیات (زندگی) کا دور (چکر زمانہ) ختم ہو جائیگا۔ مگر جان (روح) کی بقا (ہمیشگی دائمی حیات) کو کسی صورت میں گردش زمانہ کی فنا نہ ہو گی۔

بات یہ ہے کہ جان فنا ہوتی ہے یا نہیں۔ فرماتے ہیں ہرگز نہیں۔ وجودی ہستی ختم ہوتی ہے۔ جان موت کا مزہ چکھتی ہے۔ کہ موت کی سختی کیا ہے؟ لیکن فنا نہیں ہوتی ہے۔ جان میں بقا (دائمی حیات) ہے۔ اسواسطے ہماری توجہ وجودی ہستی کی بجائے جان کیطرف ہونی چاہئے۔ اور حقیقت میں یہ جان ہی ہے جو ہستی کی حیات کی طرف متوجہ ہے۔ اور اپنی حیات سے لاپرواہ ہے۔ اس سے یہ بات کھل جاتی ہے۔ کہ جان کو پتہ ہے مجھ پر فنا نہیں۔

ہر دم کہ بے غمم او از سرِّ جان برآید
آن دم ز راہ غیرت بر جان ماست تاواں۔

دم = سانس = سرِّ جان = جان کا بھید۔ راز۔
غیرت = رشک۔ شرم۔ تاواں = جرمانہ۔ بدلہ۔ سزا۔

جو سانس سرِّ جان سے اس کے غم کے بغیر نکلے۔ وہ سانس غیرت کے رو سے ہماری جان پر جرمانہ (تاواں۔ گھاٹا) ہے۔

سِرِّ جان کیا ہے؟ کون بیان کر سکے جب کسی کو خبر نہیں۔ جان کا رازدار یا یوں کہئے۔ "جان کی جان" جان میں بھی جو جان ہے۔ شاید اس کو سِرِّ جان کہتے ہیں۔ دیکھئے ہم ہر چیز کو جس پر ہمارا قبضہ ہو یا جس کے ساتھ دور یا نزدیک کا رابطہ اور واسطہ ہو اپنی طرف اضافت (لگاؤ) کرتے ہیں۔ جسم سے بیرونی چیزوں پر مثلاً میرا گھر۔ میرا بیٹا۔ میری جائیداد۔ میری ملکیت۔ جسم کے اعضا سے میرا سر میرے ہاتھ۔ میرا دل۔ میرا دماغ۔ جب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ "میرا" دعویٰ کرنے والی ہستی کیا ہے۔ تو ہر ایک یہی جواب دیتا ہے۔ کہ یہ رُوح ہے جان ہے۔ لیکن اس کا کہنے والا کون ہے۔ جو دعویٰ کرتا ہے "میری جان۔ میری رُوح" اپنی جان کی قسم میں سچ کہتا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور ہی مالک ہے جو جان روح کا بھی حیات قائم رکھنے والا ہے اور یہ سِرِّ جان ہے۔ جس کی حقیقت سے جان بھی بے خبر ہے۔ اور عشق اور غم عشق کا پارٹ کھیلنے والا بھی سِرّ ہے۔ جان اور جسم کی حیات اسی سے ہے۔ اس واسطے اس سِرِّ جان سے (دل کے دل سے) اس (معشوق) کے غم کے بغیر جو سانس نکلے وہ جان پر جرمانہ ہے۔ جان کا گھاٹا ہے۔ نقصان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بے امتثال امر چشم اُمید مکشای
مرد آں بود کہ دارد بر دیدہ مہر فرمان

امتثالِ امر = حکم کی پابندی۔ تعمیل حکم۔

مُہر = بڑی انگوٹھی جس پر دفتر اور حاکم کا نام کندہ ہوتا ہے۔ اور جس کو احکام کے کاغذات پر لگایا جاتا ہے۔ سٹیمپ۔

اس کے حکم کی پابندی کرنے کے بغیر اُمید کی آنکھ مت کھول (امیدِ نجات مت رکھ) مرد (صاحبدل۔ بہادر) وہ ہے جو (مالک کے حکم کے) فرماں (حکم) کے مُہر کو آنکھ پر رکھے۔ (حکم کی تعمیل کرے)

پہلے پہل یہ دیکھنا ہے کہ "امر" (حکم) کیا ہے۔ پھر اس کی تعمیل اور پابندی کو زیرِ نظر لانا ہے۔ امر کے ساتھ "نہی" ہے۔ یہ کام کرو "امر" ہے۔ یہ کام نہ کرو "نہی" ہے۔ دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ دونوں "حکم" ہیں۔ کرنے کا حکم یا نہ کرنے کا حکم۔ اُس کا حکم۔ صاف ظاہر ہے کہ خدا کا حکم۔ مذہب کے رو سے وہ احکام جو "وحی" اور "الہام" کے ذریعے خاص بندوں

(رسولوں اور نبیوں - اوتاروں) کے وساطت سے بندوں کو دئے گئے ہیں "امر" ہیں - یہ امر مذہبی مقدس کتابوں میں درج ہیں - مذہب کے ماننے والوں پر ان کی پابندی اور تعمیل لازمی ہے - ان احکام پر پابندی سے عمل کرنے کا صلہ "ثواب" ہے - اور ان کی نافرمانی کی سزا "عذاب" ہے - دنیاوی آقاؤں کا رواج اور طرز عمل بھی یہی ہے - تعمیل حکم میں مالک کی خوشنودی اور رضامندی ہے نافرمانی کی صورت میں ناراضگی اور رنجیدگی - پہلی صورت میں مقررہ اُجرت کے علاوہ انعام کی بھی امید ہے - دوسری صورت میں ناراضگی کے ساتھ سزا کا خوف بھی ہے -

اب یہ دیکھنا ہے کہ مالک کب کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے - اور کیوں دیتا ہے - ؟ جب آقا کو کسی کام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے - اس وقت وہ نوکر کو کام کرنے کا حکم دیتا ہے - خود کام نہ کر سکے - آقا نوکر سے کام لیکر اپنے آپکو ان تکلیفوں سے بچاتا ہے جو اس کو کام سرانجام دینے میں اٹھانی پڑتیں - نوکر مالک کے بدلے گھر کا کام کرتا ہے - صفائی کرتا ہے - جھاڑو دیتا ہے - پانی لاتا ہے - آگ جلاتا ہے - کھانا پکاتا ہے - مہمانوں کی خدمتگزاری کرتا ہے - بازار سے چیزیں خرید کر لاتا ہے وغیرہ وغیرہ - اگر نوکر یہ کام نہ کرے تو مالک کو خود کرنے پڑ جائینگے - غرض یہ ہے کہ نوکر کے احکام کی تعمیل سے مالک کو آرام ملتا ہے - اور کام بھی منشاء کے مطابق چلتا رہتا ہے -

لیکن جس مالک کے امر کی پابندی اور تعمیل سے ہم کو نجات اور انعام کی امید ہے - وُہ "اللّٰہ الصمد" ہے - بے نیاز - بے ضرورت جس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں - جو مدد کا محتاج نہیں - سب کام "ارادہ" ہی سے پُورا کرتا ہے - کائنات کا حاجت روا ہے - ہر ایک کی مدد کرتا ہے - اس کی صفتِ "ربوبیت" ہر وقت اور ہر آن میں اپنے کام میں مصروف ہے - آسمانوں کی - زمینوں کی اور جو کچھ ان میں ہے حفاظت کرتا ہے - حقیقت بین نگاہ سے دیکھیں تو یہ "آقا" کل کائنات کی خدمتگزاری - پرورش اور نوکری کرتا ہے - اس کو نوکر کی کیا ضرورت اور کسی کو کوئی کام کرنے کا حکم دینے کی کیا حاجت ہے ؟ اِن حالات میں "اُمر" کا جو یہ مسئلہ ہے تو یہ کیا ہے ؟ بے نیاز ذات کو مفت میں کسی کو کوئی حکم دینے کی ضرورت کیا پڑی - ؟

جب منشاء ایزدی اور ارادہ الٰہی سے کائنات نے وجود پایا تو ہر موجود کو مناسب حال کام کا حکم ملا - سبھوں نے اطاعت کا دم بھرا اور سر تسلیم خم کیا - سب اپنے اپنے مفوضہ کام میں لگ گئے - ایک کام اور ایک بوجھ اٹھانے سے انسان کے بغیر سبھوں نے عجز کا اظہار کیا - وہ عشق کا کام اور

بارِ امانت کا بوجھ تھا۔ جس کو انسان نے کرنے اور اُٹھانے کی ذمہ داری لی۔ اس کام کو پُورا کرنے کے لئے اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے اور اس عہد کی تازگی قایم رکھنے کیلئے "اَمر" کا دروازہ کھلا رہا۔

عشق۔ دیدار۔ وصال اور لِقا کا خواستگار ہے۔ مقصد عشق وصال ہے۔ امانت۔ سپرد کی ہوئی چیز کی حفاظت دیانتداری اور کامل یادگیری سے کرنا ہے۔ عشق اور امانت کے کام کو انجام تک پہنچانے کے لئے کمربستہ رہنا "بندگی" ہے۔ ورنہ بے نیاز۔ بے ضرورت آقا کی نوکری اور بندگی میں کیا لطف اور مزہ ہے۔ بے نیاز کو صِرف محبت اور پیار ہی سے خوش کیا جاتا ہے۔ باقی سب اس کے سامنے ہیچ ہے۔

عشق کا تقاضا ہے کہ عاشق محبوب کے سامنے جھکے۔ اس کے مبارک پاؤں پر سجدہ کرے۔ مال وجائیداد کی کیا بات جان تک اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دریغ نہ کرے۔ یہی "اَمر" ہیں اور ان کاموں کو بجالانا "امتثال امر" ہے۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ خیرات۔ ہمدردی کے کام۔ خدمتِ خلق وغیرہ پر غور کیجئے تو آپکو واضح طور پر معلوم ہوجائیگا۔ کہ یہ عشق کے تقاضے (امر) ہیں۔ ہروقت معشوق کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ان حکموں کی تعمیل لازمی ہے۔

امر کی تعمیل اور پابندی کے تین درجے ہیں۔ (۱) رسم کے طور پر امر کی پابندی۔ (۲) تقلیدی پابندی اور تعمیل (۳) تحقیق کی بنیاد پر امر کی پابندی اور تعمیل۔ پہلا درجہ عوام کا ہے۔ کسی کام کرنے کی رسم جاری ہوئی اور لوگ وہی کام کرنے لگے۔ تقلیدی پابندی ان عالموں کی پابندی ہے۔ جنہوں نے احکام کو کتابوں میں پڑھا اور احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے بغیر ہی تقلید کرنے لگے۔ تحقیقی پابندی محقق مردانِ خدا کی پابندی ہے۔ جو حقیقت کو سمجھکر تعمیلِ امر پر کمربستہ ہوئے۔

امر کی رسمی۔ تقلیدی اور تحقیقی پابندی اور تعمیل کرنے والے سب فیض وعطا اور رحم وکرم۔ بخشش وانعام کی امید رکھتے ہیں۔ لیکن ہر طبقہ کی اُمید میں فرق ہے۔ کیونکہ پابندی اور تعمیل امر میں فرق ہے۔

رسمی پابندی والے کبھی کبھی امر کی پابندی کرنے میں سہل انگاری۔ سستی اور لاپروائی کرنے کے مرتکب ہوسکتے ہیں کبھی کبھی نافرمانی بھی کرتے ہیں۔ ان کی اُمید مذبذب ہوتی ہے۔

تقلیدی پابندی والوں میں ریا۔ عجب وغیرہ جیسے امور کا امکان ہے۔ ان کی امید کامل امید نہیں۔ خوف کا جزو اس میں شامل ہے۔ تحقیقی پابندی والوں کا ایمان ہوتا ہے۔ کہ تعمیل امر میں مالک کی خوشنودی اور رضا ہے۔ وہ امر کی پابندی رضا۔ خوشنودی۔ مسرت اور پوری توجہ سے کرتے ہیں۔ ان کی امید۔ "امید کامل" ہوتی ہے۔ یہی دوستان خدا ہیں۔ امتثال امر کے بارے میں عارف رومی نے فرمایا ہے:۔

گر تو خواہی حرّی و دل زندگی۔ بندگی کن بندگی کن بندگی
زندگی مقصود بہر بندگی است زندگی بے بندگی شرمندگی ست
ہر کہ اندر عشق باید زندگی کفر باشد پیش او جز بندگی

یہ بندگی عشق الٰہی ہے۔ معرفت الٰہی حاصل کرنے میں مصروف اور مشغول رہنا ہے۔ اس بات کا ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ ذات باری تعالیٰ حاجات سے منزّہ اور پاک ہے۔ ہماری نمازوں سے اس کو کوئی فایدہ یا آرام نہیں ملتا ہے۔ ہماری زکوٰۃ۔ خیرات۔ صدقات سے اس کا خزانہ نہیں بھر جاتا ہے۔ ہماری بندگی۔ ہماری ہمدردی۔ ہماری خوشامد سے بے نیاز ہے۔ اس کی شان لاابالی کی شان ہے۔ ہم کیا اور ہماری بساط کیا جو ہر رنگ میں اسی کے محتاج ہیں اس کی بندگی کرنے اور اس کو خوش بنانے سے ہم ہر طریقے میں عاجز ہیں۔ اور یہی اعتراف عجز "بندگی" ہے۔ حد درجہ کی عاجزی۔ کمزوری۔ مسکنت۔ ذلّت بے نوائی اور محتاجی کو مدّ نظر رکھکر مالک کل۔ ہمہ خیر۔ ہمہ دان۔ ہمہ بین۔ ہمہ توان۔ خالق۔ ربّ۔ مولیٰ مستعان۔ غنی اور حاکم کے آگے جھکنا اور سجدہ کرنا غایتِ تذلّل سے آہ و زاری کرنا "عبادت" ہے۔ اپنی عاجزی اور کمزوری پر واقف ہو کر اداس۔ غمگین۔ حزین اور دل ملول ہو کر گوشہ نشین اور تارک الدنیا ہونا عبادت نہیں۔ مالک کی خوشنودی اور رضامندی اس میں نہیں۔ کیونکہ اگر وہ دنیا و مافیہا سے ناخوش ہوتا تو بناتا ہی کیوں۔ یہ کارخانہ جھوٹا نہیں۔ اس میں لگے رہنا بھی "امتثال امر" میں شامل ہے۔

امتثال امر کے لئے کائنات میں قانون جبلّت نافذ ہے۔ جبلّت کی رہنمائی سے اچھے اور برے۔ مفید اور مضر میں تمیز کرنا عقل کی نشانی ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عقل کا مادہ تمام کائنات میں بیشی اور کمی کی مقدار کے لحاظ سے پایا جاتا ہے لیکن تحقیقات۔ تجربہ۔ مقابلہ و مشاہدہ اور معاینہ نے ہم پر ثابت کر دیا ہے کہ ہم میں (انسانوں میں) عقل کا مادہ سب سے زیادہ ہے۔ مگر کامل نہیں۔ ناقص

ہی ہے۔ کیونکہ ہم پر کائنات کے سارے راز عقل کی کوشش سے کھلتے نہیں۔ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں کہ عقل کی رسائی وہاں تک نہیں۔ جن باتوں تک عقل کی رسائی نہیں ان کے بارے میں "امتثالِ امر" (حکم کی تعمیل اور پابندی) کیسے ممکن ہے۔

عقل کی محدود رسائی سے کسی کو انکار نہیں۔ اور اس بات سے بھی انکار نہیں کہ عقل کی سرحد کے ماورا بہت امور اور باتیں مخفی ہیں۔ ان مخفی امور کے انکشاف کا انتظام بھی "عالم الغیب" نے رکھا ہے۔ ظاہر کے ساتھ باطن کا عالم بھی وجود میں ہے۔ ظاہری حواس کے ساتھ باطنی حواس بھی ہیں ظاہری آنکھوں کے ساتھ باطنی آنکھیں بھی ہیں۔ ظاہری شنوائی کے ساتھ باطنی شنوائی بھی ہے۔ کہتے ہیں اور اسکے عالموں کا دعوٰی ہے۔ کہ کوشش اور جد وجہد سے اس باطنی عالم کا حال معلوم ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں پر خود بخود یہ عالم منکشف ہوتا ہے۔ اور اس انکشاف کو منجانب اللہ قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ جل شانہٗ نے فضل و کرم سے ان کو اس عالم سے خبر دار کیا ہے۔ خیر جو کچھ ہے۔ ضرور کچھ ہے۔ منشاءِ الٰہی سے جب باطنی آنکھ کھلتی ہے تو پردۂ غیب کی چیزوں کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جب باطنی شنوائی کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تو غیب کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اور سعادتمندوں کو یہ دو ملکے بہ یک وقت عالم غیب سے عطا ہوتے ہیں۔ اس ملکے (عالم غیب کا حال دیکھنے اور عالم غیب کی آواز سننے کی صفت) کے اعلیٰ درجے کو "نبوت" کہتے ہیں۔ یہ صفات رکھنے والا "نبی" جو کچھ کہتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے سنتا ہے اور لوگوں کو سناتا ہے۔ اور "امتثالِ امر" کی تبلیغ اور تلقین کرتا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ "ولایت" ہے۔ ولی پر بھی مخفی اسرار نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ بھی غیب کی ندا سنتا ہے۔ لیکن "نبی" کے ماتحت ہوتا ہے۔ یہ نبوت کا دعوٰی نہیں کر سکتا ہے۔ اس کا تیسرا درجہ "رویا" ہے۔ خوابوں میں حالات کا انکشاف۔ یہ عام درجہ ہے۔ اور نیکوکار صالح لوگوں کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔

ظاہر اور باطن کے عالموں کو سمجھنے کے لئے "عالم خیال" پر غور کرنا مفید ہوگا۔ ہم میں اور تمام جانداروں میں خیالات کی مشین چلتی رہتی ہے۔ دل اور دماغ خیالات کے سلسلے سے کبھی فارغ نہیں رہتے ہیں۔ آتے ہیں یہ خیالات کہاں سے؟ کس بیج سے اُگتے ہیں۔ کہاں ان کا ذخیرہ ہے؟ کہیں سے تو یہ ضرور پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہاں سے۔ یہی عالم غیب سے آنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں۔ اگر یہ خیالات روشن اور واضح ہوں۔ "الہام" ہیں۔

اکثر خیالات ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو نتیجہ خیال کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ان حالات میں ہم اسکے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ خیالات عالم غیب سے ہم پر نازل ہوتے رہتے ہیں۔

باطنی بینائی باطنی شنوائی اور روشن واضح خیالات والے سعادتمند "نبی" کہلاتے ہیں۔ جو کچھ یہ حضرات دیکھتے ہیں۔ جو کچھ سنتے ہیں۔ جو حالات ان کے دلوں پر گذرتے ہیں۔ ان میں شک و شبہ کی گنجایش نہیں ہوتی ہے۔ جو کچھ یہ فرماتے ہیں وہ سچی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ چونکہ ہم کو اس حقیقت کی علمیت نہیں ہوتی ہے۔ ہم انکاری ہوتے ہیں۔ اور یہی حقیقت "امر" ہے۔ اور نبی باواز بلند کہتا ہے۔ یہ "میرا حکم نہیں" یہ "میری باتیں نہیں" خدا کا حکم ہے۔ خدا کا فرمان ہے۔ (امر اللہ ہے) اس کی تعمیل اور پابندی لازمی ہے۔ عقل کو اس میں دخل نہیں۔ نہ عقل کی رسائی اس کے فلسفے تک ہے۔ اگر ہم میں روحانیت کی چھوٹی سی کرن ہی چمکتی ہو۔ تو ہم سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی ہے۔ کہ نبوت اور رسالت ہی سے "امر" کی اشاعت ہوتی ہے۔ اور نبیوں کے فرمودہ احکام "امر" ہیں۔ ان کی پابندی اور تعمیل "عبادت" اور بندگی ہے۔ اور جو "امر" کی پابندی کریگا۔ عاشق بنیگا۔ یا معشوق میں عمر گذاریگا۔ وہ "امیدوار" ہے۔ اس کی چشمِ امید وا ہے۔

خلوص۔ عاجزی۔ انکساری۔ فروتنی۔ عشق اور محبت کے جوش کے ساتھ نماز۔ روزہ زکواۃ۔ حج۔ صدقہ۔ خیرات۔ خدمتِ خلق۔ ذکر و فکر "امتثال امر" ہے۔ امر کی پابندی اور فضیلت کی مقدار" نماز اور ذکر اللہ (یاد خدا) میں سب سے زیادہ ہے۔ پابندی تو آسان ہے۔ ادائگی مشکل ہے۔ "اِنّھا لکبیرۃ اِلّا علی الخاشعین"۔ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع (نرمی) ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں۔ دشواریوں کو "مدنظر رکھکر" "مرد" وہی ہے۔ جو رضا و تسلیم کے ساتھ "امر الٰہی" کو سر اور آنکھوں پر رکھے۔ پابندی سے تعمیل کرے۔ پھر چشمِ امید کھولے۔

پایانِ نقدِ مرداں فقدِ خودی است ورنہ
ہرگز کسے علائی رہ را ندید پایاں

پایان = آخیر۔ انتہا۔ انجام۔ خاتمہ۔ نقد = آمادگی۔ موجودگی۔ حضوری۔

سرمایہ۔ کھرا سکہ"۔

فُقد = گم کرنا۔ گُم ہونا۔ خودی = میں بھی ہوں کا شعور۔ خود غرضی۔ اپنی ذات کا خیال۔

(دربارِ الٰہی میں) مردوں (عاشقوں اور صاحبدلوں) کی حاضری اور موجودگی (وصال مع اللہ) کی انتہا خودی (ہستی۔ میں بھی ہوں) کو کھو جانا ہے (گم کرنا ہے)

اے علائیؔ ورنہ (حقیقت میں) رستے کے انتہا اور انجام کو کسی نے نہیں پایا۔ (نہیں دیکھا) مایوسی میں گھبرانے سے بچنے اور دل کو ڈھارس دینے کے لئے یہ تسلّی بخش اور تشفی آمیز اندازِ کلام واصل باللہ ہونے کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔

قدس اللہ سرہٗ۔ فرماتے ہیں متغیر اور بدلنے والی خودی (من ہستم) کو کھو جانا غیر متغیر خودی کو پانا ہے۔ "میں" اور "تو" دوئی ہے۔ "میں" جب مٹ جائیگا۔ تو "تو" باقی رہیگا۔ اس میں کو تو میں مدغم کرنا عام عرف میں "وصال" کہلاتا ہے۔ توحید کے اسرار کے شناسا اس کو "وحدت" کہتے ہیں۔

عارفوں۔ سالکوں اور فلسفیوں نے "خودی" کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ رومی علیہ الرحمہ نے "خودی" کے ہر پہلو پر عارفانہ اور فلسفیانہ نظر ڈالی ہے۔ اس کی خوبیاں اور برائیاں بیان فرمائی ہیں۔ مرحوم ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ نے خودی کو "من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ" زیرِ نظر رکھکر بیان فرمایا ہے۔ وہ خودی کو ابھارنے۔ بیدار کرنے اور بلند کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ؛ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی کو بُلند کرنے کا مقصد اگرچہ دربار میں حضوری ہی ہے لیکن اس میں "من و تو" کی بو موجود ہے۔ خدا اور بندے کی دو ہستیاں دکھائی دیتی ہیں۔ قدس اللہ سرہٗ خودی کا بلند مرتبہ "فُقدِ خودی" فرماتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک میں سوال و جواب اور پوچھ پاچھ کا شعور موجود پایا جاتا ہے۔ دُوسرے میں "گُم" ہے۔ ایک میں دوئی پائی جاتی ہے۔ دوسری میں "وحدت کا" شعور بھی نہیں۔ وحدت میں گم۔

عارف سالک جس مقام پر خودی کو کھو جاتے ہیں وہ بے شک ایک "بلند مقام ہے"۔ لیکن انتہا نہیں۔ انجام نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسانی خودی کھو جاتی ہے اور حقیقی خودی کی کرنیں اس کی جگہ لیتی ہیں۔ حقیقی خودی کی ان کرنوں سے سالک کو محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہی سُورج کا مقام ہے۔ یہی منزلِ مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کرنیں دور سے آتی ہیں اور سورج کا مقام بہت

دور ہے۔ راستہ طویل ہے اور باقی سفر بہت لمبا ہے۔ یہ کیفیت سالک پر "فقدِ خودی" سے طاری ہوتی ہے۔

خودی کی بلندی اور ارتقا کی آخری منزل "فقدِ خودی" ہے۔ خودی کا شعور ایک خواب ہے اور فقدِ خودی کا شعور بیداری ہے۔ عاشقوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو فقدِ خودی کے قسم کے وصال کے ساتھ ہی ہجراں کی تلخی کا مزہ چکھنا نہ پڑا ہو (خیال رکھنا چاہئے کہ وصال کے بعد ہجراں کوئی معنی نہیں رکھتا ہے) روشنی کی جھلک دیکھنے کے ساتھ ہی پھر تاریکی میں بھٹکنا نہ پڑا ہو۔ یہاں تک کہ نبی اور مُرسل بھی اس دائرہ سے باہر نہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں دائمی "لِقا" کسی کو میسّر نہ ہوئی۔ اس دنیا میں لقا کی جھلکیں اگر نظر آئی ہونگی تو دوسری زندگی میں دائمی لِقا کے اسباب مہیا ہوتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ وقت آتا ہے جب دائمی لِقا اور وصال کی برکت حاصل ہوتی ہے۔ فقدِ خودی یہی ایک جھلک ہے۔ اور یہ حالت موسیٰ پر حالت ہوشیاری میں واقع ہوئی جس کے نتیجے میں بے ہوش ہو کر گرے اور قصہ ختم ہوا۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد   روی گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔

بجلی چمکی روشنی سے عالم چمکا۔ ہم تاب نہ لاسکے بے خود ہو گئے۔ خودی کھو گئی۔ چشم زدن میں معاملہ بدلا۔ (وصال کے بدلے ہجر کا سامنا ہوا) اب آنکھیں کھول کھول کر دیکھتے ہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے۔ ڈھونڈتے ہیں۔ ملتا نہیں۔

ندارد چشمِ بیدل تابِ حُسنِ بے حجابش را
کہ باشد صافیِ آئینہ شبنم آفتابش را

اُس حُسن کو حجاب کے بغیر دیکھنا آسان نہیں۔ یہ ایک خیال ہے۔ گمان ہے۔ وہم ہے۔ اگر میں کہوں۔ میں نے اس بے مثال حُسن کو دیکھا۔

در رہِ عشق نشد کس بہ یقیں محرمِ راز۔
ہر کسے بر حسبِ فہم گمانے دارد

عشق کے راستے میں کوئی شخص یقین کے ساتھ محرمِ راز نہ ہوا۔ ہر ایک اپنے فہم کے مطابق گمان کرتا ہے۔

بلبلِ شیرازی نے اس راستے کے بے پایاں ہونے کو کس بلند پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

اپنی اپنی سمجھ بوجھ کی استعداد کے مطابق ہر ایک گمان کرتا ہے۔ مولوی رومؒ نے ہاتھی اور اندھوں کی مثال پیش کی ہے۔

فقد خودی کا مرحلہ اعتراف "مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ" کا شروع ہے۔ جیسا تم کو پہچاننا چاہئے تھا۔ ہم نے ویسا نہیں پہچانا۔ یہ درجہ "عبودیت" کی انتہا ہے۔ عجز کا اعتراف ہے۔ پہچان ہی سے یقین ہے۔ اور یقین ایمان ہے۔ یقین کے درجے ہیں۔ علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین۔ "یقین" کسی بات کو اس طرح سچ جاننا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ تین کو چار کوئی تسلیم نہیں کریگا۔ تین دکھا کر تین کو چار ہونے کا یقین ہم کسی کو نہیں دے سکتے ہیں۔ تین کا یقین "حق الیقین" ہے۔ حق الیقین کے لئے علم الیقین اور عین الیقین سے امداد لی جاتی ہے۔ مثلاً ہم نے سنا فلانی شخص فلانی فن میں باکمال ہے۔ یہ علم الیقین ہے۔ ہم نے اس کو دیکھنے کا ارادہ کیا۔ سفر کی تیاری کی روانہ ہوئے اُس سے ملاقات کی یہ عین الیقین ہے۔ جس فن میں اس کو کمال ہے۔ اس کی تحقیقات کی اور جیسا ہم نے سُنا تھا۔ ویسا ہی پایا۔ یہ حق الیقین ہے۔ اب ہم میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ دلایل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

یہ طریقہ "محدود ذات" پر یقین کرنے کا ہے۔ "لا محدود ذات" کو اس طرح پرکھنا اور پھر یقین کا درجہ حاصل کرنا آسان نہیں۔ ذاتِ حق لا محدود ہے۔ لا محدود ہی نہیں بلکہ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" ہے۔ اب تحقیق کریں تو کسطرح کریں۔ حجاب پر حجاب ہیں۔ نزدیک سے نزدیک۔ دور سے دور ہمارے ساتھ اور ہمیں معلوم نہیں۔ یہ معمّا ہے۔ عقل چکرا آتی ہے۔ خیال کے پر گر جاتے ہیں۔ ہوش اُڑ جاتا ہے۔ ایک اُمید۔ ایک آرزو اور تمنّا کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔ ہم لا محدود نہیں یا وہ محدود بنے تاکہ آپس میں مل سکیں۔ وہ ہمارا بنے یا ہم اس کے بنیں تاکہ ایک دُوسرے سے پیار کریں۔ اس خیال کا پیدا ہونا۔ دل میں محبت کی چنگاری پڑتی ہے۔ جب یہ چنگاری سلگتی رہتی ہے۔ تو آتش عشق بھڑک اٹھتی ہے۔ محبت عشق میں تبدیل ہوتی ہے۔

محبت عشق کی صورت میں جب تبدیل ہوتی ہے
گداز عشق سے عقلِ بشر تحلیل ہوتی ہے

عشق محدود ہستی کو تحلیل کر کے لا محدود ہستی میں ملاتا ہے۔ اور بغیر عشق کے اور کوئی کیمیائی نسخہ نہیں جو اس اکسیر کا عمل کرے۔ آتش عشق سے کثیف لطیف بنتا ہے۔ اور لطافت بھی اسی

قسم کی پیدا ہوتی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اجسام مکتسبہ۔ طے مکاں وغیرہ اسی لطافت کے کرشمے ہیں۔

عشق عاشق سے معشوق کی بندگی کرانا چاہتا ہے۔ ہر وہ کام جس سے معشوق خوش ہو کر مہربان بنے۔ قریب بنے اپنے پاس آنے دے۔ اور عاشق کا بھی یہی مقصد اور مدعا ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے معشوق رضامند ہو جائے۔ جفا سے باز آئے۔ وفا کا دم بھرے۔ لیکن معشوق ہر حالت میں اپنے آپکو عاشق سے بالاتر خیال کرتا ہے۔ عاشق پر رحم کرے۔ عاشق کی دلجوئی کرے۔ مہربانی سے پیش آئے۔ ہمنشیں بنائے۔ بھیدوں اور سرّوں کا واقف بنائے سب کچھ بنائے لیکن معشوقانہ طرزِ عمل میں زیادتی ہی ہوتی ہے کمی نہیں۔ آقائی اور بندگی میں جو طریق عمل ہے وہ جاری رہتا ہے۔ دیکھئے قرب کے مقام پر "اِنّی اَنَا عَبدُاللہ" کہا اِنّی اَنَا اللہ نہیں فرمایا۔ "اِنّی اَنَا اللہ" کی سترا شریعت نے قتل رکھی ہے۔

فقدِ خودی کے مقام پر "اِنّی اَنَا اللہ" کا تصور ہر سالک کو ہوتا ہے۔ لیکن مرشدِ کامل کی توجہ اور معشوق حقیقی کی مہربانی سے عاشق ہوش میں آتا ہے۔ توبہ و استغفار کرتا ہے۔ زیادہ فرمانبردار بننے کا عہد کرتا ہے۔ جسقدر قرب کا رتبہ بلند ہوتا جاتا ہے اسی قدر بندگی اور عبودیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

فقدِ خودی کے مقام کو پانے کے لئے تعینات کی سیڑھی کو چڑھنا ہے۔ اس کے پائے یوں تو بے شمار ہیں جن میں سے سات مشہور ہیں:۔ لاتعین۔ تعین اول۔ تعین دوم۔ روح۔ مثال۔ قلب اور جسم یا احدیت۔ وحدت۔ واحدیت۔ ارواح۔ امثال۔ قلب اور اجسام۔ عالم اجسام کا علم ہر ذی حس کو ہو سکتا ہے۔ اس میں حواس کی کمی۔ زیادتی اور اعتدال کو دخل ہے۔ اس لئے ہر شخص کو عالم اجسام کی یکساں واقفیت نہیں ہو سکتی ہے۔ قلب کا تعلق عالم اجسام اور عالم امثال کے ساتھ ہے۔ اسواسطے ان دونوں سے متاثر ہوتا ہے۔ عالم مثال اور عالم ارواح دونوں عالم صورت ہیں۔ یہ عالم اجسام سے لطیف ہیں۔ اور لطافت باعثِ امتیاز ہے۔ سالک ان کی کیفیات سے ایک حدتک آگاہ ہوتے ہیں۔ عالم ارواح لطیف تر ہے۔ اس کی کیفیتوں سے آگاہ ہونا کوشش سے ممکن ہے۔

عالم ارواح۔ قلب۔ مثال اور اجسام کو مراتب "عین شہودی" کہتے ہیں۔ واحدیت۔ وحدت اور احدیت کو مراتب "علم غیبی" کہتے ہیں۔ لاتعین (احدیت) کا مرتبہ وہ ہے۔ جہاں "اللہ" کہنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ کہنا تعین ہے۔ اور اس میں صفات۔ اسما۔ علم۔ ارادہ۔ قدرت۔

سمع - بصر - کلام اور حیات مرتبہ کو معین کرتے ہیں -

فلسفیوں اور سائنس کے عالموں کو معرفت اجسام سے آگے نہ بڑھنے نے "مادہ پرست" بنا دیا - عالمِ مثال کی معرفت کشف و کرامات اور شعبدہ بازی تک محدود ہے - عالم ارواح میں رک جانا "مجذوبی" کا سبب ہے - تعین دوم اور تعین اول کی معرفت (شناسائی) رکھنے والے "عارف سالک" ہیں - اسی مرتبہ میں "فقد خودی" کی حالت پیش آتی ہے - یہ بندہ کی اعلیٰ ظرفی کا امتحان ہے - "مقام محمدی" ہے - اقرار عبودیت اور دعوائے الوہیت کا مقام ہے - محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر "انا عبد اللہ" پکار اٹھتا ہے - دوسرے بے ہوش ہو محوبیت میں - انا الحق - سبحانی ما اعظم شانی - من خدا یم من خدا کا نغمہ گاتے ہیں - وسیع القلبی اور عالی ظرفی کا مقابلہ فرمائیے - یہی شان محمدیؐ ہے -

جاننا چاہئیے کہ مراتب کی سیڑھی کے ان پایوں پر چڑھنا "معراج" کہلاتا ہے - یہ سیڑھی اور اس کے پائے کلمۂ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا بصارت افروز اور ظلمت زدا سرمہ لگانے سے نظر آتے ہیں -

اختصار میں عرض ہے :- لا مرتبہ لاتعین - اِلٰہ مرتبہ تعین اوّل - الا اللہ تعین دوم محمد مرتبہ ارواح - رسول مرتبہ مثال - اللہ قلب و جسم -

اَللہ محمد الرسول اللہ - اوّل بھی اللہ - آخر بھی اللہ - اس کی معرفت "فقد خودی" کے مقام ہوتی ہے - واللہ اعلم بالصواب -

غزل نمبر ۱۹

از کنارِ خویش مے یابم دمادم بوی یار
زاں ہمے گیرم بہر دم خویشتن را در کنار

کنار = آغوش - گود - بغل - دمادم = ہر وقت -

میں اپنی گود (آغوش) سے ہر وقت یار (معشوق) کی بو پاتا ہوں - اسی واسطے میں اپنے آپکو ہر دم آغوش میں پکڑتا ہوں (لیتا ہوں)

مجھے اپنے آپ سے معشوق کی بو آتی ہے - کہ معشوق مجھ سے ملا ہے - اور اس نے مجھے گلے لگایا ہے - ورنہ یہ بو کہاں سے آتی - تو میں اس خوشی سے اپنے آپکو گلے لگاتا ہوں - اپنے آپ کو پیار کرتا ہوں - "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" (اور اس (آدم) میں اپنی

(طرف سے) جان ڈالدوں) ملایکوں سے خطاب ہے، "میں اس میں اپنی جان ڈالدوں۔ یہ بوی یار ہے۔ سجدۂ تعظیم کی وجہ یہی روح ہے۔ جس کا حکم ملکوں کو ملا۔ ہم کو اپنی محبت جو ہے۔ وہ اسی بو (روح الہی) کی وجہ سے ہے۔

چوں کنارم را میانے نیست زاں در حیرتم
کاینچناں نازک میانے ہست دایم در کنار

کنارہ = دریا کا ساحل۔ کسی چیز کا انجام۔ دائرہ کا محیط۔
در کنار = گود میں۔ بھلا۔ میاں = کمر۔ درمیانہ۔

جب میرے کنارے کا میانہ (مرکز) نہیں تو میں اسی سبب سے حیرت میں ہوں کہ ایسا نازک کمر معشوق ہمیشہ میرے کنار (آغوش) میں ہے۔

میرے آغوش کا مرکز ہی نہیں تو میں حیراں ہوں کہ ایسا نازک کمر معشوق میری گود میں ہمیشہ کیونکر ہے۔ گود میں آغوش میں عموماً کمر (میانہ) سے لیتے ہیں۔ جس کی کمر ہی نہ ہو۔ اس کو گود میں لینا۔ اس کا آغوش میں رہنا حیرت انگیز نہیں تو اور کیا ہے۔

چوں کنارم را میانے نیست پیدا ہر زماں
درمیان خون دل جانم ہمے گیرد کنار

جب میرے کنارے کا مرکز ہی ظاہر نہیں (معلوم نہیں) تو اسی لئے دل کے خون کے بیچ میں میری جاں گوشہ گیری کرتی ہے۔ ہر بات کا دار و مدار مرکز پر ہے۔ مرکز کی اہمیت بہت بڑی ہے۔ حکومت ہو۔ سوسائیٹی ہو۔ انجمن ہو۔ تجارت ہو۔ فقیری اور سالکی ہو۔ یا کوئی اور بات ہو۔ مرکز کے بغیر کامیابی سے کام سرانجام نہیں دے سکتے۔ کمر مرکز ہے۔ موی میاں ہو۔ نازک میاں ہو۔ یا لطیف تر خیالی میاں ہو۔ مرکز کا کھونا اور ہاتھ نہ لگنا باعث حیرانی اور پریشانی ہے۔ پریشانی سے جان جگر کا لہو پیتی ہے۔ اور خون دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

نے میانش را کنارو نہ کنارم را میاں
درمیاں آتش عشقش نمے یابم کنار

نہ اس کے میاں (کمر۔ مرکز وحدت) کو کنارہ (ساحل۔ انجام۔ دایرہ محیط) ہے اور نہ میری کنار کا میاں ہے۔ (اور میں) اس کے عشق کی آگ میں (سے) کنارہ (نجات)

نہیں پاتا ہوں۔

نقطہ وحدت جو مرکز ہے۔ بلا کنارے کے ہے۔ اس کا انجام نہیں۔ مرکز سے جو دائرہ کھینچا جاتا ہے۔ محیط اس کا کنارہ ہوتا ہے۔ لیکن اس وحدت کے نقطہ کا کنارہ ہی نہیں۔ اسطرح اس کے عشق کی آگ جو ہے اس کا بھی میان (مرکز) ضرور ہے۔ فرماتے ہیں میں عشق کی آگ کے بیچوں بیچ (مرکز) میں پھنسا ہوں۔ اور مجھے اس سے کنارہ نہیں ملتا ہے۔ (اس سے بچ کر نکل جانا۔ وہ عمل میں نہیں لا سکتا ہوں۔ اس لئے اسی میں جلتا رہتا ہوں)

ہر کنارست آنکہ سودائے میانش در سر است

از میاں آں خورد بر گر شود خود بر کنار

کنارے پر وہ ہے جس کے سر میں اس کے میاں کا خیال اور جنوں ہے۔ میاں سے اس نے فایدہ کھایا (اٹھایا) جو آپ ہی (اپنے آپکو) کنارے پر ہو جائے۔ (اپنے آپ سے الگ ہو جائے)

سمندر کے ساحل اور کنارے پر جو ہو گا وہ گرداب اور طوفان سے محفوظ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں جس کو مرکز وحدت (نقطہ وحدت) میاں کا خیال ہے۔ جس کے سر میں وحدت کا جو "میانہ" ہے اور میاں ہے عالم بود کا جنوں اور سودا ہے۔ وہ تمام خطرات سے (وسوسوں سے) محفوظ ہے۔ کنارے پر ہے۔ اور اس کنارے پر ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ سے کنارہ کش ہو جائے۔ جسم و جان کا خیال چھوڑ دے۔

نیست کس را از میانش جز کنار اندر دو کوں

از میان اینچنیں دولت کسے جوید کنار

دو دنیاؤں میں (دنیا اور آخرت میں) کسی کو اس کے میاں سے کنار (جدا) ہونے کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ اس دولت کے بیچ میں سے کون کنارہ ڈھونڈتا ہے۔ (اس دولت (عرفاں اور عشق کی دولت) سے کون جدا ہونا چاہتا ہے۔) مرکز وحدت سے ہر ایک دور ہے۔ لیکن کوئی نہیں جو اس سے جدائی اور دوری چاہتا ہے۔ ہر ایک کی کوشش ہے کہ مرکز پر پہنچے اور مرکز کی حکومت میں شامل ہو کر اس دولت سے فیضیاب ہو جائے۔

از میانش گر علی بوئی بیافتے
در خیال آں میاں از خویش گشتے برکنار

اس کے میاں (وحدت کے نقطہ) سے اگر علی اس کے میاں (وحدت) کی بُو پاتا۔ تو اس میاں (مرکز وحدت) کے خیال سے اپنے آپ سے جُدا ہو جاتا۔ فرماتے ہیں اگر میں نے وحدت (جو مرکز ہے اور کمر ہے) کی بُو ہی پائی ہوتی۔ تو میں اپنے آپ سے کنارہ کش ہو جاتا۔ دنیا اور دوسروں سے کنارہ کش ہونا سالکوں اور عارفوں کے پاس مشکل نہیں۔ لیکن اپنے آپ سے کنارہ کش ہونا کارے دارد ہے۔ اور میں اتنا مشکل کام صرف "بو" پانے سے کرتا۔ (نوٹ) اس غزل میں "کنار" اور "میاں" کے لفظوں کی تشریح ہے۔ قدس اللہ سرہ نے ان دو لفظوں میں کیا خیالات بھرے ہیں ان کو میں درستی سے ادا نہ کر سکا۔ ارباب شوق سماع کے دلدادہ صاحبدلوں سے ان کے معنی اور مقصد کو پوچھکر اپنی تشفی کریں۔

غزل نمبر ۲۰

عاشقاں عکس رخت از ہمہ اشیا بینند
سرِّ سودای تو از سینہ ہویدا بینند

ہویدا = ظاہر۔ عیاں۔

عاشق تیرے رخ کے عکس کو تمام چیزوں سے (میں) دیکھتے ہیں۔ تیرے عشق (سودا) کے سرّ (بھید۔ راز) سینہ سے عیاں دیکھتے ہیں۔ (عاشقوں کو تمام چیزوں میں تیرے رخ کا عکس نظر آتا ہے) تمام چیزوں میں تم کو دیکھتے ہیں اور تیرے عشق کا جو راز ہے وہ ان کے پاس راز نہیں کیونکہ وہ اپنے سینوں میں اس راز کو عیاں طور پر دیکھتے ہیں۔ عاشقوں سے اسرار پوشیدہ نہیں۔ آمنے سامنے اگر نہیں دیکھتے ہیں لیکن ہر چیز میں تمہارے عکس کو دیکھتے ہیں۔ مخلوق سے خالق پہچاننے کی دلیل ہے۔

ہر کرا یک نفسے با تو مہیّا گردد
دو جہاں پیش درش عیش مہنّا بینند

مُہیّا = میسّر۔ حاصل۔ مہنّا = خوشگوار۔ ہاضم

جس کسی کو ایک سانس (لمحہ) تیرے ساتھ (ملنے کا) میسّر ہو جائے۔ دونوں دنیا اس کے دروازہ (چوکھٹ) کے آگے خوشگوار عیش دیکھتے ہیں۔

جس سعادتمند کو تیرے ساتھ لمحہ بھر ملنے کا موقع حاصل ہوا ہو عاشق اس کے دروازے پر دو جہانوں کے خوشگوار عیش کو دیکھتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی دولت اس سے ملنے کی دولت ہے۔ جب دولت ملی تو عیش کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ عاشق خوشگوار عیش کا سامان اسی دولت کے ملنے پر مہیّا ہونے کا ایمان رکھتے ہیں۔

خاک راہے کہ سگِ کوئے تو بر وی گذرد
توتیائے رمدِ دیدہ بینا بینند

توتیا = سُرمہ۔ نیلا تھوتھا جس سے آنکھ کے لئے دوائی بناتے ہیں۔
رمد = آشوبِ چشم۔ آنکھ کی بیماری۔ دردِ چشم

اس راستے کی مٹی کو جس پر سے تیرے کوچے کا کتا گذرے۔ بینا آنکھوں کی بیماری کے لئے (اس مٹی کو) سرمہ (علاج) دیکھتے ہیں۔

تیرے کوچے کی مٹی نہیں۔ تیرا کتّا نہیں بلکہ تیرے کوچے کا آوارہ گرد کتّا جس راستے سے آوارہ گردی میں چلتا ہے اس راستے کی مٹی کو عاشق چشم بینا کے دُکھ کا سُرمہ (علاج) مانتے ہیں۔ دل کی آنکھ کو چشم بینا کہتے ہیں۔ جس سے باطنی بینائی ہوتی ہے۔ تیرے کوچے کی مٹی کی خاصیت جس پر سے تم چلتے ہو یا تیرا کتّا چلتا ہے کون بیان کر سکتا ہے۔

دردِ عشقش کہ حمایت گرِ ہر درمان است
خوشتر از مایدۂ جنتِ ماوی بینند

حمایت گر = مدد کرنے والا۔ درماں = دوائی۔ دارو
مائدہ = دسترخواں۔ نعمت۔ ضیافت اور لذیذ کھانوں سے بھرا ہو۔
ماویٰ = جائے پناہ۔ لوٹنے کی جگہ۔ جنّتُ الماویٰ۔ ایک جنّت کا نام ہے۔

اُس کے عشق کی بیماری جو ہر دوائی کی مددگار ہے۔ (ہر دوائی کے اثر کو تیز کرتی ہے) جنّت ماویٰ کے (ضیافتوں سے بھرے ہوئے) دسترخوان سے زیادہ خوشگوار پاتے ہیں۔ عاشقوں کو عشق کی بیماری ہر دوائی کے اثر میں مدد کرنے والی اور ہر بیماری کو دُور کرنے والی نظر آتی ہے۔ اور اس (عشق کی) بیماری کی لذّت اور خوشگواری جنّت الماویٰ کی نعمتوں سے بڑھکر دکھائی دیتی ہے۔ جنّت الماویٰ میں دو باتیں ہیں۔ امن واماں اور کھلا دسترخواں۔

بے خوف رہ کر جو چاہو کھاؤ۔ کوئی لذیذ نعمت نہیں جو وہاں نہیں لیکن عاشقوں کو عشق کے دکھ کی نعمت کے برابر کوئی نعمت دکھائی نہیں دیتی ہے۔

آتش کز غم تو رخت دل و جان سوزد
از فروغ شررش نور تجلّی بینند

رخت = ساماں - اسباب - کپڑے۔
فروغ = روشنی - چمک۔ شرر = آگ کی چنگاری۔
تجلّی = ظاہر ہونا۔ جلوہ دکھانا - پردہ ہٹانا۔

وہ آگ (جو) تیرے غم سے (عشق سے) دل اور جاں کے ساماں کو جلاتی ہے: اس (آگ) کی چنگاری کی روشنی (چمک) سے خدائی نور (تجلّی) کو دیکھتے ہیں۔ عاشق تیرے غم کے اس آگ کی چنگاری کی چمک سے جو جان و دل کے ساماں کو جلاتی ہے۔ تجلی الٰہی کے نور کو دیکھتے ہیں۔ حضرتِ موسیٰؑ نے رات کے اندھیرے میں دور سے جلتی ہوئی آگ دیکھی۔ رات تاریک اور ٹھنڈی تھی۔ اہلیہ کو فرمایا۔ میں آگ کی چنگاری لاؤنگا۔ تاکہ آگ سلگا کر سردی سے بچ جائیں۔ نزدیک پہنچے تو دیکھا ایک جھاڑی سے آگ کی روشنی آتی ہے۔ مگر جھاڑی جلتی نہیں۔ اتنے میں آواز آئی۔ انی انا اللہ۔ یہ روشنی "نورِ تجلّی" تھی۔ عاشقوں کے دلوں میں عشق کی آگ جو سلگتی رہتی ہے۔ اسی آگ کی چنگاری سے وہ نورِ تجلّی دیکھتے ہیں۔ جلوہ الٰہی کا نور دیکھتے ہیں۔

از وجوہِ سنریہم خطِ اسما خوانند
پس بہ تحقیق ہمہ عیں مسمیٰ بینند

وُجوہ = جمع وجہ = چہرے - منہ - وجوہات - دلایل۔
سُنریہم = عنقریب دکھادیں گے۔ اسما = اِسم کی جمع = نام۔
مسمّیٰ = نام رکھا گیا؛ عیں = خاص - پورا - بالکل

سنریہم کے چہروں سے ناموں کے خط (تحریر - فہرست) کو پڑھتے ہیں پھر تحقیق (چھان بین) کر کے خاص (درست طور پر) نام والے کو دیکھتے ہیں۔ وجوہِ "سنریہم آیٰتنا فی الآفاق وَفِی اَنفسِہم حتّیٰ یتبیّن لہم انہ الحق؟" (ہم عنقریب اِن کو اپنی نشانیاں اِن کے گرد نواح میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ

وہ حق (سچ) ہے۔) خط اسماء" وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا" (خدا کے اچھے نام ہیں۔ وہ (نام) لیکر اس کو پکارو)

عین مسمّیٰ ذات حق ۔ عاشقوں کو خدا آفاق کی نشانیاں اور وہ نشانیاں جو ان کے اپنے آپ میں ہیں دکھاتا ہے۔ ان نشانیوں سے ان پر واضح ہوتا ہے کہ وُہ "حق" ہے ۔ قدرت کاملہ کے ان نشانیوں (کاموں) سے وہ اس کے ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ رحم و غضب ۔ عفو و کرم ۔ جبر و قہر کے مختلف کاموں کو دیکھکر اس کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں ۔ اور ان ہی ناموں کے ذریعے اس کی ذات کو دیکھتے ہیں۔

ہر چہ ہست آں ہمہ آئینہ ذاتت دانند
روی مقصود در آں آئینہ پیدا بینند

جو کچھ ہے اس سارے کو تیری ذات کا آئینہ جانتے ہیں۔ اور اس آئینہ میں مقصد اور مراد کے منہ کو ظاہر (طور پر) دیکھتے ہیں ۔ عاشقوں کے لئے کل کائنات آئینہ ذات الٰہی ہے۔ اور عاشق ہر ذرے میں مقصود (معشوق ۔ خدا) کے منہ کے عکس کو دیکھتے ہیں۔ آئینہ پر جس چیز کا عکس پڑے وہ چیز اس میں دکھائی دیتی ہے۔ کائنات ذات کا آئینہ ہے ۔ اور اس میں ذات کا عکس ہے ۔ وہ آئینہ میں نہیں ۔ آئینہ میں اس کا عکس ہے۔ اسواسطے یہ کہنا اُس میں خدا ہے۔ یا اس میں خدا ہے۔ مجھ میں خدا ہے ۔ درست نہیں ۔ اس کی ہستی جُدا ہے۔ اور کائنات آئینہ ہے۔ جس میں اس کا عکس ہے۔ چشم بینا کو ہر ذرہ میں اس روی کا عکس نظر آتا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے۔ کہ عکس کو دیکھنا اصل شی کو دیکھنا ہے۔ اور عکس کے دیکھنے سے اصل شی دیکھنے کا شوق بہت بڑھ جاتا ہے۔

عوُد جاں را ہمہ شب سوختہ در مجمر شوق
دم خوشبوی صبا در دل ازاںنجا بینند

عوُد = رال ۔ چیڑ کا گوند ۔ کشمیری میں وُدہ ۔
مجمر = عود جلانے کی انگیٹھی ۔ عودسوز ۔
صبا = صبح کی ہوا۔

شوق (عشق) کی انگیٹھی میں ساری رات جان کے عوُد کو جلا کر بادِ صبح کی خوشبو دار ہوا کے سانس کو اپنے دل میں اسی جگہ سے دیکھتے ہیں (سونگھتے ہیں) عاشق ساری رات کو بیدار رہ کر

یاد الٰہی میں سرگرم رہتے ہیں۔ عشق کی آگ میں جان کو جلاتے ہیں۔ صبح کے وقت ان کے دلوں کو فرحت اور راحت کی بو تازہ کرتی ہے۔ صبح کو اسی لئے اجابتِ دعا کا وقت مانا جاتا ہے۔ اور صبح وصال شب ہجراں کا خاتمہ مانی جاتی ہے۔

دستِ ہمّت بہ بد و نیک جہاں نالایند
چو دل از ہر چہ دو رنگ است مبرّا بینند

ہمّت = دلیری۔ جوانمردی۔ عالی حوصلگی۔
آلائیدن = تھترانا۔ آلودہ کرنا۔ مُبرّا = پاک۔ بیزار۔

ہمّت (جوانمردی۔ استغنیٰ) کے ہاتھ کو دُنیا کے بُرے لوگوں اور اچھے (لوگوں) سے آلودہ نہیں کرتے ہیں۔ جب دل (کو) اس تمام سے جس میں دورنگی ہے۔ (نیک و بد ہے) پاک اور بیزار دیکھتے ہیں۔

عاشق اپنے ہمت کے ہاتھوں کو دُنیا کے اچھّے اور بُرے سے آلودہ نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے دلوں کو ہر قسم کی دورنگی سے بیزار پاتے ہیں۔ عاشقوں کے دل صاف اور پاک ہوتے ہیں ان کے دلوں میں کفر و دین۔ نیک و بد کی تمیز باقی نہیں رہتی ہے۔ ان کے سامنے سب یکساں ہے۔ اسی واسطے یہ لوگ نہ نیک سے کچھ مانگتے ہیں اور نہ بد سے۔

سالکان توشہ این راہ عنا ساختہ اند
دولتِ آخرت از محنتِ دنیا بینند

توشہ = زادِ راہ۔ راستے کا سامان۔ خور دو نوش کا سامان۔
عنا = مشقت۔ دُکھ۔ تکلیف۔

سالکوں نے مشقت و محنت کو اس راستے (عشق اور سلوک کے راستے) کا زادِ راہ (راستہ کا خرچ) بنایا ہے۔ دنیا کی محنت (دُکھ مصیبت۔ ریاضت) سے آخرت (دوسری دُنیا۔ مرنے کے بعد کی دنیا) کی دولت (ملنے کا انتظام) دیکھتے ہیں۔ الدّنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ یہ دنیا آخرت کا کھیت ہے۔ کھیت سے فصل اور پیداوار حاصل کرنے کے لئے محنت و مشقت ذرایع ہیں۔ کھیت بھی ایک ذریعہ ہے۔ ان ذرایع پر دل و جان سے کام کرنے کا مدعا حصولِ پیداوار ہے۔ حصولِ دولت ہے۔ کسی کام پر محنت و مشقت کرنے وقت کام کے انجام پر جو فایدہ ہوگا۔ جو اجرت ملیگی اسی پر کارکن کی نظر ہوتی ہے۔ دُنیا کی محنت سے آخرت کی دولت ملنے کا اصول بھی یہی ہے۔ آخرت کی دولت کیا ہے؟ جنّت اور جنّت کی نعمتیں۔ اطمینان۔ سکون

اور راحت ؟ عاشق کے لئے ان سے بڑھکر دولت جو ہے۔ وہ "دیدار یار" لقااور وصال ہے۔

در پلاس تعب فقر بد و میلنا زند
کز بلادِ غم او روح مسیحا بیند

پلاس = موٹا کپڑا۔ بالوں کا موٹا کھردرا ٹاٹ۔
تعب = تکلیف ۔ سختی ۔ فقر = فقیری ۔ درویشی ۔ غریبی ۔
بلاد = جمع بلد = شہر ۔

فقیری اور مسکینی کی سختی اور تکلیف کی گدڑی (پلاس) میں اس کے ساتھ ناز کرتے ہیں۔ (کیونکہ) اس کے غم (عشق) کے شہروں سے مسیحا (عیسیٰؑ) کی روح دیکھتے ہیں۔
مسیحؑ کی سادگی۔ غریبی اور حلیمی علاوہ جو کی تھی۔ روح مسیحا کیا تھی ؟ روح اللہ اور اس میں حیات بخش صفت موجود تھی۔ ان عاشقوں کو وہی روح نظر آتی ہے۔ اور یہ عاشق بھی روح اللہ کے کام کرتے ہیں۔ کر سکتے ہیں۔ اس گدڑی میں اگر وہ اس کے ساتھ ناز کریں تو بجا ہے۔ یہ روح نے کے مقابلے کوئی سختی کیا ہے۔؟

حُفّت الجنۃ چو کرد است علائی تحقیق
از پس رنج و تعب گنج مکافا بینند

حُفّتِ الجنّۃ = عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال۔
لمّا خلق اللہ الجنّۃ۔ قال لجبرئیل اذھب فانظر الیھا۔ فذھب فنظر الیھا والی ما اعدّ اللہ لأھلھا فیھا۔ ثمّ جآ۔ فقال ای ربّ وعزّتک لا یسمع بھا احدٌ الا دخلھا۔ ثمّ حفّھا بالمکارہ۔ ثمّ قال یا جبرئیل اذھب فانظر الیھا۔ قال۔ فاذھب فنظر الیھا۔ ثمّ جآء فقال۔ ای ربّ وعزّتک لقد خشیت ان لا یدخلھا احدٌ۔ قال۔ فلمّا خلق اللہ النّار۔ قال یا جبرئیل اذھب فانظر الیھا۔ قال۔ فذھب فنظر الیھا۔ ثمّ جآء۔ فقال ای ربّ وعزّتک لا یسمع بھا احدٌ فیدخلھا۔ فحفّھا بالشہوات۔ ثمّ قال یا جبرئیل اذھب فانظر الیھا۔ قال۔ فذھب فنظر الیھا۔ فقال ای ربّ وعزّتک لقد خشیت ان لا یبقیٰ احدٌ الّا دخلھا۔ رواہ الترمزی۔ وابو داؤد۔ والنسائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الخلق الجنّۃ والنّار)

تعب = سختی ۔ تکلیف ۔ مکافا = کفایت کرنے والا ۔ بے اندازہ ۔ بہت بڑا ۔

علائی نے جب "حفّت الجنّۃ بالمکارہ" (جنّت کو شرعی تکلیفوں۔ سختیوں۔ نفس کشی کے کاموں اور ان باتوں سے سجایا گیا ہے۔ جو نفس کے لئے دشوار اور ناپسند ہیں) کی حدیث کی تحقیق کی ہے۔

اور اس کو دوست پایا ہے۔ (تو) پھر رنج۔ تکلیف کے بعد (عاشق) ایک بڑے خزانے کو پاتے ہیں۔ یہ بڑا خزانہ رحمت الٰہی کا خزانہ ہے۔ جنّت کا خزانہ ہے۔ دیدار کا خزانہ ہے۔ حفّت النّار بالشہوات۔ (جہنّم کو شہوتوں سے سجایا گیا ہے۔) دُوسری حدیث ہے۔ "وإن الآخرة الیوم محفوفة بالمکارہ وان الدّنیا محفوفة باللذّات والشہوات"

اُوپر کی حدیث کا ترجمہ ہے۔ جب خدا نے جنّت پیدا کی جبرئیل کو کہا۔ جاؤ اس کو دیکھو۔ وہ چلا گیا اور اس کو دیکھا۔ وہ بھی دیکھا جو جنّتیوں کے لئے اسمیں تھا۔ واپس آ کر عرض کی۔ عزّت والے رب کوئی نہیں جو اس کا حال سنیگا۔ اور اس میں داخل نہ ہوگا۔ پھر خدا نے اس کو نفس پر ناپسند ہونے والے کاموں اور سختیوں سے آراستہ کیا۔ جبرئیل کو کہا جاؤ اور دیکھو وہ چلا گیا اور دیکھکر واپس آیا۔ التماس کی اب مجھے ڈر ہے کہ کوئی بھی اسمیں داخل نہ ہوگا۔

جب خدا نے جہنّم کو پیدا کیا۔ جبرئیل سے کہا جاؤ اور دیکھ کر آؤ۔ وہ چلا گیا اور دیکھکر آیا۔ عرض کی۔ عزّت والے رب کوئی نہیں جو اس کا حال سنیگا اور اس میں داخل ہوگا۔ پھر خدا نے جہنّم کو شہوتوں اور لذّتوں سے سجایا۔ جبرئیل سے کہا جاؤ دیکھکر آؤ۔ وُہ دیکھکر آیا۔ التماس کی عزّت والے رب مجھے ڈر ہے۔ کہ کوئی باقی نہیں رہیگا جو اس میں داخل نہ ہوگا۔

غزل نمبر ۲۱

اے خوش آندم کایں دِل از غوغا قدم بیروں زند
در فضائے قدسیاں جاں خیمہ بر گردوں زند

غوغا = آدمیوں کا بڑا بھاری گروہ۔ شور۔

کیا ہی خوش ہے وُہ گھڑی جب یہ دِل (جان) آدمیوں کے اس جم غفیر سے قدم باہر رکھیگا۔ (اور) جان قدسیوں (مقدس عالم ارواح) کی فضا میں آسماں پر خیمہ لگائیگا۔

سالک اور عارف اس دُنیا سے انتقال کرنے کو مبارک ساعت (گھڑی) مانتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ رُوح موت کے بعد قدسیوں کے ساتھ مِل جاتی ہے۔ اور فرشتوں اور ارواح مقدسہ کے ساتھ اس کے دربار میں داخل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بغیر تمام مذہب والے عموماً بڑے آدمیوں کے "جنم دن" مناتے ہیں۔ جنم دن تیوہار پر خوشی مناتے ہیں۔ وفات کے روز رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ مُسلمان جنم دن کو (روزِ ولادت کو) نہیں مناتے ہیں۔ روزِ وفات کو مناتے ہیں۔ ماتم نہیں کرتے ہیں۔ خوشی مناتے ہیں۔ میلے لگتے ہیں۔ نعت خوانی منقبت خوانی اور سماع و سرود کی محفلیں قایم کرتے ہیں۔ یہ خوشی اس بات کی ہے۔ کہ بزرگ۔ صاحبدل۔ وَلی دُنیا کے دارالمحن سے نجات پاکر قدسیوں کے ساتھ جا ملا۔

اور واصل باللہ ہوا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ عاشق کو معشوق کا وصال حاصل ہوا۔ عاشق معشوق کے وصال پر شادیانہ کرتے ہیں۔ رنج وغم اور ماتم نہیں کرتے ہیں۔ اور چاہئے بھی یہی۔ ظاہری رواج بھی یہی ہے۔

چار طاق جسم وجاں این شش در و پنج آشیاں
جملہ برہم سوزد و دل چتر بر ہاموں زند

طاق = محراب دار عمارت ۔ چتر = چھتر۔ چھوٹا شامیانہ ۔
ہامون = جنگل ۔ صحرا۔ آشیاں = گھونسلا۔

(کیا خوش ہے وہ ساعت جب دل) جسم وجان کی چار طاق والی عمارت اور یہ چھ دروازے اور یہ پانچ گھونسلے سب کو جلا کر خاکستر بنا دے اور (اپنا شامیاں) چھتر جنگل میں لگا کے (کھولے)۔

چار عنصر = آب و آتش خاک و باد۔ شش در = آنکھیں۔ ناک۔ کان۔ منہ۔ پیشاب کا سوراخ اور مقعد۔ پنج آشیاں = ذائقہ۔ باصرہ۔ شامہ۔ سامعہ۔ لامسہ۔ جسم وجان کی عمارت چار عناصر پر کھڑی ہے۔ اس کے چھ دروازے ہیں۔ پانچ آشیانے ہیں۔ چکھنے۔ دیکھنے۔ سونگھنے۔ سننے اور چھونے کی قوتیں۔ جب دل ان کو جلا دیگا۔ اور خود صحرا میں چھتری کھولیگا۔ (فضائے قدس میں) تو وہ گھڑی مبارک ساعت ہے۔

بارگاہ اُنس در صحرائے عزت بر کشد
میخش اسرار و طنابش ذوق و علم استوں زند

اُنس = محبت۔ میل جول۔ (عشق) صحرا = بیابان۔ ویرانہ۔ ریگستان۔
عزت = بزرگی۔ بڑائی۔ طناب = رسّی۔ استون۔ پیل پایہ۔ تھم۔ خیمہ کا ڈنڈا۔

(کیا خوش ہے وہ ساعت جب دل) محبت کی بارگاہ (شامیانہ) بڑائی اور بزرگی کے بیاباں میں کھڑا کریگا۔ اسرار (رازہائے الہٰی) کو اس کی میخیں (چوبیں) بنائیگا۔ ذوق (عشق) کو اس کی رسیاں بنائیگا اور علم (خداشناسی) کو اس کے تھم بنائیگا۔ شامیانہ کھڑا کرنے کے لئے میخیں۔ رسیاں اور ڈنڈے ضرورت ہوتے ہیں۔ عشق کا خیمہ (بارگاہ) اسرار الہٰی۔ ذوق وشوق اور علم کی ضرورت رکھتا ہے۔ جب یہ باتیں میسر ہو جاتی ہیں تو دل محبت کے خیمہ کو عزت والے خدا کے وحدت کے بیاباں میں نصب کرتا ہے۔ اس مبارک ساعت کی تمنا فرماتے ہیں۔

عقل کُلّی دامن ہمّت بیفشاند زخاک
مُہرِ اقبالِ ابد بر ہیئت مکنوں زند

کُلّی = پُوری طور سے - اچھائی سے - ابَد = وُہ زمانہ جسکی انتہا نہیں -
ہیئت = صورت - حالت - مکنون = پوشیدہ چھپی ہوئی -

(عقل سے مُراد یہاں دل ہے - کیونکہ دل ہی کو عقل کا گھر مانا جاتا ہے - اسواسطے کیا ہی خوش ہے وہ دم جب دل) عقل پُوری طور سے ہمّت کے دامن کو مٹی (آلودگی) سے جھاڑ دے - (پاک وصاف کرے) اور ابدی (دائمی) اقبال (خوش بختی) کی مُہر پُوشیدہ صورت (عالم باطن) پر لگا دے -

وُہ وقت کیا ہی خوش ہے - جب عقل پُوری طور سے اچھّی طرح سے ہمّت کے دامن کو آلودگیوں (نفسانی خواہشات) سے پاک صاف کریگی - اور ابدی اقبال اور خوش نصیبی اور سعادتمندی کی مُہر عالم باطن پر لگا دی گئی (باطنی عالم کا حکمراں بنیگی) -

چشمِ ہاماں اَمل گر برکند دستِ یقیں
رُوح روحانی قدم در قدس ہاموں زند

ہاماں = حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں فرعون کے وزیر کا نام - اسی ہامان نے فرعون کو گمراہ کیا -
اَمل = لالچ - خواہش - اُمید - ہاموں - بیاباں - جنگل -

اگر یقین (کلّی اعتماد) کا ہاتھ خواہشات کے ہاماں کی آنکھیں نکال دیگا - (تو) پھر روح (جان) بارگاہِ قدس میں ہاموں (بیابان) کے سمت روحانی قدم دیگا -

خواہش - طمّع اور لالچ روح کو آگے قدم بڑھانے سے رُکاتے ہیں - اُسی طرح جسطرح ہاماں وزیر فرعون کو ایمان لانے سے رکاتا تھا - اگر اس طمع کی آنکھ کو نکال دیا جائے تو روح جس میدان میں قوم موسیٰؑ کی طرح سرگرداں ہے اس کے سمت بارگاہِ قدس میں روحانی قدم (تیز قدم جس کو کوئی روک نہ ہو) ماریگی - روحانی ترقی خواہشات اور طمع ہوتے ہوئی مُشکل ہے طمع کی آنکھیں نکالدی جائیں - پھر ترقی میں دیری نہیں -

از ہوائے نفس اگر یکدم خلاصی باشدش
در ہوائے لامکاں لاف از فلک افزوں زند

ہَوا = خواہش - خلاصی = رہائی -
ہوا = فضا - لاف = ڈینگ - فخر -

اگر (دل کو) نفس کی خواہش سے ایک لمحہ کے لئے رہائی ہو گی (تو) لامکاں کی فضا میں فرشتوں سے زیادہ ڈینگ ماریگا (فخر کریگا۔ لاف زنی کریگا) دل کبھی نفس کی خواہش سے رہا نہیں۔ ایک نہ ایک خواہش پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر دلِ خواہشِ نفس سے آزاد ہو گا۔ تو لامکاں کے ملکوں سے اُس کا رتبہ اُونچا ہو گا۔

عقدۂ چون وچرا در وحشت آبادِ بدن

مانده و بر طارمِ عُلوی دمِ بیچون زند

عقدہ = گرہ۔ مشکل بات۔ معمّا۔ حل طلب معاملہ۔

چون چرا = حجت تکرار۔ کیسے اور کیوں۔ دلیل بازی۔

طارم = بالاخانہ۔ ٹاور۔ عُلوی = آسمانی۔

بےچون = بےنظیر۔ لاثانی۔ (خدا)

(دل) کو جسم کے وحشت آباد (خوف سے بھرا ہوا) میں کیسے اور کیوں کا مشکل مسئلہ (حل کئے بغیر) رہا ہے۔ اور آسمانی بالاخانہ پر بےنظیر کا دم مارتا ہے۔ (شیخی بگارتا ہے۔) عقل بدن میں ہو کر اپنے جسم۔ روح وغیرہ باتوں کو حل نہیں کر سکتی ہے۔ میں کیا ہوں۔ کیسے ہوں۔ میرے بدن میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیسے ہو رہا ہے۔ کھانا کسطرح ہضم ہوتا ہے۔ خون کیوں ایک وقت تک دورہ کرتا ہے۔ پھر بند ہوتا ہے۔ جسم کی اندرونی اور بیرونی بیماریاں کیونکر پیدا ہوتی ہیں۔ چلتی سانس بند کیوں ہوتی ہے۔ یہ دنیا کیسے بنی۔ کیوں بنی وغیرہ وغیرہ۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ آسمان کے بالاخانے پر سے بیچوں خدا کی باتیں سناتی ہے۔

تا ازیں ظلمت سرائے تیہ حرماں نگذرد

دستِ ہمّت بر جنابِ کبریا او چوں زند

ظلمت سرا = تاریک گھر۔ تیہ = جنگل۔ بیاباں۔ عزور۔

حرماں = مایوسی۔ محرومی۔ کبریا = بڑا خدا۔ عزّت والا۔

جب تک مایوسی اور ناامیدی کے بیاباں کے تاریک گھر سے نہیں چلا جائیگا۔ ہمّت کے ہاتھ کو عزّت والے خدا کی جناب (درگاہ) پر کیسے مار سکتا ہے۔

قوم موسیٰ کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا تم اور تمہارا خدا جاؤ اور وہاں کے لوگوں سے لڑو ہم تب تک یہاں بیٹھے ہیں۔ اس پر قہر خدا جوش میں آیا۔ اور یہ قوم تیہ میں چالیس برس بھٹکتی رہی۔ مایوسی اور ناامیدی نہیں چاہئے اس ناامیدی

کے اندھیرے گھر سے ہمّت کر کے نکلنا چاہئیے۔ جب ہم اس سے نکلیں گے تو جنابِ کبریا کے دروازے پر پہنچیں گے اور اس کو کھٹکھٹائیں گے۔ دل کو چاہئیے کہ وہ حرماں کے ظلمت کدہ سے نکلے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ پر کامل یقین کرے۔ ضرور اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ہاتھ ماریگا۔

چون نسیم روح ریحانی ریاض اُنس دید
پائے رفعت بر سر این صورتِ مکنوں زند

نسیم = صُبح کی تازہ ہوا۔ رُوح = خوشبو۔
ریحان = نازبُو۔ کشمیری بَبرُ۔ گلاب کے سِوا باقی تمام پھُول۔
ریاض = روضہ کی جمع = باغات۔ پھُول واریاں۔ رفعت = بُلندی۔ بڑائی۔
مکنون = چھپائی ہوئی۔ صورت مکنون = قیمتی صورت جیسے دُرِّ مکنون۔

جب ریحانی خوشبو والی صبح کی ہوا نے محبّت (اُنس) کے باغوں کو دیکھا (اسی لئے) اپنی بڑائی کے پاؤں اس چھپی ہوئی صورت پر مارتی ہے۔ "نسیم روح ریحانی" سے مراد صاف اور پاک شدہ رُوح ہے۔ وہ رُوح جس نے تازگی پائی ہو۔ جو بادِ صبا کیطرح آلائیشوں سے پاک و صاف ہو۔ ریاض انس سے مطلب وصال اور میل ملاپ کے باغات ہیں۔ جب رُوح محبّت اور عشق کے باغوں کو دیکھتی ہے۔ تو وہ اس پیاری اور قیمت والی چھپی ہوئی صورت پر اپنی بڑائی کے پاؤں مارتی۔ اس صورت کو لات مارتی ہے۔ اس کی قدر نہیں کرتی ہے۔ (ہر قیمتی چیز کو لوگ چھپا کر رکھتے ہیں۔)

ارغنونِ عشق چوں با نغمۂ توحید ساخت
مطربِ شوقِ جمالش نالہا موزوں زند

ارغنون = باجہ۔ پیانو۔ ساخت = ہم آہنگی کی۔
مطرب = سازندہ۔ گوّیا۔ موزوں = مناسب۔ ہم وزن۔

عشق کے باجہ (ساز) نے جب توحید (وحدت۔ خدا کو ایک ماننا) کے راگ کے ساتھ موافقت کی (ہم آہنگی کی۔ ہم نوائی کی) (تو) اس کے جمال (حسن) کے شوق (عشق) کا مطرب (گوّیا۔ سازندہ) موزوں اور مناسب نالے دیتا ہے۔ (مستی میں حمد و ثنا کے راگ گاتا ہے۔) جب تک عشق سے دِل کے سازؔ کے تار توحید کا نغمہ نہیں بجائینگے۔ اسوقت تک زبانی نالے۔ توبہ۔ استغفار۔ حمد و ثنا موزوں نالے نہیں۔ جب عشق کا باجا بجنے لگے اور دل کے تاروں سے آواز نکلے اسوقت اس کے عشق کا گوّیا (مطرب) موزوں اور اثر والے نالے نکالتا ہے۔

نغمہ سازوں (طبلہ۔ ستار۔ سنطور۔ ساز۔ چنگ۔ نے۔ شہنائے۔ ہارمونیم۔ وغیرہ) کے آوازوں اور گانے والوں کی آوازوں کی ہم آہنگی کا نام ہے۔
یہ موسیقی ہے۔ موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے لئے تربیت یافتہ کان شعروں کو سمجھنے کیلئے علم اور فہم اور اس سے فیض حاصل کرنے کے لئے "دل و دماغ" چاہیئے۔ اور سب سے ضروری بات یہ ہے۔ کہ مرشد کامل کی صحبت اور ہم جلیسی ہمنشینی سے بڑا فایدہ ملتا ہے۔ خاص کر جب پیچیدہ باریک باتوں کو سمجھانے کی قابلیت ہو۔ جب یہ باتیں میسر ہوں۔ تو خود بخود معلوم ہو جائیگا۔ کہ "از عجز عشق چون یا نغمۂ توحید ساخت ٭ مطرب شوق جمالش نالہا موزوں زند" کیا معنی رکھتا ہے۔

گر رہد روزے علائی از کشاکش ہائے نفس
زیں کشایش کام جان بر نقد افلاطوں زند

افلاطون = یونان کا ایک مشہور حکیم اور فلسفی۔ ارسطو کا استاد۔ سقراط کا شاگرد۔
نقد = کھرا سکہ۔ سرمایہ = فلسفہ منطق۔ افلاطون کا سرمایہ فلسفہ تھا۔
اگر علائی کسی دن نفس کے کھینچا کھینچی (کش مکش) سے رہائی پائیگا۔ تو اس چھٹکارے (کشایش) سے دل کے مقصد کو افلاطون کے فلسفے پر ماریگا (لگائیگا)
افلاطون نے کائنات کے حل طلب باتوں کو فلسفہ (عقل کے ذریعہ عالم موجودات کا علم حاصل کرنا) کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن نفس روح کے مسئلہ کو حل نکر سکا۔ الہیات پر بھی عقلی دلایل وضع کئے۔ لیکن تہ تک نہ پہنچ سکا۔ فرماتے ہیں اگر نفس کی کش مکش سے آدمی خلاصی پائے۔ اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔ تو اس نفس سے رہائی پانے سے افلاطون کے فلسفہ کو ہیچ سمجھیگا۔ اور اس کے عقلی علم کو پس پشت ڈالیگا۔ کیونکہ نفس سے رہائی مقصد جان ہے۔ جب مقصد حاصل ہوا۔ پھر دلایل اور وجوہات کی ضرورت ہی کیا ہے۔ افلاطون کے پیچھے کیوں پڑنا ہے۔

غزل نمبر ۲۲

ہر سحر گہ بوی لطفش دل بہ بالا می کشد
صورت موہوم را خط در من و ما می کشد

خط کشیدن = مٹا دینا۔ موہوم = وہمی۔ خیالی۔ ناپایدار۔
ہر صبح کو اس کی مہربانی کی بو دل کو اوپر کھینچی ہے۔ (عالم بالا کیطرف لیجاتی ہے۔) اور (اس) خیالی صورت کے من میں ما (ہم) کو مٹا دیتی ہے۔

صبح کیوقت اس کی مہربانی کی بو دل کو عالم بالا کیطرف کھینچتی ہے۔ اور یہ مہربانی کی خوشبو "مَیں" اور "ہم" (ہونے) کے خیال اور صورت کو مٹا دیتی ہے۔ سالکوں اور عارفوں کے لئے صبح کا سہانا وقت محویت۔ استغراق اور قبولیت کا وقت ہے۔ اسوقت وُہ اپنے آپ سے اور گِرد و نواح سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ من و ما کا مٹنا یہی ہوتا ہے۔

سایہ در خورشید گم میگردد و سیمرغ وصل
زالِ زار افتادہ را از تیہہ سودا مے کشد

سیمرغ = عنقا۔ ایک بہت بڑا پرندہ۔ مشہور ہے کہ اس کا گھونسلہ کوہ قاف پر ہے۔
زال = رستم پہلوان کے باپ کا نام۔ کہتے ہیں کہ یہ سفید بال والا ولادت ہی پر تھا۔
تیہہ = بیاباں۔ جنگل۔ سودا۔ تاریک۔ سیاہ

سایہ (چھاؤں) سورج میں گم ہو جاتا ہے۔ اور وصل کا عنقا بیکسی اور عاجزی میں گرے ہوئے زال (سفید بال والے) کو تاریکی کے میدان سے نکالتا ہے۔ جہاں سورج پڑتا ہے وہاں سے سایہ (چھاؤں) گم ہو جاتا ہے۔ سایہ نہیں رہتا ہے۔ یوں لطف سورج ہے۔ اس کے آنے سے ناامیدی اور مایوسی دور ہو جاتی ہے۔ اور وصل کا سیمرغ (لطفِ الٰہی) گرے ہوئے بے بس بوڑھے کو ظلمت کے بیاباں سے اٹھا کر لیجاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ زال جب پیدا ہوا۔ تو اس کے بدن کے بال سفید تھے۔ ماں باپ نے اس کو منحوس سمجھکر ایک بیاباں میں ڈالدیا۔ اتفاق سے سیمرغ وہاں سے اڑتا ہوا آیا۔ اس کی نظر اس پر پڑی جھپٹا مار کر چنگل میں اٹھا کر لے گیا۔ کوہ قاف میں بچوں کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ بڑا ہو کر گھر آیا۔ شادی کی اور یہی زال رستم پہلوان کا باپ ہے۔ مہربانی خدا شاملِ حال ہو جائے تو بیکسی اور بےبسی دور ہو جاتی ہے۔

جانِ خراماں می شود در ہودجِ غیبِ یقین
خاطفِ رحمت دلِ از چاہِ تمنّا می کشد

خراماں = ٹہلتا ہوا۔ نازو انداز سے چلنا۔
ہودج = کجاوہ۔ عماری۔ اونٹ اور ہاتھی کا زین چوکی کی شکل کا۔
خاطف = اُچک لے جانے والا غافل کر کے کوئی چیز لے جانے والا۔

(اس سحر گہ کو) جان یقین کے غیبی کجاوے میں ٹہلتا ہے اور اُچک لے جانے والی رحمت دل کو تمنّا کے چاہ (کنواں) سے نکالتی ہے

صبح کیوقت جان کو عالم غیب کی سیر یقین کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ جان عالم غیب میں ٹہلتی ہے۔ اور رحمتِ الٰہی دل کو آرزؤں اور تمنّاؤں کے کنواں سے نکالتی ہے۔ آرزو اور تمنّا پوری ہوتی ہے۔

دستِ غیرت گلخن از غولاں نفسی کردہ پاک
رخت گل برگلشن ایں سقف خضرا می کشد

گلخن = بھٹی۔ چولھا۔ کوڑا پھینکنے کی جگہ۔

غولاں = غول کی جمع۔ چھلاوا۔ راہ چوک۔ بھوت جو راستے سے ہٹاتا ہے۔

سقف = چھت۔ خضرا = سبز۔ سبز رنگ۔

غیرت (امداد غیبی) کا ہاتھ گلخن کو (کوڑ کرکٹ کے کھڈ کو) نفس کے چھلاؤں (دیوؤں) سے پاک (صاف) کر کے پھولوں کے سامان کو اس سبز رنگ چھت (آسماں) پر لیجاتا ہے۔

صبح کے وقت دِل نفس کی آلائیشوں اور آلودگیوں سے صاف ہو کر پھولوں کے گلدستوں (دعاؤں) کو آسماں پر لیجاتا ہے۔ صبح کے وقت کی دُعا اوپر جاکر قبول ہوتی ہے۔

عام خیال ہے۔ کہ بُرے بھوت اور بُری روحیں گندھی جگہوں میں رہتی ہیں۔ نفس ایک گندہ چیز ہے۔ بُرے خیالوں کا کھڈ ہے۔ نفس کے غول (گمراہ کرنے والے) نفسانی خواہشات ہیں۔ ان سے دل جب صاف ہو گا۔ تو اس کی دُعا مقبول ہوتی ہے۔ تمنّا پوری ہوتی ہے۔

چوں حجاب ماسوا از دیدۂ دِل دور شد
شبنم از صحرائے کثرت سوی دریا می کشد

حجاب = پردہ۔ ماسوا = جو کچھ اس کے بغیر ہے۔

جب ماسوا کا پردہ (جو کچھ اس خدا کے بغیر ہے وہ پردہ) دل کی آنکھوں سے ہٹ گیا۔ تو کثرت (کائینات۔ ماسوا اللہ) کے بیاباں (صحرا۔ ریگستاں) سے شبنم (اوس) سمندر کو جاتا ہے۔ (شبنم کی تری بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اس کے قطرے چھوٹے ہوتے ہیں۔)

انسان کی نظر اور اس کا دل ماسوا کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور یہ ماسوا (کثرت) وحدت کے درمیان پردہ ہے۔ جب کثرت (ماسوا) کا یہ پردہ دل کی آنکھ سے دُور ہو جاتا ہے۔ کثرت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ تو نظر وحدت پر پڑتی ہے۔ اور یہ کثرت جس کی مثال شبنم کی جیسی ہے۔ وحدت کیطرف کھینچی جاتی ہے شبنم سمندر ہی سے ہے لیکن صحرا میں پڑنے سے سمندر سے جُدا ہے۔ جب سورج چمکتا ہے اور رات کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ تو شبنم سمندر کو واپس جاتا ہے۔

در خمِ زلفش چو پیدا گشت پنہاں ہر چہ ہست
نورِ رویش آن نہاں در خویشتن پیدا می کشد

اس کے زلف کے خم میں جب جو کچھ پوشیدہ ہے ظاہر ہو گیا۔ اس کے روی کا نور اس پوشیدہ کو اپنے آپ میں ظاہر اطور پر کھینچ کر لے جاتا ہے۔ زلف روی کو چھپانے والی چیز ہے۔ صوفیائے کرام کے پاس خدا "نور" ہے۔ روی شخص۔ اور کائنات "زلف" ہے۔ کائنات کو خدا سے وہی نسبت ہے۔ جو سایہ کو شخص سے ہے۔ زلف اس لئے "ظل" ہے۔ زلف اور ظل میں جو باتیں ہیں وہ مشترک ہیں ظل ممدود ہے۔ زلف میں درازی ظل مسکوں، زلف میں قرار خم زلف۔ ظل کا سکوں ہے وغیرہ۔ عالم باطن سے عالم ظاہر کا پیدا ہونا خم زلف کا نتیجہ ہے۔ اور روی کا چھپ جانا زلف کا بکھیر جانا ہے۔ گر زلف کے نیچے روی تاباں اپنی حیثیت میں برقرار ہے۔ پوشیدہ روی ہے۔ لیکن روی کا نور اس پوشیدہ کو پیدا (ظاہر) کرتا ہے۔ یعنی خود روئی کا نور دکھاتا ہے۔ ظاہر کرتا ہے۔ زلف۔ زلفِ دراز۔ خم زلف۔ زلفِ پریشاں۔ زلفِ سیاہ۔ مارِ زلف زنجیرِ زلف۔ تارِ زلف وغیرہ کے بارے میں اگر آپ حقیقت آشنا ہونے کے شوقین اور خواہشمند ہیں تو میری التماس پر عمل کیجئے۔ آگاہ صاحبدل کی خدمتمیں زانوئے ادب نہ کیجئے اور ان سے ان اصطلاحات کے بارے میں عرض کیجئے۔ وہ آپ کو آپکے فہم اور سمجھ کے مطابق واقف بنا دیں گے۔ مجھ سے سنئے "زلفِ دراز کی کہانی دراز ہے۔ میں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں"۔ من بعجز و قصور معترفم"۔

ابرِ جودش گر نثارِ فیض رحمت می کند
خاکیانِ خستہ را در صفِ اعلا می کشد

اس کے جود اور بخشایش کا بادل جب رحمت کے فیض کو نچھاور کرتا ہے۔ تو زخمی اور رنجیدہ خاکیوں (عاجزوں۔ صاحبدلوں) کو اوپر والے صف میں لیجاتا ہے۔ اس کی بخشایش کے بادل سے جب رحمت کا باراں برستا ہے تو عاجز خاک نشیں خستہ دل والے لوگوں کو جن کی جگہ سب سے نیچے ہوتی ہے۔ اوپر کی صف میں لیجاتا ہے۔ ان کی عزت اور مرتبہ اس کے فضل و کرم سے بلند ہو جاتا ہے۔

زبدۂ اسرارِ کون و نقدِ معیارِ وجود
در نہادِ پیکرِ خاکی از ینجا می کشد

زبدہ = نچوڑ۔ منتخب۔ عطر۔ خلاصہ۔

کون = دُنیا - جہاں - کائنات - نقد = سرمایہ - کھرا سکہ -
معیار = کسوٹی - جس پر کھرا اور کھوٹا پرکھاتے ہیں -
وجود = ہستی - نہاد = سرشت - پیدائش - ذات -
پیکر = صورت - جسم - چہرہ -

دنیا کے سرّوں (بھیدوں) کا نچوڑ (خلاصہ) اور ہستی کی کسوٹی کا کھرا سکہ مٹی کی بنی ہوئی صورت میں اسی جگہ (صبح کے وقت مراقبہ کی جگہ) ڈالتے ہیں۔

دنیا کے سرّوں کا نچوڑ اور خلاصہ کیا ہے؟ ذاتِ باری اور نورِ الٰہی - وجود کی کسوٹی کا کھرا سکہ کیا ہے -؟ وہ وجود جو کھوٹا نہیں وہ وجود جس کو فنا نہیں - ذاتِ باری -

سالک اور عارف رات کو بیداری میں گزارنے کے بعد سحرگہ کو محویت استغراق - مستی اور فرحت کی ایک عجیب کیفیت محسوس کرتے ہیں - اس حالت میں وہ کچھ دیکھتے ہیں - اور جو دیکھتے ہیں - وہ سرّوں اور بھیدوں کا عطر - خلاصہ اور نچوڑ ہے - رازوں کا راز ہے - اور اس راز کو وہ اپنے آپ میں پاتے ہیں - ان کو محسوس ہوتا ہے کہ خدا ہم میں حلول کر گیا ہے - اسی واسطے بعض سالک مراقبہ کو بڑی وقعت دیتے ہیں - کچھ بزرگ ہر وقت مراقبہ ہی میں رہتے ہیں -

چوں علائی صید عنقائے جلالش گشت زاں
بر ضمیرش داغ اشکالِ معمّا می کشد

صید = شکار - ضمیر = دل - قلب - خیال - جو کچھ دل میں گذرتا ہے اس کو ضمیر کہتے ہیں -
اَشکال = شکل کی جمع = شکلیں - صورتیں - اِشکال = مشکل - دشواری -
معمّا = حل طلب سوال - پیچیدہ بات - عقل چکرانے والا مسئلہ -

جب علائیؒ اس کے جلال کے سیمرغ (ہما - راج ہنس) کا شکار ہو گیا - اسی لئے اس کے ضمیر (دل) پر دشوار حل طلب مسئلوں کا داغ کھینچتا ہے - (دیتا ہے) قدس اللہ سرہٗ - اس شعر میں اقرار کرتے ہیں - کہ آپ اس کے جلال کے سیمرغ کا شکار ہوئے ہیں - اس کی بزرگی اور عظمت نے آپ کو اپنے چنگل (یدُاللہ) میں لے لیا ہے - اور آپ اس کے جلال کی بارگاہ میں کشش الٰہی سے پہنچے ہیں - اور یہ اُدھر ہی سے فضل وعنایت اور کرم ہے - لیکن ساتھ ہی یہ بھی اعتراف کرتے ہیں - کہ عنقائے جلال کا شکار ہونے سے دشوار حل طلب مسئلے زیادہ پیدا ہوئے ہیں - وُہ مسئلے جو عقل سے حل نہیں ہو سکتے ہیں - وہ مسئلے جو سمجھ میں نہیں آتے ہیں - وہ کیا ہے؟ اس کا ارادہ اور منشا کیا ہے -؟ کائنات پیدا کرنے سے اس کو کیا فایدہ ہے؟ شادی و

غم کو کیوں رکھا ہے۔؟ جب وہ "اَللّٰہُ الصَّمَدُ" ہے۔ بے نیاز بے ضرورت۔ منزّہ۔ مبرّا۔ لا اُبالی ہے۔ ہم سے عبودیت و بندگی کیوں چاہتا ہے۔؟ اس سے یہ سبق ہمکو دیتے ہیں۔ کہ بارگاہِ جلال میں پہنچکر راز اور بھید کھلتے نہیں ہیں۔ بلکہ زیادہ دشوار مسئلے پیش آتے ہیں۔ اور یہی بارگاہِ جلال کی عظمت ہے۔ اللہ اکبر۔

اگر تو بر سرِ کوئش دمے گذر یابی۔
کنوزِ غیبِ دو عالم بیک نظر یابی

کنوز = جمع کنز۔ خزانے۔

اگر تم اس کے کوچے کے سرے پر کسی وقت (کبھی) چلنے کا موقع پاؤ گے۔ (تو) دو جہاں کے پوشیدہ خزانے ایک نظر سے پاؤ گے (تم کو ملیں گے)

اس دنیا میں بھی پوشیدہ خزانے ہیں۔ اور دوسری دنیا میں بھی۔ ایک تو ہوئے دنیاوی خزانے۔ سونے۔ چاندی لعل و جواہر وغیرہ کے عرفاں اور عشق کے۔ اسرارِ الٰہی کے۔ دُوسری دُنیا کے خزانے ہیں۔ نجات کے لِقا کے۔ انوار کے۔ وصال کے۔ فنا فی اللہ اور بقاباللہ کے۔ جن خوش نصیبوں کو نظرِ عنایت ہوئی بے شک ان کو یہ دونوں قسم کے خزانے مِل گئے۔ ان کی دُنیا بھی اچھی ہوئی اور عقبیٰ بھی۔

کلیدِ عقدۂ ایوانِ بارگاہ جلال
توئی اگر سرِ موئے ز خود خبر یابی

کلید = کنجی۔ عقدہ = گرہ۔ گانٹھ = قفل۔ تالا۔

ایوان = محل۔ عام طور پر وُہ شاہی مکان جس میں مجلس شوریٰ قوانین وغیرہ بناتی ہے۔

بارگاہِ جلال کے ایوان کے تالے کی کنجی تم ہی ہو۔ بشرطیکہ اگر تم سرِ مو کے برابر (بہت تھوڑی) اپنے آپ کی خبر پاؤ گے۔

اگر تم کو خبر ہو جائیگی کہ تم کیا ہو۔ اپنی حقیقت سے تھوڑا سا واقف ہو جاؤ گے تو تم پر واضح ہو جائیگا۔ کہ بارگاہ جلال کی کنجی تم ہی ہو۔ اور تم ہی سے یہ قفل کھولا جائیگا۔ اور دروازہ کھلیگا۔

چراغِ مجلسِ روحانیانِ عالمِ قدس
ز نورِ تست گر از شمعِ جاں اثر یابی!

عالم قدس (پاک عالم) کے روحانیوں (ارواحِ مقدسہ اور فرشتوں) کی مجلس کا چراغ۔ (دیا۔ لیمپ) تمہارے نور سے ہے۔ (تمہارے نور سے بنا ہوا ہے۔ تمہارے نور سے روشن ہے)

اگر تم اپنی جان کی شمع (موم بتی) سے اثر پاؤ گے۔

اگر تم اپنی جان کی شمع کو روشن کرو گے۔ تو عالم قدس کی مجلس کے روحانیوں کا جو چراغ ہے۔ اس کو اسی تمہاری شمع سے روشنی ملیگی۔ تمہاری جان کے نور سے فرشتوں اور ارواح مقدسہ کو نور ملیگا۔ اتنا تمہارا مرتبہ ہوگا۔ لیکن تم اپنی شمع کو روشن کرو۔ جلاؤ۔

ندائے ہاتفِ غیبی ز لامکاں ہردم
بگوشِ دل شنوی گر ز خود خبر یابی

ندا = آواز۔ پکار۔ ہاتف = فرشتہ جو عالم غیب سے باتیں سناتا ہے۔

لامکان سے ہاتفِ غیبی (پوشیدہ۔ نظر نہ آنے والا) کی آواز ہر وقت دل کے کانوں سے سنو گے۔ اگر تم کو اپنے آپ کی خبر ہو جائیگی۔

اگر تم کو خبر ہو جائیگی کہ تم حقیقت میں کیا ہو۔ تو غیبی آوازوں کو دل کے کانوں سے سنو گے۔ تم پر غیبی اسرار عیاں ہونگے۔ کہ کیا ہونے والا ہے۔ اسواسطے تم اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرو۔

تو روضۂ دل اگر ز آبِ علم تازہ کنی
بعاقبت ز ریاضِ وصال بر یابی

روضہ = باغ۔ عاقبت = انجام۔ آخر۔ آخرت۔

ریاض = باغات۔ بر = میوہ۔ فایدہ۔

اگر تم دل کے باغ کو علم (خبر۔ واقفیت۔ شناسائی) کے پانی سے تازہ کرو گے۔ تو آخرکار وصال (خدا سے ملاقات) کے باغوں سے میوہ کھاو گے۔ (فایدہ اٹھاؤ گے۔

علم کی ضرورت اگرچہ ہر ایک کو ہے لیکن سالکوں اور عارفوں کے لئے علم زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ علمِ باطن ہیچو مسکہ علم ظاہر ہیچو شیر۔ علم باطن کی مثال مکھن کی ہے اور علم ظاہر دودھ ہے۔ دودھ ہی سے مکھن ملتا ہے۔ اسواسطے ارشاد ہے۔ کہ علم سے دل کے باغ کو سر سبز بناؤ۔

حجابِ خبثِ تن از ماہِ روح برخیزد
اگر ز آتشِ عشقش یکے شرر یابی

حجاب = پردہ۔ خبث = پلیدی۔ شرارت۔ بدباطنی۔ کثافت۔

شرر = چنگاری۔

روح کے چاند سے تن (بدن۔ جسم) کی کثافت کا پردہ اُٹھ جائیگا۔ اگر اس کے عشق کی آگ سے ایک چنگاری پاؤ گے۔

روح ایک لطیف اور نورانی شی ہے۔ جسم کثیف ہے۔ بدباطنی اور پلیدی جسمانی کثافت کی وجہ سے ہے۔ اس کثافت کو عشق کی آگ پگلا کر اڑا دیتی ہے۔ اور یہ پردہ اُٹھ جاتا ہے۔
عشق سے اس پردے کو جلا۔ عشق کی چنگاری دل میں بھڑکاؤ۔ تو روح کے چاند سے بادل دُور ہو جائیگا۔ اور تمہاری روح کی روشنی تاریک رات کو منور کریگی۔ تم دنیا کو عالم نور بناؤگے۔

ریاض عالم جاں مشکبوی گردانی
نسیمی از رہ لطفش چو در سحر یابی

جان کے باغوں کے عالم خوشبودار بناؤگے۔ جب صبح کیوقت اس کی مہربانی کے رستے سے تازہ ہوا کی ایک جھونک پاؤگے۔
صبح کیوقت لطفِ الٰہی کی ہوا کی جھونکیں آتی ہیں۔ اور ان جھونکوں کا لطف پھولوں کے باغوں میں زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ سالکوں کے پاس پھولوں کے باغ یادِ الٰہی کی محفلیں ہیں۔ فرماتے ہیں اگر تم کو صبح کیوقت لطفِ الٰہی کی ہوا چھوے گی تو پھر تم جان (روح) کے باغوں کو معطر بناؤگے۔

سریر سُدّہ ایواں ہر کمال تراست
بر آستانِ جلالش اگر رہے یابی

سریر = تخت۔ سُدّہ = چوکھٹ۔ آستانہ۔ بڑی ڈیوڑھی۔
ہر کمال کے ایوان (محل شاہی) کے آستانہ کا تخت تجھ ہی کو ہے۔ اگر (تم) اس کی عظمت و بزرگی کے آستاں (بارگاہ) پر راستہ پاؤگے تو ہر کمال کے محل کے دروازہ پر تمہارا تخت ہوگا۔ ہر کمال پر تمہارا قبضہ ہوگا۔ کمالات تمکو حاصل ہونگے۔

علائی از درِ امید رخ متاب دمے
ز فیضِ رحمتِ عامش نمے مگر یابی

نم = تری۔ طراوت۔
علائی امید کے چوکھٹ (دروازے) سے ایک لمحہ (سکنڈ) کے لئے بھی منہ مت موڑ۔ تاکہ اس کی عام رحمت کے فیض (بخشش) سے تھوڑی سی تری تم بھی پاؤگے۔
رحمت کا دریا عام ہے۔ خصوصیت سے کسی کو ملیگا کسی کو نہیں اس دریا کا خاصہ نہیں۔ صرف دریا پر جانے کی ضرورت ہے۔ دریا پر جانے والا امید ہوتا ہے کہ مجھے پانی ملیگا۔

امید سے ہمت بڑھتی ہے۔ اور ہمت بڑھنے سے کام کرنے میں آرام ملتا ہے۔ اس واسطے ہمیشہ بامید رہنا ضروری ہے۔ اور بامیدوں کو ضرور رحمتِ عام سے فیض کا پانی ملتا ہے۔

خدایا رحمت دریائے عام است ❊ از آن یک قطرۂ مارا تمام است

اس دریائے رحمت کا ایک قطرہ کل کائنات کے لئے کافی ہے۔

تو کانِ گوہر کانی دگوہر لونی۔
چہ کاف و نون کہ زکاف و نون بیرونی

کان۔ معدن۔ کھان۔ پتھر کی کان۔ سونے کی کان۔ جواہرات کی کان۔ وغیرہ جگہ جہاں سے دھاتیں نکلتی ہیں۔

تم کاف اور نون کے جواہرات کی کان (معدن) ہو۔ کیا کاف و نون کہ کاف و نون سے باہر ہو۔

کاف (ک) اور نون (ن) سے "کُن" کا لفظ بنتا ہے۔ کُن کے معنی ہیں "ہو جا" بن جا۔ کہتے ہیں کہ ابتدا میں ظلمت و تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ خدا اسی اندھیرے میں تھا۔ اس نے چاہا کہ روشنی ہو۔ اس نے "کُن" بولا۔ روشنی پیدا ہوئی "اول ما خلق اللّٰہ النور"۔ پھر آسمان اور زمین پیدا ہونے کے لئے "کُن" بولا زمین اور آسمان پیدا ہوئے۔ پھر زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے "کُن" اور "کُن" بولتا رہا۔ اور جاندار اور بے جان پیدا ہوتے گئے۔ اور جو کچھ بنانا "ارادہ الٰہی" میں ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ "کُن" کا بولنا کافی ہے۔

فرماتے ہیں یہ "کُن" کا بولنا کافی ہے۔ سب کچھ "کُن" سے نکلا۔ گویا "کُن" ایک کان ہے۔ جس سے چیزیں نکلتی ہیں۔ لیکن یہ "کُن" لفظ کہاں سے نکلتا ہے؟ تم سے اس لئے تم ہی "کُن" کی کان (معدن) ہو۔ مگر خود "کُن" سے باہر ہو۔ تم کسی سے نہیں نکلے ہو۔ تمہارے ہونے کے لئے "کُن" کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ کُن کے جواہرات پیدائش اور کل کائنات ہیں۔ کُن کے جواہرات کی کان تم ہو۔ ساری پیدائش اور خلقت تم سے نکلی۔

محیطِ گنبدِ اسرار را توئی مرکز
صفائی صخرۂ اسرار را تو استونی

مُحیط = گھیرنے والا۔ احاطہ کرنے والا۔ دایرے کا (گول) خط۔
گنبد = گول عمارت۔ عمارت کا اوپر والا گول حصہ۔ گول چھت۔
صفا = کھوٹ کے بغیر۔ میل کے بغیر۔

صخرۃ = بڑا پتھر۔ چٹان۔ استون = ستون۔ تھم۔ پایہ۔

بھیدوں کی گول عمارت کا مرکز تم ہی ہو۔ رازوں کے صاف بڑے پتھر کا ستون (تھم) تم ہی ہو۔

دایرے کے عین درمیانی نقطہ کو مرکز کہتے ہیں۔ اس درمیانی نقطہ سے پرکار کے ذریعہ یکساں فاصلہ پر جو گول خط کھینچا جاتا ہے۔ اس کو محیط کہتے ہیں۔ دایرے کے آر پار جانے والے جتنے خطوط کھینچے جائیں سارے مرکز پر ملتے ہیں۔ یعنی نقطہ مرکز ہی حقیقت میں اصلی جگہ ہے۔ جہاں سے یہ خطوط نکلتے ہیں۔ صخرہ اُس اس پتھر کا نام ہے۔ جو بیت المقدس میں ہوا میں معلق تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ایک حاملہ عورت اس کے نیچے سے چلی اور نظر اٹھائی۔ ڈر کے مارے بیٹھ گئی اور اسقاط حمل ہوا۔ پھر یہودیوں اور عیسائیوں نے اس کو ایک پایہ (ستون) لگایا۔ اب یہ پتھر اسی ستون پر ہے۔ یہاں ''صفائی صخرہ'' سے مراد بے ستون بڑا پتھر ہے۔ اور کون بڑا پتھر ''اسرار'' کا بھیدوں کا رازوں کا۔

اے مولا۔ اسرار کے گنبد کے محیط کا مرکز تم ہی ہو۔ تم ہی سے اسرار نکلتے ہیں۔ اور تم ہی میں واپس مل جاتے ہیں۔ بھیدوں اور رازوں کا جو بڑا چٹان معلق ہے اس چٹان کو معلق رکھنے کے لئے نظر نہ آنے والا ستون تم ہی ہے۔ اسرار جو ہوا میں گویا معلق میں آویزاں ہیں۔ لٹکتے ہوئے ہیں۔ ان کو قایم رکھنے والا تم ہی ہو۔

زدور دایرہ گر سوی مرکز آئی باز\
یقیں شود کہ زہر وصف و وہم بیرونی

دایرہ کے چکر سے اگر مرکز پر واپس آؤ گے (تو یقین ہو جائیگا کہ ہر صفت اور ہر وہم سے باہر ہو۔

نقطۂ مرکز میں لمبائی۔ چوڑائی۔ اونچائی۔ حجم وغیرہ کچھ بھی نہیں دائرے سے جو خطوط آر پار گذرتے ہیں۔ ان کے ملاپ کی جگہ ہے۔ لیکن یہ مرکز ہی ہے جس سے خطوط کا نکلنا تسلیم کیا جاتا ہے۔ جن میں لمبائی ہے۔ چوڑائی ہے۔ راست ہیں۔ ٹیڑھے ہیں۔ سیدھے ہیں۔ چکردار ہیں۔ یعنی نقطہ مرکز جب آگے بڑھتا ہے۔ تو اس میں صفات آجاتے ہیں اگر یہ سمٹ کر مرکز کی طرف پھر جائے۔ تو اس میں صفات ہی نہیں رہینگے۔ بے صفات ہو جائیگا۔

کائنات دایرہ ہے اور وہ مرکز ہے۔ اس چکر سے صفات ہیں۔ اگر اس چکر سے مرکز پر

واپس رجوع ہوگا۔ تو نہ دایرہ رہیگا نہ کچھ۔ مرکز۔ نقطہ خاص بے صفات ہے۔ اللہ جل شانہ بذاتِ خود صفات سے بھی منزہ اور پاک ہے۔ دایرہ کائنات کے موجب اس کو صفتوں سے پکارا جاتا ہے۔ اُس کے صفاتی نام ہر زبان میں رکھے گئے ہیں۔ یہ نام فطرت کے مفید اور مُضر اثرات کی بنا پر بنے ہیں۔ کیونکہ ان فاید رساں آرام دہ اور نقصان رساں تکلیف دہ کاموں کا کرنے والا کوئی ضرور ہونا چاہئے اور چونکہ یہ کام کرنے والا نمودار نہ ہوا۔ اسواسطے اس کو کاموں کے اثر کے مطابق نام رکھے گئے۔ رحم کے نام۔ قہر کے نام۔ قرآن میں خاص نام اللہ ہے۔ جس کے معنی ہیں مخفی طاقت اور مخفی نور۔ الوہیا بھی یہی ہے۔ سنسکرت اوم جس کا معنی جوتر لنگم کیا گیا ہے۔ نور اور طاقت ہے۔ ہر فرقہ اپنی مقدس الہامی کتاب کے حوالے پر کوئی نہ کوئی خاص نام ورد کرتا ہے۔ یہ نام سب سچے ہیں۔ لیکن کیا اس نے اپنا کوئی نام رکھا ہے۔ جو آسمانوں اور زمینوں میں ایک ہی ہے۔ نہیں۔ اس لئے اس کا خاص نام اگر اس کی غائبی کا خیال ہو۔ "وہ" ہے۔ اگر حضوری کا خیال اور یقین ہو "تو" ہے۔ اور ہر زبان میں ان دو ضمیروں کے ترجمے عربی میں "ھُو"۔ "اَنتَ" اور خیال ان دو لفظوں کو "اسم اعظم" کا درجہ دیتا ہے۔ صوفی شعرا جنکو تلامیذ الرحمٰن کہتے ہیں۔ اپنے شعروں میں "تو" اور "وہ" ہی کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اضافت کا استعمال بھی دعاؤں میں عام ہے۔ "میرے مولا۔ میرے آقا۔ میرے خدا وغیرہ۔"

سپہر مطلع انوار و آفتاب جلال
بگردِ نقطۂ ذاتِ تو کردہ گردونی

سپہر = آسماں۔ مطلع = طلوع ہونے کی جگہ۔ بلند ہونے کی جگہ۔ نکلنے کی جگہ۔
گردوں = گول اور چکر کرنے والا آلہ۔ مثلاً چھکرا۔ گاڑی۔ کاتنے کا چرخہ۔ وغیرہ۔
گردونی = چکر لگانے کا کام۔

نوروں کے طلوع ہونے کا آسمان اور جلال کا آفتاب۔ تیری ذات کے گرد چکر مارتے ہیں۔

تیری ذات وہ نقطہ ہے وہ مرکز ہے کہ وہ آسمان جس سے رنگ رنگ کے نور طلوع کرتے ہیں۔) اور وہ آفتاب جو تیری عظمت و بزرگی کا آفتاب ہے۔ اسی نقطہ کے

(اسی ذات کے) گرد چکر کرتے ہیں۔

ایک آسماں یہ ہے جو ہمکو نظر آتا ہے جس سے سورج چاند تارے طلوع کرتے ہیں۔ دوسرا آسماں وہ ہے جس سے انوار الٰہی طلوع ہوتے ہیں۔ ایک آفتاب یہ ہے جو دُنیا کو روشنی دیتا ہے۔ دُوسرا آفتاب۔ آفتاب جلال ہے جو اس آفتاب کو بھی منّور کرہا ہے۔ خیال دوڑانے سے سپہر مطلع انوار اور آفتاب جلال بہت بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تمہاری ذات کے سامنے ان کی حقیقت بھی کچھ نہیں۔ یہ تیری ذات کا طواف کرتے ہیں اور تمہاری ذات کے اردگرد چکر لگاتے ہیں۔

ظہور سِرّ کمالات سرمدی از تست
اگرچہ خازنِ اسرار را تو مخزونی

سرمدی = دائمی۔ ازلی وابدی۔ خازن = خزانچی۔
مخزون = خزانہ میں رکھنے کی چیز۔ پوشیدہ رکھی ہوئی چیز۔

ازلی اور ابدی کمالات کے سِرّ کا ظہور تم ہی سے ہے۔ اگرچہ اسرار کے خزانچی کا تو ہی خزانہ میں رکھی ہوئی دولت ہو۔ ازلی اور ابدی کمالات کے سِرّ کا ظہور تمہاری ہی ذات سے ہے۔ یعنی تمہاری ذات اس طرح پوشیدہ ہے جسطرح قیمتی خزانہ چھپا کر رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اسرار کا خزانچی جو ہے۔ اس کی دولت جو خزانہ میں چھپی ہوئی ہے تم ہی ہو۔ اسرار کا خزانچی یوں تو ہر مخلوق ہے لیکن آدمی خصوصیت کے ساتھ ہے۔

قبابِ غیرت او پردہ جمال تو شد
توئی کہ در صدفِ علم درِّ مکنونی!

قباب = جمع قبہ۔ کنگرے۔ کلس۔ چھوٹے چھوٹے گنبد۔
صدف = سیپی۔ دُرِّ مکنون۔ چھپا ہوا موتی۔ قیمتی موتی۔

میرے سامنے جو نسخہ ہے اُس میں "تو" کی بجائے "او" لکھا ہوا ہے جس سے مضمون کی نوعیت خدا کی تعریف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نعت کیطرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یا خطاب "حضرت انسان کی طرف ہو جاتا ہے۔

قبابِ غیرتِ تو پردہ جمالِ توشد
توئی کہ در صدفِ علم درِّ مکنونی!

تیرے غیرت (غیور ہونے) کے کنگرے تیرے حسن کا پردہ ہوئے۔ تم ہی ہو جو کہ علم (شناسائی) کی سیپی میں چھپا ہوا (بے بہا قیمتی) موتی ہو۔

خدا سب سے زیادہ غیرتی ہے۔ یہ اس کی غیرت، عظمت اور بزرگی کے قبے ہیں جو اس کے حسن کے پردہ ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں۔ تمام علم حاصل کرنے کا مقصد اور مدعا خداشناسی ہے۔ اور اس گراں بہا قیمتی موتی کو حاصل کرنا ہے۔ علم کے ذریعہ خدا کی پہچان حاصل ہوتی۔ ور کہ بے علم نتواں خدا را شناخت؛ علم کے بغیر خدا کو پہچاننا ممکن نہیں۔

لوائے عزِّ تو بر سدرۂ قدم زدہ اند
عزیز در صف اہلِ صفا نہ اکنونی

لوائے = علم۔ جھنڈا۔ عزّ = بزرگی۔ عزت۔

سدرہ۔ سدرۃ المنتہیٰ = بیری کا وہ درخت جو جبرئیلؑ کا مقام ہے

قدم = ہمیشگی۔ دائمی۔ کہنگی۔ عزیز = پیارا۔ معشوق۔

اہل = لوگ۔ صفا = صافی والے۔ پاک۔ فرشتے۔ صاحبدل۔

تمہاری عزت کا جھنڈا ہمیشگی کے سدرہ (بلند مقام) پر گاڑا ہوا ہے۔ اور اہلِ صفا لوگوں (فرشتوں۔ صاحبدلوں) میں تم آج ہی پیارے نہیں ہو۔

ہمیشگی اور دائمی تمہاری ہی شان میں ہے۔ تم قدیم ہو۔ ایسا قدیم کہ کہنگی میں تم سے قدیم تر کوئی نہیں۔ یہ عزت کا جھنڈا جو سب سے اونچا لہرا رہا ہے۔ تمہارا ہی ہے۔ تم پاک مخلوق کا پیارا ہو۔ تمہارے عشق کا دم ارواح اور فرشتے بھرتے آئے ہیں۔ آج ہی تم پیارے نہیں بنے ہو۔

دفینِ مخزنِ لاہوت را کہ کون و مکان
نداشت طاقتِ دیدارِ آن تو مدفونی!

دفین = زمین میں گڑا ہوا خزانہ۔ مخزن = خزانہ رکھنے کی جگہ۔

لاہوت = عالمِ ذاتِ الٰہی۔ وہ مرتبہ جہاں سالک کو فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

مدفون = دفن کیا گیا۔ چھپایا گیا۔

لاہوت کے خزانہ میں چھپائی ہوئی وہ دولت جس کے دیدار کی طاقت عالم ہست بود کو نہ تھی۔ تو وہی خزانہ ہو۔

عالم لاہوت میں جو چھپا ہوا خزانہ ہے وہ ذاتِ اللہ ہے۔ اور اس کو دیکھنے کی طاقت عالم ہست بود (ناسوت) کو نہیں۔ اس خزانے کو دیکھنے کی تمنّا ہر ایک کو ہے۔ لیکن دیکھنے کی طاقت نہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ عالم لاہوت کے مقام پر جو پہنچتے ہیں اُن کو دیدار کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ اور اسی کو فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس دیدار سے عاشق میں بغیر اللہ کے اور کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔

علائیا گر ازیں حال حیرتست ترا
امید قطع مکن چوں بوقت مرہونی

مرہون = گرو رکھا گیا۔ رہن کیا گیا۔

اے علائی اگر تم کو اس حال سے حیرت ہے۔ (تو) امید مت کاٹ (نا امید نہ ہو جاؤ) کیونکہ (تم) وقت کے گرو ہو۔

قدس اللہ سرہٗ نے جو باتیں اوپر بیان فرمائی ہیں "کن" کے اسرار ہیں۔ مرکز کے اسرار ہیں۔ محیط کے اسرار ہیں۔ مطلع انوار۔ آفتاب جلال سرّ کمالات سرمدی۔ غیرت الٰہی۔ جمال اور دیدار کے اسرار ہیں۔ جس کا واسطہ ان سرّوں کے ساتھ پڑا اس کا کیا حال ہوگا۔ کیا وہ اپنے حال پر حیران نہ ہوگا۔ اور ان کے حل کے تلاش میں پریشان نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں حیرانی کی بات نہیں۔ تم نا امید نہ ہو۔ وقت آئیگا کہ یہ ساری باتیں حل ہونگی۔ اور تم کو اسرار کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔

نوٹ

یہ غزل نعت بھی ہے اور انسان سے خطاب بھی ہے۔ جو باتیں اسمیں بیان کی گئی ہیں۔ انکا تعلق براہِ راست اللہ سے ہے۔ انکا تعلق "رسول اللہ سے بھی ہے اور حضرت انسان" سے بھی ہے۔ میں نے چاہا تھا۔ کہ ترجمہ کو انسان ہی سے خطاب کی صورت میں پیش کروں۔ لیکن قدس اللہ سرہٗ نے جس طرح رہبری کی میں نے وہی کیا۔ میرا ہاتھ اس میں کچھ بھی نہیں۔

غزل نمبر ۲۵

گر برانداز د زمانے از جمال خود نقاب
از خجالت در کسوفِ آرد رخِ خود آفتاب

اگر کسی وقت اپنے حسن سے نقاب ہٹائیگا تو سورج شرمندگی سے اپنے مُنہ کو گرہن میں چھپائے گا۔

ور نسیمی از رہِ لطفش بدوزخ بگذرد
بندیاں حبسِ آتش ذوق یابند از عذاب

نسیم = تازہ ہوا۔ بندیاں = قیدی۔ حبس = قیدخانہ۔

اگر اس کی مہربانی کی ہوا دوزخ سے چلیگی۔ (تو) آگ کے قیدخانہ (جہنّم) کے قیدیوں کو عذاب سے (آرام دہ) لذّت ملیگی۔

در بہشت از جلوۂ حسنش دمے خالی شود
سلسبیل و سایۂ طوبیٰ شود دل را حجاب

بہشت = جنّت۔ سلسبیل = بہشت کی ایک نہر جس کا پانی نہایت خوشگوار ہے۔
طوبیٰ = بہشت کا ایک خوشبودار درخت۔

اگر جنّت اس کے حسن کے جلوہ (دیدار۔ نور) سے لمحہ بھر کیلئے خالی ہو جائیگی۔ (تو) سلسبیل کی نہر اور درختِ طوبیٰ کا سایہ دل کے لئے پردہ (دکھ دینے والی چیزیں) ہو جائینگے۔

بے خمار از مستیٔ خواہی ز مستی گوشہ گیر
در حیاتِ جاوداں خواہی طلب کن آں شراب

خمار = نشہ۔ گوشہ گرفتن = کونہ پکڑنا۔ تنہا نشین ہو جانا۔
جاودان = ہمیشہ کی۔

نشہ اور مدہوشی کے بغیر مستی اگر چاہتے ہو تو اپنی ہستی سے الگ ہو جا۔ اور اگر ہمیشہ کی زندگی چاہتے ہو (تو) وہ شراب (عرفاں کی شراب) ڈھونڈ۔ (پی)

جو شخص من ہستم سے الگ ہو جاتا ہے۔ گوشہ گیری کرتا ہے۔ یادِ خدا میں وقت گذاتا ہے۔ اس میں ایک خمار پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ خمار مستی کی نشانی ہے۔ ہم اس کو دیکھکر بے اختیار پکارتے ہیں۔ یہ مست فقیر ہے۔

جنہوں نے شرابِ عرفاں کا پیالہ نوش کیا وہ زندۂ جاوید ہو گئے۔ جتنے خدا دوست ہیں ان کے نام لیوا ہزاروں کی لاکھوں ہوتے ہیں۔ اور حیاتِ جاودانی یہی ہے۔ کہ ان کے نام زندہ ہیں۔ اور عزّت سے لئے جاتے ہیں۔ لوگوں کو یقین ہے کہ وہ مرے نہیں۔

بادۂ غم نوش اگر خواہی رہائی زیں خمار
راہِ رنداں گیر اگر جوئی تو قرب آنجناب

اگر اس نشہ سے خلاصی چاہتے ہو تو غم کی شراب پی (اور) اگر اس بزرگ عظمت والے کی نزدیکی ڈھونڈتے ہو تو رندوں کے راستے کو اختیار کر۔

میں ہوں کے نشہ سے اگر چھٹکارا چاہتے ہو تو اس کے عشق کے غم کی شراب (بادہ) پی عشق الٰہی دنیاوی نشہ کو ختم کرتا ہے۔ یہ وصف مئے عرفاں میں ہے۔ کہ دنیا کے غموں سے آزاد کرتی ہے۔ رند وُہ ہے جس نے عشق الٰہی میں اپنے آپکو شریعت کی پابندیوں سے آزاد کیا ہو۔ رسم و رواج کی ہتکڑیوں کو اتار کر پھینکا ہو۔ رند سالکوں میں قلندریہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ضمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی ✦ کہ بسے دراز دور دیست رہ رسم پارسائی

روز بازار یکہ رندان راست ہر دم با غمش
زاہداں را عمر ہرگز مے نہ بینند آن بخواب

روزِ بازار = گرم بازاری۔ زاہد = پرہیزگار۔ شرع کا پابند۔

رندوں کو اس کے غم (عشق) کے ساتھ جو گرم بازاری (رونق۔ لین دین) ہر وقت ہے۔ زاہد ساری عمر میں ہرگز خواب (سپنے) میں بھی نہیں دیکھیں گے۔

رندوں کو عشق بازی میں جو لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور جو رتبہ ملتا ہے۔ وُہ زاہد ساری عمر میں خواب میں بھی نہیں دیکھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ رند اپنے آپ سے اور دنیا کے تمام تعلقات سے الگ ہو جاتے ہیں۔ دنیا سے واسطہ نہیں۔ دیں سے تعلق نہیں۔ رسم و رواج کی پابندی نہیں صرف ایک خیال ہے۔ اُس کی محبّت کا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رندوں کو جلدی کامیابی ہوتی ہے۔

مہر مہر اوست اے دل تو دم از وصلش مزن
سایہ را خورشید جستن کے بود لائے صواب

مہر = محبت۔ دوستی۔ دم زدن = بات کرنا۔ اعتراض کرنا۔
صواب = درست۔ مناسب۔

محبّت اُس (کی طرف سے) کی محبت ہے۔ اے (میرے) دل تو اس کے وصل کی بات

نہ کر۔ (کیونکہ) سایہ (کے لئے) کو سورج ڈھونڈنا اچھی رائے نہیں۔ اگر وہ دوستی اور محبّت کرے تو یہ کیا کم ہے وصل کی باتوں کو کرنا ہی کیوں ہے۔ وصل کی بات کرنا ایسی ہے جیسے سایہ سورج کو ڈھونڈے۔ سورج ملے تو سایہ کہاں رہیگا۔ اس کا وصل ہو۔ تو پھر تو کہاں رہیگا۔ اسواسطے اچھا یہی ہے کہ وہ اُدھر ہی سے محبّت کرے۔ پھر تو محبّت کا مزہ ہے۔

در پئے عنقا چہ پوئی آخر اے مور ضعیف

مجلس جاناں چہ جوئی آخر اے خانہ خراب

عنقا = سیمرغ۔ ہما۔ ایک بہت بڑا پرندہ۔ مور = چیونٹی۔

اے کمزور لاغر ناتواں چیونٹی تم سیمرغ کے پیچھے کیا دوڑتی ہو۔ اے خانہ ویران تم معشوق کی مجلس کیا ڈھونڈتے ہو۔

عنقا بلند پرواز تیز رفتار پرندہ ہے۔ چیونٹی ضعیف اور کمزور کیڑا ہے۔ چیونٹی عنقا کے پیچھے دوڑے تو وہ اس کو کہاں پائے گی۔ وُہ عنقا ہے جس کا نام ہی معلوم ہے۔ اور دیکھا کسی نے نہیں۔ اب کوئی اس کے پیچھے دوڑے تو کیونکر۔ کچھ تو معلوم ہونا چاہئے تھا۔ اور پیچھے دوڑنے والا بھی کون جو ہر رنگ سے عاجز ہے۔ کمزور ہے۔ ضعیف و ناتواں ہے۔

خانہ ویراں (جس کا دل آوارہ ہو پریشان ہو) معشوق کی مجلس ڈھونڈتا ہے معشوق کی مجلس میں جانے کے لئے کچھ سرمایہ ہونا چاہئے۔ گھر اپنا آباد ہونا چاہئے۔ جو شخص عشق الٰہی سے خالی ہے۔ وُہ خانہ ویراں ہے۔ اور وہ معشوق کی مجلس میں اس کے عاشقوں کے ساتھ ہم جلیس ہونا چاہتا ہے۔ یہ خیال ہے۔ محال ہے۔ دِل کے گھر کو اس کی محبت سے آباد کرو۔ کچھ حاصل کرو۔ پھر مجلس میں جانے کی خواہش کرو۔

گر جہانے چوں علائی ہر دم انجا شد فنا

قطرہ در دریا فتاد و باز شد آبے بہ آب

اگر علائی کیطرح وہاں ایک دنیا فنا ہوگئی۔ (تو کیا پروا۔ کونسی بُری بات ہوئی) قطرہ سمندر میں گرا۔ (اور) پانی پانی کے ساتھ پھر ملا۔

علائی وہاں (دربار الٰہی میں) فنا ہو گیا ہے۔ اگر ساری دنیا وہاں فنا ہو جائیگی تو کونسی بات ہے۔ دنیا الوہیت کے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وُہ قطرہ جو اسی

سمندر سے نکلا ہے۔ اگر یہ پھر اسی میں ملا۔ تو کوئی بُری بات نہ ہوئی۔ بلکہ قطرہ کے لئے یہ ایک مبارک بات ہے کہ ایک تو اپنے اصل سے ملا۔ پھر اس کی حیثیت بدل گئی۔ اب یہ قطرہ نہ رہا سمندر بنا۔ فنا فی اللہ ہونے والے اللہ ہی بنتے ہیں۔ گو یہ قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مردانِ خدا خدا نہ ہستند ٭ لیکن ز خدا جُدا نہ ہستند

غزل نمبر ۲۶

بر جانِ مستمندان داغے ز غم نہادند
کز سوزِ آں دو عالم در حیرت اوفتادند

مستمند = غمگین۔ محتاج۔ داغ = نشان۔ عام طور پر وہ نشان جو جلانے سے رہتا ہے۔
سوز = جلن۔ سوزش۔ حیرت = حیرانی۔

محتاجوں (عاشقوں) کی جان پر غم کا (ایک ایسا) نشان لگایا گیا ہے۔ کہ جس کی جلن سے (سوزش اور درد سے) دونوں عالم حیرت میں پڑ گئے۔

عشق کی جلن اور سوزش کتنی سخت اور تیز ہے۔ کسقدر دُکھ دینے والی ہے۔ وہ عاشق ہی جانتے ہیں۔ غم سے مراد عشق ہے۔ کیونکہ عشق غم کا باعث ہے۔ عشق دل کو جلاتا ہے۔ اسواسطے دِل (جان) پر اس کا داغ ہو جاتا ہے۔ یہی داغ ہے جس کی جلن سے دونوں عالم حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ اسقدر جلن ہونے کے باوجود جان میں یہ برداشت کیسے ہے۔

چوں بر درِ جلالش عالم جوے نیرزد
بر ہر گدائے مفلس ایں در چرا کشادند

جب اس کی عظمت و بزرگی کے دروازہ پر سارا عالم ایک جَو کے دانے کی قیمت نہیں رکھتا ہے تو ہر محتاج (مفلس) گدا (بھکاری) پر یہ دروازہ کیوں کھولا گیا ہے؟

کلّ کائنات کی قیمت اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ کائنات کا مالک خود وہی ہے۔ اس کی قیمت اس وقت ہوتی جب اُس سے خریدنے کے لئے کوئی دوسرا موجود ہوتا۔ خریدار ہی نہیں۔ تو قیمت مالک کے پاس کیا ہوگی۔ کچھ بھی نہیں۔

لیکن ظاہر بیں نگاہ میں عالم کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں۔ اس کی قیمت بہت بڑی ہے۔ باوجود اتنی بڑی قیمت ہونے کے اُس کی بزرگی کے سامنے اس کی قیمت جو کا ایک دانہ نہیں لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کے جلال کی خریداری کے لئے ہر بے نوا محتاج کو دعوت

دیجاتی ہے۔ آؤ اور خریدو۔ یہ جلال کا دروازہ بند نہیں۔ یہ ایک راز ہے۔ کہ کیوں ہر مفلس گدا پر یہ دروازہ کھولا گیا ہے۔

بوئے ز زلفِ آن مہ بگذشت بر دو عالم
ذرّاتِ کون ازاں بو مستِ مئی وِداد اند

مہ = چاند۔ کون = دنیا۔ ہستی۔
مَے = شراب = وِداد = دوستی۔ محبّت۔

اُس چاند کی زلف کی ایک بُو دو عالموں پر سے گذری۔ (اور) اُس بُو سے ہستی کے ذرّے دوستی کی شراب سے مست ہیں۔

کستوری (نافہ) اور عنبر کالے رنگ کے ہیں۔ اور خوشبو دار ہیں۔ زلف بھی سیاہ ہے۔ اور اس میں بھی خوشبو ہے۔ بُو خود بخود ہوا میں ملکر پھیل جاتی ہے۔ اور جس کے دماغ میں یہ بو پہنچتی ہے وُہ اس سے محبّت کرتا ہے۔ نفرت نہیں کرتا۔ اس معشوق حقیقی کو زلف کی بو دو عالموں میں پھیلی ہوتی ہے۔ اور اس بو کی برکت سے تمام ذرّات تک ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ کیونکہ ہر ذرّہ دوسرے سے پوچھتا ہے کہ یہ بو کہاں سے آئی۔ اور اس طرح سے دو عالم اس زلف کے تاروں میں بستہ ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ محبّت کرتے ہیں۔ سائینس کی تحقیقات ہے۔ کہ تمام ذرّے ایک دُوسرے کو کشش کرتے ہیں۔ اور ان کے میل ملاپ سے کائنات میں تخلیقی اور تخریبی عمل رونما ہوتا ہے۔ کشش سے اجرام فلکی۔ سیّارے اور ستارے قایم ہیں۔ کشش کے معنی محبّت کے ہیں۔ محبّت ایک دُوسرے کو کھینچتی ہے۔ اور وِداد (محبّت۔ دوستی) کے یہ نظر نہ آنے والے تار اس کی زلف کے تار ہیں جنھوں نے دو عالم کو باندھا ہوا ہے۔ اور دوستی کی خوشبو جو عالم میں پھیلی ہے۔ اسی زلف کی بو ہے۔

چندین ہزار بیدل بر بوی آں سعادت
دلہا نثار کردند جانہا بباد دادند

سعادت = خوش قسمتی۔ نثار = نچھاور۔ قربان۔

لاکھوں عاشقوں نے اس خوش بختی (زلف) کی بو پر دلوں کو نثار کیا اور جانوں کو برباد کیا۔

بیدل (عاشق) اس بو کا سُراغ نکالنے لگے کہ یہ بو کہاں سے آتی ہے۔ اور انہوں نے اپنے دلوں کو اس کی تلاش میں تصدق اور قربان کیا۔ اور اس تلاش اور جستجو میں جانیں دیں۔

مستاں حضرتش را آرامگہ بلا شد
در صد ہزار محنت بر یاد دوست شادند

اس کی بارگاہ کے مستوں (عاشقوں) کو مصیبت "آرام کی جگہ" بنی ہے۔ لاکھوں تکلیفوں میں (گرفتار ہونے کے باوجود) پیارے کی یاد (میں) پرخوش ہیں۔

اس کے درگاہ کے دلدادوں کو مصیبتوں اور تکلیفوں ہی میں آرام ملتا ہے۔ وہ دوست کی یاد (ذکر) میں شاد (خوش) ہیں۔ چاہئے لاکھوں تکلیفوں میں مبتلا کیوں نہ ہوں اس کی یاد میں تکلیفوں اور مصیبتوں کا خیال ہی ان کو نہیں رہتا ہے۔ جب خیال ہی نہ رہا تو مصیبت مصیبت نہ رہی۔

قومے کہ پئے بزند بوئے زخاک این در
در راہ کشف و تحقیق آنہا کم از جماد ند

پئے بردن = پتہ چلانا۔ سُراغ لگانا۔

کشف = کھولنا۔ ظاہر کرنا۔ غیب باتوں کا اظہار۔

تحقیق = معلوم کرنا۔ اصلی بات یا معاملہ کا کھوج لگانا۔ اصلیت دریافت کرنا۔

جماد = بے جان چیزیں۔ جیسے پتھر وغیرہ۔ بے حس بے جان بے زبان مخلوق۔

جن لوگوں نے اس دروازہ (چوکھٹ) کی مٹی کی بو کا سراغ نہ پایا۔ غیبی باتوں کو معلوم کرنے اور اصلیت و حقیقت کو دریافت کرنے کے راستے میں وہ (لوگ۔ قوم) بے جان۔ بے حس اور بے زبان چیزوں سے بھی کم درجہ رکھتے ہیں۔

جن سعادتمندوں کے دماغوں میں اس دروازے کی مٹی کی بو آئے وہی صاحب کشف و کرامات اور اہل تحقیق بنے۔ جن کو ہماری طرح اُس عظمت و بزرگی کے دروازے کی مٹی کی بو تک دماغ میں نہ آئی وہ پتھر اور جمادات سے بدتر ہیں۔ "کالانعام بل ھم اضل" چوپایوں سے بھی بدتر۔

چون دیدہ آں ندارند تا روی دوست بہ بینند
از مادرِ طبیعت گویا مگر نزاد

مادر = ماں - طبیعت = مزاج - پیدائش - فطرت - عادت -

جب وہ دوست کو دیکھنے والی آنکھیں نہیں رکھتے ہیں - تو گویا (وہ) فطرت کی ماں سے پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں - فطرت اور عادت اللہ کا تقاضا ہے - کہ ہم خالق کو پہچانیں اور اس کو دوست بنائیں اور اس کو دیکھیں - گر اس کو دیکھنے کی آنکھیں اور ہی ہیں یہ آنکھیں بینا ہوں تو اس کا روی دیکھ سکتے ہیں - اسواسطے جنکو یہ آنکھیں نہیں ان کو زندگی بے سود ہے اور زندگی نہیں - اور ان کا حال ایسا ہے کہ گویا وہ ماں سے پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں -

سرگشتگانِ راہش بر نفس اگر سوارند
ہرگز عناں ہمت در دستِ او ندادند

سرگشتہ = پریشان - حیران - بے قرار -

عناں = لگام - ہمت = جوانمردی - بہادری -

اس کے راستے کے سرگشتے اگرچہ نفس پر سوار ہیں - (تو بھی) ہمت کی لگام کو (انہوں نے) اس کے ہاتھ میں ہرگز نہ دی - اس کے عاشق اگرچہ نفس پر پورا قابو رکھتے ہیں - اور نفس کو انہوں نے ماتحت بنایا ہوتا ہے - پھر بھی وہ اس نفس کے ہاتھ میں ہمت کی لگام ہرگز نہیں دیتے ہیں - باوجود اس کے کہ وہ نفس پر سوار ہیں - اور جسطرح چاہیں نفس کو اسی طرح چلنا پڑتا ہے - پھر بھی نفس سے ڈرتے ہیں کہ اگر باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو یہ پھر بے لگام نہ بنے -

شوریدگانِ عشقش بر چارسوے غیرت (عبرت)
پیوستہ چوں علائی با خویش در جہادند

شوریدہ = آوارہ و سرگرداں - حیران و پریشان -

چارسو = چاروں طرف - چوراہا -

غیرت = رشک - شرم - ہمت - بہادری - (عبرت = نصیحت پکڑنا - دوسروں کا حال دیکھکر متاثر ہونا - اور محتاط بننا -)

جہاد = کوشش کرنا - خدا کے راستے میں سچائی کے لئے لڑنا -

اس کے عشق کے آوارہ غیرت کے چور اہے پر علائی کیطرح لگاتار اپنے آپ کے ساتھ جہاد میں ہیں۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔" اکبر اور اصغر" سچائی کی تحقیقات کے لئے اپنے آپ سے لڑنا، جہادِ اکبر" ہے۔ سچائی کے لئے دوسروں کے ساتھ لڑنا" جہاد اصغر" ہے۔ بڑا جہاد اپنے نفس کے ساتھ لڑنا ہے۔ اور اس کو ماتحت بنانا ہے۔ چھوٹا جہاد خدا کے لئے خدا کے منکروں کے ساتھ لڑنا ہے۔ عاشق جہاد اکبر کے مجاہد ہوتے ہیں۔ اور علائی قدس اللہ سرہ بھی ان ہی مجاہدوں میں سے تھے۔

غزل نمبر ۲۱

میانِ آبحیاتی و آب میجوئی
فراز گنجی واز فاقہ در تگ و پوئی

فراز = اوپر۔ تگ و پو = دوڑ دھوپ۔ جستجو۔

تم آبحیات کے بیچ میں ہو اور پانی ڈھونڈتے ہو۔ خزانے کے اوپر (بیٹھے) ہو اور فاقہ (بھوک) سے (خوراک کی) دوڑ دھوپ میں ہو۔

بے خبری اور انجان ہونے کی حالت بیان فرماتے ہیں معمولی پانی میں نہیں بلکہ ہم آبحیات میں ہیں اور خبر اور واقفیت نہ ہونے کے موجب پانی ڈھونڈتے ہیں۔ تاکہ پیاس بجھائیں۔ ہم خوراک کے ذخیرے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور لاعلمی کے موجب ہم کو پتہ نہیں چلتا ہے۔ اور ہم اِدھر اُدھر خوراک کی تلاش میں دوڑتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے مگر واقفیت اور علمیت کی ضرورت ہے۔ روحانیت ہم میں ہے۔ کشف و کرامات ہم میں ہے۔ ایمان ہم میں ہے۔ خدا ہم میں ہے۔ لیکن ہم بے خبر ہیں۔

ز کوئی دوست ہمے جوئی و نمیدانی
کہ گر نظر بحقیقت کنی تو آں کوئی

تم دوست (معشوق) کے کوچے کو ڈھونڈتے ہو اور نہیں جانتے ہو۔ کہ اگر تم حقیقت (اصلیت کی نگاہ) سے دیکھو گے تم ہی وہ کوچہ (گلی) ہو۔

خدا ڈھونڈنے کے لئے اپنے آپ سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ واقفیت ہونے

کی ضرورت ہے۔ اور یہ واقفیت مرشد کامل سے حاصل ہوتی ہے۔

ز بوئے زلفش ازاں غافلی کہ مزکومی
وگرنہ از خم زلفش تو خود یکے موئی

مزکوم = جس کو نزلہ ہوا ہو۔ زکام والا۔

اس کی زلف کی بُو سے (تم) اس لئے بے خبر ہو کہ تم کو نزلہ (زکام) ہوا ہے۔ ورنہ (اگر ایسا نہ ہوتا) تو تم خود اس کی زلف کا ایک مُو (بال) ہو۔ غفلت اور بے خبری کی حد دیکھو۔ تم اس کی زلف کا ایک بال ہو۔ اور باوجود اس کے تمکو اس زلف کی خبر نہیں۔ کسقدر حیرانی کی بات ہے کہ ہم کو اپنے آپ کی خبر نہیں کہ ہم کیا ہیں۔ کہاں سے ہیں۔

رُخے کہ آئینہ بنمود آن برابر تست
چونیک درنگری اصل و فرعِ آن روئی

برابر = مساوی۔ پورا۔ اصل = جڑ۔ بنیاد۔ فرع = شاخ۔

جو رُخ آئینہ نے دکھایا وہ تمہارا پورا عکس ہے۔ جب اچھی طرح سے دیکھو گے تو تم ہی اس رُوئی کی جڑ اور شاخ ہو۔

جب ہم آئینہ میں دیکھتے ہیں تو جو آئینہ میں نظر آتا ہے۔ وُہ ہمارا پورا عکس ہوتا ہے۔ اس عکس کی بنیاد ہم ہی ہیں۔ جو کچھ اس میں سے اچھا یا بُرا نظر آئے ہمارا ہی ہے۔

ہم آئینہ ہیں اور وہ (خدا) اپنے آپ کو ہم میں سے دیکھتا ہے۔ تو ہم میں کیا ہے؟ یہ روی جو اُس کو ہم میں سے نظر آتا ہے۔ کس کا ہے؟ ہم اس کا عکس ہیں۔ اس کا سایہ ہیں۔ مگر آئینہ میں کہ ہم کو خبر نہیں ہم میں کیا ہے۔

سُرادِق جبروتی معطر از دم تست
تو مشک طینتی از جہل جیفہ میجوئی!

سُرادق = خیمہ۔ شامیانہ۔ سراپردہ۔

جبروت = عظمت۔ عزت اور طاقت۔ مقام صفات الٰہی۔ عالم جبروت۔

معطّر = خوشبودار۔ عطر لگایا گیا۔ طینت = سرشت۔ پیدائش۔ (خصلت)

جہل = لاعلمی۔ بے خبری۔ نادانی۔

جیفہ = مردار جس میں بد بو آگئی ہو۔

تیرے دم سے (تیرے ہونے سے) عالم جبروت کے شامیانے معطر ہیں۔ تو اصلی خوشبو ہو (سرشت سے خوشبودار کستوری ہو) اور نادانی اور جہالت کے موجب مردار ڈھونڈتے ہو۔ عالم جبروت کے شامیانے جس خوشبو سے مشکبار ہیں تم وہی مشک ہو۔ لیکن تم کو اپنی اصلیت اور خصلت کی خبر نہیں اسی واسطے مردار کے پیچھے پڑے ہو۔ "اَلدُّنیاءُ جِیفَۃٌ" دنیا بد بودار مردار ہے۔

حظائر ملکوت از تو زیب مے یابند
تو در مزابل طبع و ہوا چہ میجوئی

حظائر = اونچے مکان اونچی جگہیں۔ زیب = آراستگی۔ زینت۔
مزابل = مزبلہ کی جمع = پلیدی کوڑا کرکٹ جمع رکھنے کی جگہ۔
طبع = طبیعت۔ مزاج۔ ہوا = حرص و ہوا۔ طمع۔ لالچ۔

عالم ملکوت کے نورانی بنگلے تم سے زینت (سجاوٹ) پاتے ہیں اور تم طبیعت اور حرص ہوا کی گندی جگہوں میں کیا ڈھونڈتے ہو۔ عالم ملکوت کے نورانی مقام تم سے منور ہیں۔ آراستہ ہیں۔ ان کی سجاوٹ آرائش و زیبائش تم سے ہے اور کسقدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ تم طبیعت۔ لالچ۔ طمع۔ حرص اور نفسانی خواہشات کی گندی جگہوں میں نہ معلوم کیا ڈھونڈتے ہو۔

گلے ز گلشن وصلے فتادہ اندر خاک
میان گلخن حرص و حسد چہ مے بوئی

گلخن = بھٹی۔ آتش خانہ۔

وصل کی پھلواڑی سے ایک پھول مٹی میں گرا ہے۔ (تم) حرص (طمع۔ لالچ) اور حسد (کینہ۔ عداوت) کے آتش خانہ میں کیا دوڑتے ہو۔ (کیا) ڈھونڈتے ہو۔ تلاش کرتے ہو) تم وصل کے گلشن کے گلبن کا مٹی میں گرے ہوئے پھول ہو۔ روح وصل کے گلبن کا پھول ہے۔ جس کو مٹی میں (جسم خاکی میں) ڈالا گیا ہے۔ آدم مٹی سے بنایا گیا اور اس میں روح ڈالی گئی۔ حرص و حسد ایک گلخن (آتش خانہ) ہے۔ نازک پھول کو آتش خانہ میں دوڑانا کب مناسب ہے۔ اس کو پھولدار چاہئے۔ حسد اور حرص روح کو جلاتے ہیں۔ "اَلْحَسَدُ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ"

حسد۔ طمع اور حرص سے دور رہو۔ تو تم تروتازہ رہوگے۔

بہ بزمِ مجلسِ خاصش علا بُیا نفسے
رہت دہند اگر دستِ دل ز خود شوئی

بزم = عیش ونشاط کی مجلس۔ نفسے = اس دم۔ اس وقت۔

علا بُیا اس کی خاص مجلس کی محفل میں تم کو اُس وقت رستہ دینگے جب تم دل کے ہاتھ کو اپنے آپ سے (خودی سے۔ میں ہوں سے) دھو ڈالوگے اپنے ہونے کے خیال کو دل سے نکالوگے تو تم کو اس کی خاص محفل میں جانے کی اجازت دینگے۔ اس لئے دل کے ہاتھ خودی کی میل سے صاف کرو۔

غزل — **نمبر ۲۸**

تا نیفشانی درین رہ دامن از جان وجہان
در جہاں وجان نیابی فیض اندر سرِّ جان

جب تک اس (سلوک) رستے میں (اپنے) دامن کو جان اور جہاں سے نہیں جھاڑوگے۔ (اسوقت تک) جان کے سرّ (بھید) کو نہ جہان میں پاؤگے اور نہ جان میں۔

سلوک کے رستے میں اپنے آپ سے اور دُنیا سے دامن کو جھاڑنا ہے۔ دل کو صاف و پاک کرنا ہے۔ نفسانی آلودگیوں کو دُور کرنا ہے۔ پھر جان کے بھید کا فایدہ ملیگا۔ فیض کامل نفسانی خواہشات ہوتے ہوئے ممکن نہیں۔ جان کے سرّ کا فایدہ اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو جان سے اور جہاں سے دست بردار ہوجاؤ۔

گر زنی بر سدِّ یاجوجِ ہوا یکدم قدم
از نسیم صبح اسرارِ قِدم یابی نشاں

سدّ = دیوار۔ بند۔

یاجوج = ایک قومی ہیکل۔ خونخوار مردم آزار قوم تھی۔ یہ لوٹ مار کا بازار گرم کرتی تھی۔ سکندر نے ایک سدّ بنا کر اس قوم کا رستہ بند کیا تھا۔ خیال ہے کہ یہ لوگ پرانے زمانے کے وحشی روسی تھے۔ کوہ کاکیشیا کے دروں سے آباد علاقوں میں آتے تھے کھیتوں اور باغوں کو لوٹ کر لیجاتے تھے۔ پرلے درجے کے لالچی تھے۔ کسی چیز کو نہیں چھوڑتے تھے۔

اگر حرص و ہوا اور نفسانی خواہشات کی مضبوط دیوار پر قدم (پاؤں) رکھو گے۔ تو ازلی (قدیمی) سروں کے صبح کی خوش ہوا سے نشاں پاؤ گے۔ یاجوج ماجوج کی دیوار جس کو سدِ سکندر کہتے ہیں۔ بہت مضبوط دیوار بنائی گئی تھی جس کے بنانے میں پتھر مٹی۔ چونہ وغیرہ کے علاوہ سیسہ۔ لوہا اور تانبا بھی استعمال کیا گیا تھا۔ تاکہ یاجوج اس کو سوراخ نہ کر سکیں کاٹ نہ سکیں۔ گرا نہ سکیں۔ نفسانی خواہشات کی دیوار بھی ایسی مضبوط ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس پر چڑھنا آسان نہیں۔ خواہشات کو پاؤں تلے دبانا بہادری اور ہمت چاہتا ہے۔ اس خواہشات کی دیوار کے پیچھے اسرار قدم کا سرسبز اور آباد علاقہ ہے جس میں نسیم صبح چلتی ہے۔ جب اس دیوار پر چڑھو گے تو تم کو خودبخود اسرارِ قدم کا میداں نظر آئیگا۔

خاکدانِ دیو با غولاں نفسانی گذار
عیش با روحانیاں کن برتر از ہفت آسماں

خاکداں = دنیا۔ مٹی کا گھر۔ دیو = شیطان۔
غول = چھلاوا۔ راہ چوک۔ گمراہ کرنے والا۔

شیطان کے گھر (دنیا) کو نفسانی گمراہوں کے پاس چھوڑ دے۔ اور سات آسمانوں سے بالاتر روحانیوں کے ساتھ عیش مناؤ۔ دنیا کو جو شیطان کا گھر ہے نفس پرست گمراہوں اور گمراہ کرنے والے لوگوں کے پاس چھوڑ دے۔ اور سات آسماں سے اوپر رہنے والے فرشتوں اور روحوں کے ساتھ عیش مناؤ۔

روح انوارِ صفا از بے صفایاں تو مجوے
یُمن آثارِ ہما از منظر بوماں بداں۔

یُمن = سعادت۔ برکت۔ اقبال مندی۔ آثار = نشان
ہُما = راج ہنس۔ مبارک پرندہ۔ منظر = دریچہ۔ دیکھنے کی جگہ۔
بُوم = اُلو۔

(تم) ان لوگوں سے جن کے دل صاف و پاک نہیں صافی اور پاکی کے نوروں کی روح مت ڈھونڈ۔ راج ہنس کی برکت اور اقبالمندی کی علامتیں (اثرات) اُلوؤں کے گھونسلوں سے مت جان۔ (امید مت رکھ)۔

لراج ہنس بھی ہے اور اُلّو بھی ہے۔ ایک مبارک پرندہ ہے دُوسرا منحوس۔ دونوں پرندے۔ خدا رسیدہ صاف دل روشن ضمیر مرشد بھی ہیں اور مکّار ریاکار دنیا پرست درویش بھی ہیں۔ ان دونوں میں تمیز کرنا اور دونوں کو پرکھنا لازمی ہے۔ بے صفا لوگوں سے تم کو کیا فیض ملیگا۔

نالہ را ہمدم گزین و سایہ را ہمسایہ کُن
جامِ غم بر روئے ایشاں نوش کن در ہر زمان

رفیق اور ساتھی کے لئے نالہ کو چُنو اور (اپنے) سایہ کو پڑوسی بناؤ۔ اور ہر وقت ان (نالہ اور سایہ) کے سامنے غم کا پیالہ پیتے رہو۔

اپنے نالہ گریہ و زاری آہ و فغاں کے سوا کسی کی آواز تک نہ سنو۔ کسی سے بات تک نہ کرو۔ اور اپنے سایہ کے بغیر کسی کو ہمسایہ نہ بناؤ کامل گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کرو۔ اور ہر وقت اس کی محبّت اور عشق کا پیالہ پیتے رہو۔ مئے عرفاں کے جام بھر بھر کر پیو۔ ہر دم اس کی یاد میں مست رہو۔

بیدلاں را ساقی از اشک ست و مطرب آہِ دل
عاشقاں را لذّت از درد است و راحت سوزِ جاں

بیدلوں (عاشقوں۔ جنہوں نے دل کو دیا ہے۔ اور خود اب دل کے بغیر ہیں) کا ساقی (شراب پلانے والا) آنسو ہے۔ اور ان کا مطرب (ساز ندہ۔ گویا) آہ (درد بھری سانس) ہے۔ عاشقوں کو درد (عشق۔ دُکھ۔ تکلیف) سے لذّت (مزہ۔ لطف) ہے اور جان کی جلن سے راحت (آرام۔ آسایش) ہے۔

مے نوشی کا لطف اُٹھانے کے لئے میخوار شراب کے علاوہ کچھ اور انتظام بھی کرتے ہیں۔ مئے نوشی کے ساتھ نان و کباب بھی ہوتا ہے۔ ساز سرود اور نغمہ بھی ہوتا ہے۔ ساقی کے ساتھ خدمتگزار بھی ہوتے ہیں۔ آرام و آسائش کا بند و بست بھی ہوتا ہے۔ اور اِس محفل مے نوشی کا لطف ہی اور ہوتا ہے۔ بیدل بھی اس لطف سے خالی نہیں۔ وہ آنسو کو ساقی آہِ دل (نالوں) کو مطرب۔ دردِ عشق کو شراب و کباب اور سوزِ جان کو آرام و آسائش کا سامان بناتا ہے۔ اور جو لطف اور مزہ اس کو ملتا ہے۔ وہ میخانہ کی محفل میں خواب میں بھی نہیں۔

عشق سلطان است چوں مہمان آید نزلِ او
دیدۂ دِل ساز و جاں شکرانہ آر اندر میاں

نزل = مہمانی۔ ضیافت جو مہماں کو کھلاتے ہیں۔

عشق ایک بادشاہ ہے۔ جب تیرا مہمان بنکر آئیگا تو اس کی مہمانی (ضیافت) دِل کی آنکھیں بناؤ اور بیچ میں سے شکرانہ کے طور پر جان پیش کر۔

مہمان جب آتا ہے تو ہم اسکی تعظیم کے لئے معمول کے کھانے میں کچھ اضافہ کرتے ہیں۔ بادشاہِ عشق جب دل کے گھر میں مہمان بنکر آئے تو اس کے لئے مہمانی کا انتظام لازمی ہے اس کی مہمانی دِل کی آنکھوں سے کرنی چاہئے اور جان کو تشریف آوری کے شکرانہ میں پیشِ خدمت کرنا چاہئے۔

عشقِ جانان آتش و جانِ علائیؔ خس درو
خس چو در آتش فنا شد دیگر اورا خس مخوان

خَس = گھاس کا تنکا۔ کوڑا کرکٹ۔

معشوق کا عشق آگ ہے اور علائیؔ کی جان اس میں کوڑا کرکٹ ہے۔ جب کوڑا کرکٹ آگ میں (جل کر) فنا ہوگیا (تو) پھر اس کو کوڑا کرکٹ مت کہو۔

عناصر اربعہ خاک و باد و آب و آتش میں ہر چیز پاک کرنے کی خاصیت ہے یہ عناصر پاک ہیں اور ناپاک نہیں ہوتے ہیں البتہ مستعمل ہو جاتے ہیں۔ اکثر چیزیں پانی سے پاک ہوتی ہیں۔ جو مٹی میں ملکر مٹی بن جائے پاک ہو گی۔ ہوا بھی گندگی اور بدبو وغیرہ کو پاک کرتی ہے۔ آگ میں جو چیز جل کر راکھ ہو جائے پاک ہوگی۔

جان نفسانی آلودگیوں سے ناپاک ہو جاتی ہے۔ اس کی حیثیت کوڑا کرکٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ اس کو عشق الٰہی کی آگ صاف و پاک کرتی ہے۔ کوڑا کرکٹ جب جل کر راکھ ہو گیا تو اس کو کوڑا کرکٹ نہیں کہتے ہیں۔ یہ پاک ہے اور دوسری ناصاف اور ناپاک چیزوں کو صاف کرنے کی خاصیت اسمیں پیدا ہوتی ہے۔

غزل نمبر ۲۹

سیرِ ہمائے عشقش والا بود ہمیشہ
ظلِّ جلال حکمش بر ما بود ہمیشہ

والا = بُلند۔ اونچا مرتبہ۔ ظلّ = سایہ۔ چھاؤں۔

اس کے عشق کے راج ہنس کی اڑان ہمیشہ بُلند ہے۔ اور اس کے حُکم کی عظمت کا سایہ ہمیشہ ہم پر رہے۔

عشق الٰہی کی اُڑان بہت اُونچی ہے۔ آسمانوں سے اور عرش سے بالاتر لامکان سے پرے اگر کسی کی اُڑان ہے تو وہ عشق کی اڑان ہے۔ یہ عشق کی پرواز ہے جو عاشق کو سیر ملکوت۔ جبروت اور لاہوت کراتی ہے رہی بات اسکے حکم کی تو اسکے حکم کا سایہ تمام کائنات پر۔ ساری کائنات اس کے حکم کی متابعت کرتی ہے۔ اس کے حکم کے خلاف کوئی بات واقع نہیں ہوتی ہے "یفعل اللہ مایشآء" جس طرح سے چاہتا ہے۔ کائنات سے اسی طرح کام کراتا ہے۔ لا یتحرک ذرۃ الا باذن اللہ

چون مسند جلالش دلہائے بیدلانست
پس شاہباز عشقش بیجا بود ہمیشہ

مسند = قیمتی کپڑے کا گدیلا جسمیں روئی یا اور کوئی نرم چیز بھری ہوتی ہے اس کو بچھا کر پیچھے تکیہ لگاتے ہیں۔ مسند شاہی = تخت۔ آرام وہ بیٹھنے کی جگہ۔

شاہباز ۔ بڑا باز = شکاری پرندہ جس کو شکار کے لئے پالتے ہیں۔

جب اس کے جلال کا مسند بیدل لوگوں کے دل ہیں تو اسی لئے اس کے عشق کا شاہباز ہمیشہ بے گھر ہے۔

بیدل عاشق ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے معشوق کو دل دیا ہوتا ہے اور انہی عاشقوں کے دل جو حقیقت میں ہیں ہی نہیں اس کی عظمت و بزرگی اور جلال کے بیٹھنے کی جگہ ہے ۔ سوچئے۔ جگہ ہے ہی نہیں۔ تو بیٹھنے کی جگہ پھر کہاں ہے۔ کہیں نہیں۔ اب عشق کا شاہباز گھونسلا بنائے تو کہاں بنائے اور بیٹھے تو کہاں بیٹھے۔ عشق کا ٹھکانہ دِل ہے۔ مگر عاشق کا دل ہی نہیں وہ بیدل ہے۔ اسواسطے عشق کا ٹھکانہ کہیں نہیں۔

وانکو عمائے غفلت پوشیدہ چشم تیزش
خطِ شے از مسمّٰی اسماء بود ہمیشہ

وانکو = جس کسی کو۔ عمّا = اندھاپن۔ گمراہی۔

خط = تحریر۔ دستاویز۔ چھٹی۔ لکیر۔

حظ = لذّت۔ فایدہ ۔ حصہ۔ نصیب۔

مسمّٰی = ذات یا چیز جس کو نام رکھا گیا ہو۔

اسما = جمع اسم۔ نام۔

جس کسی کو غفلت (بے خبری۔ جہالت) کے اندھاپن نے اس کی تیز (روشن۔ بینا) آنکھوں ڈھانپنا (اندھا بنا دیا) اس کی دست آویز اصلی ذات سے اس ذات کا نام ہی ہمیشہ ہوتی ہے۔ اندھے کو اصلی ذات یا چیز کی پوری واقفیت نہیں ہوتی ہے۔ وہ صرف نام ہی جانتا ہے۔ مثلاً ہاتھی یا گھر یا کوئی چیز۔ اندھے کو پوری علمیت نہیں کہ ہاتھی کی شکل و شباہت ڈیل ڈول رنگ وغیرہ کیسا ہے۔ وہ نام ہی یاد رکھتا ہے اور نام ہی جانتا ہے۔ اسی طرح سے جن لوگوں کو غفلت نے اندھا بنا دیا ہے اور ان کی دل کی آنکھوں سے بینائی چھین لی ہے۔ وہ ذات الٰہی کی پہچان سے بے بہرہ ہیں۔ وہ نام ہی رٹتے ہیں اور نام والے کو جانتے نہیں۔ نام سے مراد نام والا ہے۔ صرف نام بے سود ہے۔ لفظِ گھوڑا "گھوڑا" نہیں۔ یہ صرف نام ہے۔ اس کا فائدہ اس وقت ہے۔ جب گھوڑا دیکھا ہو۔ اور نام لینے سے اس کا خیال دل میں پیدا ہو۔ گھوڑے کی شکل اور صورت سامنے آجائے۔ ہم ان چیزوں کا تصوّر دل میں نہیں پیدا کر سکتے ہیں جنکو ہم نے دیکھا نہیں۔ مثلاً۔ فرشتے۔ جن۔ پری۔ وغیرہ ان کا تصوّر خیالی ہے۔ وہمی ہے۔ حقیقت پر مبنی نہیں۔ غفلت اور بے خبری مٹ جائیں۔ تو اسم بامسمّیٰ کا فائدہ حاصل ہوگا۔

زیب جمال معنی چوں نو معرفت شد!
سیر صفائے عارف زیبا بود ہمیشہ

زیب = آرائش۔ زینت۔ رونق۔

معنی = اصلیت حقیقت۔ ذات یا چیز کا خیال دل میں اسطرح پیدا ہونا اور سمجھ میں آنا۔ کہ ذات یا چیز ہو بہو خیال میں دکھائی دے۔ معنی اور ترجمہ میں فرق ہے۔ فرس۔ عربی لفظ ہے۔ اسپ فارسی لفظ ہے۔ گھوڑا اردو لفظ ہے۔ گُر کشمیری ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ترجمے ہیں۔ معنی نہیں۔ معنی وہ خیال ہے وہ تصویر ہے۔ جو ان لفظوں میں سے کسی لفظ کے سننے یا پڑھنے سے ذہن میں پیدا ہو۔ ایک حیوان۔ سواری کے کام آنے والا۔ گائے۔ بھیڑ وغیرہ جانوروں سے مختلف۔ گھوڑے کی شکل و صورت جو دل میں پیدا ہوتی ہے وہ معنی ہے۔

صفا = پاک و صاف۔ آلائش اور آلودگی سے پاک۔ بغیر میل کے۔

زیبا = زینت دینے والا۔ رونق بخشنے والا۔ سجانے والا۔

حقیقت اور اصلیت کے حسن کی آرائش اور زیبائش جب معرفت کا نور بنا ہے (اس لئے)

کدورتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف سیر عارف کی ہمیشہ زیبا ہے (پسندیدہ ہے۔ رونق بخش ہے) نور کی قسمیں ہیں۔ ہر نور کا رنگ جُدا ہے۔ خاصیت اور اثر جُدا ہے۔ سالکوں اور عارفوں کو یہ نور دکھائی دیتے ہیں۔ اُنہوں نے ان کے نام بھی رکھے ہیں۔ اور ان کے مقام بھی مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک نور۔ نورِ معرفت کہلاتا ہے۔ پہچان اور شناسائی کا نور۔ اس نور کی خاصیت ذاتِ الٰہی کو دکھاتا ہے۔ اسی نور سے خدا کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی لئے نورِ معرفت جمالِ معنی کو زینت بخشتا ہے۔ زینت دیکھنے سے ہے۔ اگر کوئی چیز کتنی حسین ہو۔ لیکن کسی نے وہ چیز دیکھی نہیں۔ تو اس کی زینت اور اس کا حُسن کس کام کا۔

اس معنی کے حُسن کو دیکھنے والا۔ زینت بخشنے والا جو ہے "عارف" کہلاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ "پہچاننے والا" "کس کو پہچاننے والا؟ خدا کو۔ "خداشناس"۔ نورِ معرفت کی روشنی میں عارف کی پاک و صاف سیر پسندیدہ نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ سیر ہے۔ فرحت بخش سیر لطف انگیز سیر۔ اس کو زیبا سیر کہتے ہیں۔

بوئے زخاکِ کویش بر جان ہر کہ آمد
انفاس مشکبارش بویا بود ہمیشہ

انفاس = جمع نفس = سانس۔

بویا = خوشبودار۔ خوشبو دینے والا۔

اس کے کوچے کی مٹی کی بو جس کسی کی جان پر آئی۔ اس کے خوشبو چھڑکنے والے (پھیلانے والے) سانس ہمیشہ خوشبو دیتے رہتے ہیں۔

جس کسی کو اس کے کوچے کی مٹی کی بو دماغ میں پہنچی۔ (اس کی تھوڑی سی عنایت ہوئی) اس کے سانس ہمیشہ خوشبو پھیلاتے ہیں۔ وہ ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کے سانس سے (تربیت سے) دوسرے بھی خوشبو لیتے ہیں۔

جائیکہ دردِ عشقش منزل کند زمانے
لذّات جاودانی آنجا بود ہمیشہ

جس جگہ اس کے عشق کی بیماری تھوڑی دیر کے لئے منزل بنائے گی۔ (قرار کرے گی۔ ڈیرہ ڈالے گی) وہاں (اسی جگہ) ہمیشہ موجود رہنے والی لذتیں ہوتی ہیں۔

لذت ایک عارضی ہے اور ایک دائمی۔ اشیاء خوردنی اور تشفی شہوات نفسانی کی لذت عارضی ہے۔ آپ نے لذیذ سے لذیذ کوئی چیز کھائی اس کا مزہ۔ ذائقہ کلی ڈالنے تک ہے۔ زیادہ سے زیادہ تھوڑی دیر اس کے بعد تک اور ختم۔ آپ نے اپنی منکوحہ کے وصل سے نفسانی شہوت کے مزہ کو چکھا۔ سکنڈوں میں آپ بدمزہ اور ملول ہو کر الگ ہو جاتے ہیں۔ دنیاوی لذات سارے کے سارے "عارضی" ہیں عشق کی بیماری جہاں ڈیرہ ڈالتی ہے۔ وہاں وہ بھوک تو نہیں رہتی ہے۔ اس کے لئے کھانے کو کچھ تو ضرور ہونا چاہئے۔ اس لئے وہاں جن ضیافتوں اور کھانوں کا انتظام اور بندوبست کیا جاتا ہے۔ ان میں "جاودانی لذات" ہوتے ہیں۔ وہ مزے اور وہ ذائقے جن کا اثر دور نہیں ہوتا ہے۔ غم کی لذت۔ شادی کی لذت۔ فراق ہجراں کی لذت۔ وصل کی لذت۔ دیدار کی لذت وغیرہ۔ یہ لذات جاودانی ہیں۔

ہر کو ندید روئیش کورِ دو عالم آمد
وانرا کہ دیدہ واشد بینا بود ہمیشہ

جس نے اس کے چہرے کو نہ دیکھا وہ دو دنیاؤں کا (میں) اندھا ہے۔ اور جس کی آنکھ کھل گئی وہ ہمیشہ بینا ہے (دیکھنے والا ہے)

کچھ کہتے ہیں کہ کسی نے اس کے منہ کو نہ دیکھا۔ پھر تو سارے اندھے ہوئے۔ کچھ کہتے ہیں کہ سبھوں نے اس کے منہ کو دیکھا۔ تو پھر سارے بینا ہوئے۔ کچھ کہتے ہیں کہ آدھوں نے دیکھا اور آدھوں نے نہیں دیکھا۔ تو پھر بینا اور اندھوں کی دو جماعتیں ہوئیں۔ بات یہ ہے کہ جس کو یقین ہو کہ میں نے اس کو دیکھا۔ اس نے دیکھا۔ جس کو یقین ہے کہ اس نے نہیں دیکھا۔ اس نے نہیں دیکھا۔ اس کے دیکھنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ پہلے آئینہ میں اس کے عکس کو دیکھو۔ کائنات اس کا آئینہ ہے۔ جس میں اس کا عکس ہے۔ جب عکس سے تم کو یقین پیدا ہو جائے تو پھر اصل کی طرف خودبخود پھرو گے۔ کثرت سے وحدت معلوم کرنے کا طریقہ یہی ہے۔

سودائیاں وصلش شیدائے انجمن شد
در آفتاب ذرّہ شیدا بود ہمیشہ

سودائی = فریفتہ۔ پاگل۔ عاشق۔ شیدا = دیوانہ۔ عاشق۔

اس کے وصل کے فریفتے اس کی انجمن (مجلس۔ سبھا) کے دیوانے ہوئے۔ (کیونکہ) سورج

یں ذرّہ ہمیشہ فریفتہ ہوتا ہے۔

موجودہ تحقیقات ہے کہ آفتاب چمکتے ہوئے ذرّوں کا نہایت گرم مایع صورت میں ایک بہت بڑا جسم ہے۔ یہ ذرّے کرنوں کی شکل میں اس سے نکلتے ہیں اور اسی میں پھر واپس جاتے ہیں گویا یہ ذرّے آفتاب کے دیوانے اور عاشق ہیں۔ ذرّوں کی انجمن سے آفتاب کا ظہور ہے۔

کائنات اس کی انجمن ہے۔ اسواسطے کائنات سے ملنا۔ اس کا عاشق بننا۔ کائنات کی حقیقت کو دریافت کرنا اس کے وصل کے لئے ضروری ہے "یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا" انجمن اس کے عاشقوں۔ عارفوں اور سالکوں کی انجمن ہے۔ ان کا دیوانہ بننا بھی لازمی ہے۔ وُہ آفتاب کے ذرّے ہیں یہ بھی ذرّہ ہے۔ ذرّوں کے ساتھ آفتاب میں ملنے کے لئے ذرہ کی شمولیت لابدی ہے۔

بر درگہش علائی از ما و من گذر کُن !

زیرا کہ بزم عشقش بے "ما" بود ہمیشہ

علائیؔ اس کی درگاہ پر "ہم" اور "میں" (کے خیال) سے گذر جاؤ۔ کیونکہ اس کے عشق کی بزم (مجلس عیش) ہمیشہ ہمارے بغیر ہے۔

"ما" جمع کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی ہیں "ہم" خدا واحد ہے۔ ہم اس کے لئے جمع کا صیغہ استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ تو ہے کریم۔ تو ہے رحیم۔ تم نہیں۔ زبانِ قدس جہاں "ہم" استعمال کرتی ہے۔ وہ تعظیمی ہے۔

"بے ما" شعر میں لطیف معنی پیدا کرتا ہے۔ "ہمارے بغیر" ہم کو وہاں رسائی نہیں۔ بغیر "ما" کے "وحدت" کا مفہوم ہے۔ میں بھی اور تو بھی دو ہوئے۔ تو ہی ہے میں نہیں ہوں اس کی درگاہ پر گذرنے کی صدا ہے۔ اس لئے اس کی بارگاہ پر اپنا خیال ہونا جائز نہیں۔ من و تو۔ ما و من وحدت کی بارگاہ پر بولنا یا اس کا خیال ہونا۔ کفر کے مترادف ہے۔ شرک ہے ایک وہ ایک ہیں۔ نہیں وہی اور کچھ بھی نہیں۔

غزل ۳۰

گر نسیمی دادئے اسرار خواہی تن گداز (اگداز)

در تجلی جمالِ یار خواہی جان بباز (بباز)

اگر اسرار (رازہائے الہٰی) کی وادی (وہ سرسبز میدان جس کے چاروں طرف پہاڑ ہوں اور بیچ میں سے دریا بہہ رہا ہو) کی نسیم (خوش ہوا) کے طلبگار ہو تو تن (جسم پروری) پگھلا دو اور اگر یار (معشوق) کے حسن کا جلوہ (دیدار) چاہتے ہو تو جان پر کھیلو (جان نثار کرو)۔

تن چو زندانست وجانت بندِ راہ جان جان
جانِ جان گر بایدت بابند و با زندان مساز

شیوہ: طریقہ + دستور: آئین + رِند: آزاد لوگ

اس بارگاہ کے آزاد لوگو (عاشقوں) کا طریقہ جان پر کھیلنا ہے۔ کیونکہ تم یہ کھیل (جان پر کھیلنے کا کھیل) نہیں جانتے ہو تو اس کے راستے میں ٹیڑھا (اُلٹا۔ غلط) مت کھیل۔

ہر چہ غیر اوست دشمن داں تو اندر راہ دوست
در حضور دشمناں با دوست نتواں گفت راز

جو کچھ بھی اس کے سوا ہے۔ اس کو دوست (معشوق) کے راستے میں (عشقبازی میں) دشمن جان اور دشمن کے سامنے دوست کے ساتھ راز (کی باتیں) نہیں کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ماسوائے اللہ ہے وہ عشقبازی میں روک ہے اور روح کی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دل کا تعلق دوسری چیزوں سے بھی ہے، اس واسطے اس کے سوا سب کچھ دشمنِ جان ہے۔

طاعتِ زُہدِ ریائی را بر آں در قدر نیست
تحفۂ انجا نیارد کس بجز سوز و گداز

طاعت: عبادت، بندگی + زُہد: پرہیزگاری + ریا: مکر و فریب، ظاہر داری، مکاری + تحفہ: نذر، ڈالی +

مکاری سے بھری ہوئی پرہیزگارانہ عبادت کی قدر اس در (دروازے) پر نہیں کوئی شخص وہاں سوز و گداز (جلنے اور پگھلنے) کے سوا کوئی تحفہ نہیں لاتا ہے۔ عشق سے جلنے اور پگھلنے کو "سوز و گداز"

کہتے ہیں۔عاشق عشق کی آگ میں جلتا ہے اور پگھلتا ہے، تڑپتا ہے، آہ و زاری کرتا ہے۔ عاجزی کرتا ہے۔ سچے دل سے غلام اور بندہ بننا چاہتا ہے۔ یہی اس درگاہ کا تحفہ ہے۔

پیشِ بارانِ بلائے دوست ہر کو سر نہاد
بر فرازِ طارمِ عُلوے کنندش سرفراز

فراز: بلندی، اونچائی + طارم: بالاخانہ + عُلوے: آسمانی، بلند

دوست کی مصیبت کی بارش کے آگے جس نے سر کو رکھا اُس کو آسمان کے بلند بالاخانہ کے اُوپر (جگہ دیکر) سربلند (عزّت والا) کرتے ہیں۔ جس نے دوست کی آزمائشوں پر صبر کیا۔ تکلیفوں کو برداشت کیا۔ ایک دن دوست اس پر مہربان ہوجاتا ہے اور اس کو سربلند کرتا ہے

با غمِ عشقش تو از لذّتِ جسمانی مگو
با وجودِ روضۂ رضواں تو از گلخن مناز

روضۂ رضواں: جنّت کا باغ + بہشت کے باغبان کو رضوان کہتے ہیں + روضہ: باغ + رضواں: خوشنودی، رضامندی + گلخن: بھٹی آتش دان، کوڑا کرکٹ کا گڑھا +

اس کے عشق کے غم کے ساتھ تم جسمانی لذّتوں کی بات نہ کر۔ روضۂ رضواں ہونے کے ساتھ گلخن پر ناز مت کر۔ عشق کے غم میں جو لذّت ہے اس کے مقابلے میں جسمانی لذّت کچھ بھی نہیں۔ عاشق کے لئے ترکِ لذّات کرنا ضروری ہے۔ سالکوں اور عارفوں نے ترکِ لذّات پر بڑا زور دیا ہے۔ کچھ ایسے خدا دوست گذرے ہیں کہ انہوں نے عمر بھر جو کی روٹی کے بغیر کوئی لذیذ چیز نہ چکھی۔ جسم کی مثال کوڑا کرکٹ کے گڑھے کی مثال ہے۔ گندگی گھاس پھوس، آلا بلا سے بھرا ہوا۔ روح کی مثال روضہ رضواں کی ہے۔ پھولوں اور خوشبوؤں سے مالا مال۔ ہم ناز کرتے ہیں جسم پر۔ دیکھ بھال کرتے ہیں جسم کی۔ کیا حیرانی ہے۔ چاہیئے تھا کہ ہم روضۂ رضواں کی خبر رکھتے ہوئے شرمائیں اور گلخن کا نام زبان پر نہ لائیں۔ مگر معاملہ برعکس ہے۔

فیضِ ارواحِ قدس گر خواہی اندر سرِّ جان
مرکبِ حرص و ہوا را در پے غولاں متاز

فیض : فائدہ، برکت بخشش + مرکب : سواری، گھوڑا +

اگر ارواح مقدسہ (پاک روحوں اور فرشتوں) کا فیض چاہتے ہو کہ تمہاری جان (روح دل) پر اثر کرے (تم کو فائدہ نہیں دے) تو طمع اور لالچ کے گھوڑے کو (جس پر تم سوار ہو) راہ چوک بھوتوں (گمراہیوں) کے پیچھے مت دوڑاؤ۔

حرص و ہوا کے گھوڑوں پر جو سوار ہیں۔ غول (بھرم چوک) ہیں۔ راستے سے بٹھلاتے ہیں۔ گمراہ بناتے ہیں اور آخر کار تباہ کرتے ہیں۔ ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے دنیاوی ترقی میں قدم بہت آگے بڑھایا ہے۔ ہم ان کے پیچھے دوڑتے ہیں یعنی ہم بھی دنیا دار بننا چاہتے ہیں، اور خدا سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس حرص و ہوا کے باعث ارواح مقدسہ کے فیض و برکت سے محروم ہو جاتے ہیں جو اصلی دولت ہے اس سے ہاتھ دھوتے ہیں۔ دنیا دار لوگ "غول" ان کی دیکھا دیکھی سے بے شمار لوگ راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔

چتر رفعت بر سرِ کیواں علائی بر کشی

چشم ہمت گر ازیں دونان تو بر دوزی چو باز

چتر: چھتر + رفعت : بلندی + کیوان : ستارہ زحل جو ساتویں آسمان پر ہے + دونان: خسیس لوگ، کمینہ لوگ، دون جو ایک سے چوتھائی حصہ کم ہو + دوزیدن : سینا، بند کرنا +

علائی بزرگی کے شامیانے کو ساتویں آسمان سے اوپر لگاؤ گے۔ اگر ہمت (جوانمردی) کی آنکھ باز کی طرح ان خسیس لوگوں (دنیا داروں) سے سی لوگے (بند کرو گے)۔

دنیا پرست لوگ روحانیت کی ترقی میں روک ہو جاتے ہیں، ان کی دوستی سالکوں، عارفوں اور صاحبدلوں کے اقوال کے مطابق راہ خدا میں روک پیدا کرتی ہے۔ اسی واسطے پکے سالک ان سے بھاگتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں سے قطع تعلق کرو گے اور ان کم ہمتوں سے نظر بند کرو گے تو تمہاری عزت اور بزرگی ساتویں آسمان سے اوپر ہو جائے گی۔ تمہارا روحانی مرتبہ بہت بلند ہو گا۔

غزل نمبر ۳۱

آنکہ از سایۂ لطفِ تو نشانے یابد
ہر کہ بیند رخِ او تازہ رُوانے یابد

رواں: جان، روح

جو کوئی تیری مہربانی کے سایۂ کا کوئی نشان پائیگا۔ ہر وہ شخص جو اس کے چہرہ کو دیکھیگا اس کی روح تازہ ہو گی۔ خدا دوستوں کی ملاقات میں یہ ایک خاص خاصیت ہے کہ ان سے ملنے والے کی روح تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کے دل کے غم دور ہو جاتے ہیں۔ ان کے رخ پر نور کو دیکھنے سے فرحت اور مسرت پیدا ہوتی ہے۔

وانکہ بر خاک سرِ کوئے تو منزل سازد
عیشِ صد سالہ درین راہ زمانے یابد

جو کوئی تیرے کوچے کی خاک پر ٹھکانا بنائے گا (وہ) ایک منٹ میں سو برس کے عیش کا لطف اٹھائیگا۔
تیرے کوچے کی مٹی پر بیٹھنے والوں کو جو عیش آرام اور اطمینان تھوڑی دیر میں حاصل ہوتا ہے وہ دنیاوی صد سالہ عیش سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

تشنۂ وصلِ تو چوں راہ خیالت سپرد
نزل ہر نفسے فلکِ جہانے یابد

تشنہ: پیاسا + راہ سپردن: راستہ اختیار کرنا + نزل: ضیافت مہمانی، جو مہمان کو پیش کرتے ہیں۔
تیرے وصل کا پیاسا جب تیرے خیال کا راستہ پکڑتا ہے۔ تو ہر سانس کے لئے ایک جہان کو مہمانی کی پیشکش کے صورت میں پاتا ہے۔
تیرے خیال کو اپنانے کا صلہ ہر سانس کے لئے ایک جہان ہے۔ یہ تو خیال کے سفر اور خیال کے مہمانی کا حال ہے۔ جب وصل کا پیاسا (سالک۔ عارف) حقیقت کا راستہ اختیار کریگا، تو اس کی مہمانی کس قسم کی ہو گی۔ وہی میزبان جانتا ہے۔

لذّتِ دردِ تو ہر مردہ دلے کے یابد
دولت آں یافت کہ از دردِ تو جانے یابد

ہر مردہ دل تیرے درد (عشق) کی لذّت کو کب پا سکتا ہے۔ دولت اس شخص نے پائی جس نے تمہارے درد (عشق) سے جاں پائی۔ عشق الٰہی سے جس کی جان میں جان آئی اسی نے حقیقت میں دولت پائی۔ روحانی زندگی دولتِ ابدی ہے۔ فنا نہ ہونے والی دولت ہے اور یہ دولت عشق سے ملتی ہے۔

ہر کہ در ملک غمت نیست ندارد عیشے
اے خوش آں دل کہ دریں کوے مکانے یابد

جو تیرے غم (عشق) کے ملک میں نہیں وہ کوئی عیش نہیں رکھتا ہے۔ کیا ہی خوش ہے وہ دل جو اس (عشق) کے کوچے میں کوئی مکان پائے۔

دل گماں برد کہ ذوقے ز غمت یافتہ است
ولی نہ گنجے است کہ ہر کس بگمانے یابد

گماں: شک دار خیال + ذوق: شوق، لذّت

دل نے گمان کیا کہ اس (دل) نے تیرے غم کا مزہ پایا ہے۔ (ارے بابا) یہ وہ خزانہ نہیں جس کو ہر کوئی گمان سے پاتا ہے + اس کے عشق کا مزہ گمان سے نہیں ملتا ہے۔ یہ ایک خزانہ ہے جو چھپا ہوا ہے اس کا کھوج لگانا ہے، نکالنا ہے۔ محنت اور مشقت سے کام کرنا ہے۔ پھر کہیں سے ملے تو ملے۔ اس کے بعد اس کی لذّت کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ گمانوں سے یہ دولت ہاتھ نہیں آتی ہے۔

وصفِ سوزِ غمِ ہجرِ تو کسے را زیبد
کہ بہر موی ازیں شیوہ زبانے یابد

تیرے ہجر (فراق) کے غم کی سوزش کی تعریف (کرنا) اس کو زیبا ہے جس کا ہر موی اس

طریق (طرح) کی زباں پائے۔ یوں تو ہر کوئی اس کے ہجر کے غم کی باتیں بتا سکتا ہے۔ لیکن اس غم کی جلن کی تعریف کرنا اس شخص کے لئے زیبا اور مناسب ہے، جس کا ہر موئے اس غم کو بیان کرنے کے لئے زبان رکھتا ہو۔

گر کنی بر دلِ پر شورِ علائی نظرے
از جفا ہائے فلک یکرہ امانے یابد

اگر علائی کے شور سے بھرے ہوئے دل پر ایک نظر ڈالو گے (تو وہ) آسمان کے ظلموں (جور و جفا) سے کامل طور پر یکدم امان پائے گا۔

جس کے دل پر اس کی رحمت والی نظر پڑے گی۔ اس کے دل میں غم کہاں رہیں گے۔ دنیا کے ظلم و ستم سے اگر امان ممکن ہے تو اس کی نظرِ رحمت سے اس کے بغیر اور کسی چیز سے نہیں۔

غزل نمبر ۳۲

صبحِ وصلت دمد از مشرقِ رویت روزے
جانِ ز ہجرت شود اندر سرِ مویت روزے

ایک دن ضرور آئیگا جب تیرے وصل کی صبح تمہارے چہرے کی مشرق سے طلوع ہوگی (اور) ایک دن ضرور آئیگا کہ جان تمہارے ہجر (فراق) سے تمہاری زلف میں لٹک جائے گی۔

ہجر اور فراق کی اندھیری رات اگرچہ لمبی معلوم ہوتی ہے پھر بھی نا امید کی بات نہیں۔ کیونکہ یہ رات ضرور ختم ہو جائے گی اور مشرق سے صبح نکل آئیگی۔ یہ قانون قدرت ہے جو اٹل ہے۔ ان مع العسر یسرا۔ رات کالی ہے۔ زلف کالی ہے۔ رات دن بھر کے کام کے بعد آرام کا ذریعہ ہے نیند میں تکلیف اور غم مٹ جاتے ہیں۔ ہجر سے جان تکلیف میں ہوتی ہے اور زلف میں لٹک جانے اور جگہ پانے سے اس کو آرام ملتا ہے۔ جس طرح جسم کو رات میں سونے سے۔

نورِ خورشیدِ امیدم کہ فرو شد ز غمت
ہم بر آید ز رہِ مطلعِ رویت روزے

میری امید کے سورج کا نور جو تیرے غم سے غروب ہوگیا۔ ایک دن تیرے روئے پر نور

کے مطلع سے ضرور نکل آئے گا۔

اُمید ایک آفتاب ہے یہ اُمید دل کو روشن اور تازہ رکھتی ہے۔ دُنیا اُمید ہی پر چلتی ہے۔ ہر کام اُمید کے بھروسہ پر کیا جاتا ہے۔ اس لئے اُمید نورانی چیز ہے۔ غم سے اس امید کی روشنی میں کمی ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ امید کا سورج ڈوب ہی جاتا ہے اور آدمی نا اُمید ہو جاتا ہے۔ لیکن سورج کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ سورج اگر مغرب سے ڈوب جاتا ہے مشرق سے پھر طلوع کرتا ہے۔ اس لئے نا امیدی کی بات نہیں۔ امید ہے کہ ہم تیرے دیدار سے ایک دن ضرور شادماں ہو جائیں گے اور تیری دوری اور جدائی کا غم دور ہو جائیگا۔ خورشید جب طلوع کرتا ہے تو تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔

دِل کہ خُو کردۂ لطف است بخوں مے گردد
تا کہ بوئے رسدش از گل خوبیت روزے

دل جو تمہاری مہربانی کا خوگر (عادی) بنا ہے۔ لہو میں پھرتا ہے (بہت تلاش میں ہے) اس غرض سے کہ ایک دن تمہاری خوبی کے گلاب سے ایک بُو پہنچ جائے۔

خدا کی مہربانیاں بے اندازہ ہیں اور ہم ان مہربانیوں کے عادی بنے ہیں۔ کون ہے جو اس کی مہربانیوں اور لطف کرم کو شمار کر سکتے۔ لیکن ہم اور بھی لطف کے خواستگار ہوتے ہیں اور ہمارا دل ان مہربانیوں کے لئے خون ہو جاتا ہے کیونکہ ہم کو اُمید ہوتی ہے کہ اس کی خُو لطف و کرم اور رحمت سے بھری ہے۔ وہ لطف کا گلاب ہے اور اس گلاب کی بُو دل کو پہنچے گی۔

چتر اقبال بر افلاک رساند بختم
گر بیابد اثر میل ز سویت روزے

افلاک: جمع فلک + آسمان + میل: رغبت، توجہ، چاہت +

میرا بخت میری خوش نصیبی کے چھتر کو آسمان پر پہنچا دیگا۔ اگر تمہاری طرف کسی دن توجہ کے اثر کو پائے گا۔ اگر تم میری طرف کسی دن توجہ کروگے تو اس توجہ کے اثر سے میرا مرتبہ اور درجہ آسمانوں سے بالاتر ہو جائیگا اور یہ میری اقبال مندی اور خوش نصیبی ہوگی۔

تشنگانِ طلب بادیۂ ہجران را
شربتِ وصل رسد از لبِ جویت روزے

طلب: تلاش، آرزو + بادیہ: جنگل صحرا + لب: کنارہ + جوی: نہر

ہجراں (فراق) کے جنگل کے پیاسوں کو (جو پیاس بجھانے کی تلاش میں ہیں) وصل (ملاقات) کا شربت (میٹھا پانی) تمہاری نہر کے کنارہ سے ایک دن ضرور ملے گا۔

جنگل یا صحرا میں پیاسے پانی کی تلاش میں ہر طرف دوڑتے ہیں اور ضرور پانی کا سراغ نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہجراں کے جنگل میں وصل کے پیاسوں کا حال ہے۔ تلاش کی ضرورت ہے۔ ناامید ہو کر ایک ہی جگہ بیٹھنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ تلاش سے ضرور مقصد و مراد حاصل ہونے کی امید ہے۔

ہر کہ سرگشتہ چوگانِ غمت گشت چو گوی
سر چو چوگان نہد اندر سرِ کویت روزے

سرگشتہ: آوارہ + چوگان: ہاکی اور پالو کھیلنے کا ڈنڈا۔ چھڑی۔ بلّا + گوی: گیند، بال

جو تیرے غم کے چوگان (چھڑی) کے چوٹوں سے گیند کی طرح حال حیران ہو گیا۔ وہ بلّے کی طرح ایک دن تمہارے کوچے میں سر رکھدیگا۔

گیند کو بلّے سے چوٹ لگاتے ہیں۔ گیند لڑکھڑاتی لوٹتی ہوئی اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر بھاگتی رہتی ہے۔ نیچے ہر طرف سے گیند پہ چوٹیں لگاتے ہیں۔ گیند کی سرگشتہ حالی عجیب ہوتی ہے لیکن بلّے کو چوٹ لگانے کے لئے سر کیطرف جھکانا پڑتا ہے اور بلّے کا سر نیچے کیطرف ہو جاتا ہے۔ گیند کی پریشان حالی کا باعث بلّا ہے۔ لیکن بلّے کو گیند کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ اسی طرح جو اس کے غم سے پریشان حال ہو گیا۔ وہ اس کے کوچے میں ایک دن سر رکھتا ہے۔ اس کے کوچے میں پناہ لیتا ہے۔ اس کو پناہ ملتی ہے۔

سوخت بر درگہِ تو جانِ علائی عمرے
بامیدے کہ شود زندہ ببویت روزے

علائی کی جان تیری درگاہ پہ ایک زمانے سے جل گئی۔ اس امید سے کہ ایک دن تیری بو سے

پھر زندہ ہو جائے گی۔ یہ غزل لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کی تشریح ہے۔ اُمید ہی سب کچھ ہے۔ نا امیدی کفر ہے۔ اس کے لطف وکرم کا اُمیدوار رہنا اور اسی کے رحم وکرم پر بھروسہ کرنا دل کو طاقتور بناتا ہے۔ اُمید سے مردہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ اُمید سے گنہگار مغفرت پاتے ہیں۔

غزل نمبر ۳۳

آنکہ بر ہر ورقے عکسِ جمالِ تو ندید
غرق آبی است کہ یک قطرہ بلذّت نچشید

ورق: درخت کا پتا۔ کاغذ کا ورق

جس نے ہر پتّے پر (معمولی سی معمولی چیز پر) تیرے حسن کے عکس کو نہیں دیکھا۔ وہ ایک ایسے پانی میں ڈوبا ہوا ہے جس کا ایک قطرہ (بوند) بھی لذّت سے نہ چکھا۔

برگِ درختاں سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

انسان وہ ہے جو ہر چیز میں اس کے حسن وجمال کا مشاہدہ کرے۔ ہم اس کے حسن وجمال کے بے پایاں سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن پیاسے ہیں۔ پانی کے ایک قطرے کے لئے ترستے ہیں۔ اس لئے ہم کو احساس پیدا کرنا ہے کہ ہم دریا میں ہیں۔ پھر ہمکو پانی کی لذّت حاصل ہوگی، نہیں تو ہم دریا میں ہوتے ہوئے پانی کے ایک قطرہ کی لذّت سے بھی محروم رہیں گے۔

در زکامِ غمِ ہجرِ تو فرو رفت بخاک
آنکہ از طرۂ مشکیں تو بوئے نہ شمید

زکام: نزلہ + طرہ: زلف کا بل، ماتھے پر کے بال + مشکیں: خوشبو والا + مشکدار + شمیدن: سونگھنا

تیرے ہجر کے غم کے زکام (کی بیماری) میں مٹی میں نیچے چلا گیا (مر گیا) جس نے تیرے مشکدار کاکل پیچاں کی بُو نہ سونگھی۔

طرۂ مشکیں، کاکل پیچاں، ظلّ مسکون ہے اور یہ ظلّ عالم خلق کا سبب ہے۔ اسی سے اس کی بُو آتی ہے۔ خوشبودار چیز کہیں دور ہوتی ہے اور یہ بو ہی ہے جو دیکھنے کے بغیر ہی ہم کو اس کے ہونے

کا پتہ دیتی ہے ۔ اسی طرح عالم خلق بو ہے ۔ اسی بو سے خالق کے ہونے کا پتہ دیتی ہے ۔ جس نے عالم خلق پر دھیان نہ دیا ۔ تفکر نہ کیا وہ بے خبری کی حالت میں مرا ۔ جس طرح زکام والا خوشبو سے محروم رہ کر مر جائے ۔

ہر کہ بیرون زخود اندر طلبت سعی نکرد
ہمچو ماہی ہمہ عمر طپید از پئے آب

جس نے اپنے آپ سے باہر (طاقت سے بڑھکر ۔ حد سے زیادہ) تیری تلاش میں کوشش نہ کی ۔ وہ مچھلی کیطرح پانی کے لئے ساری عمر تڑپتا رہا ۔

مشہور ہے کہ مچھلی پانی میں ہونے کے باوجود پانی نہیں پی سکتی ہے اور بڑی کوشش سے پانی سے باہر اچھلتی ہے ۔ منہ کھولتی ہے ۔ واپس گرنے پر اس کے بدن میں پانی چلا جاتا ہے ۔ اس کی قدرت کے کارخانہ میں ہوتے ہوئے آدمی کو اس کی تلاش میں حد سے بڑھکر کوشش کرنا چاہیئے ۔ پھر مراد پائے گا ۔

آنکہ با عقل طلب کرد ہمہ عمر نیافت
وانکہ بیخویش درآمد بیکے لمحہ رسید

جس نے عقل کے بل بوتے پر (اس کو) ڈھونڈا ۔ ساری عمر کو نہ پایا ۔ (اور) جو اپنے آپ کو چھوڑ کر آیا (دیوانہ اور مستانہ بن کر آیا) وہ ایک منٹ میں (اس کے پاس) پہنچا ۔

عقل کے دلیلوں سے خدا کو نہیں پہچانا جاتا ہے ۔ عقل کا گھوڑا اس میدان میں لنگڑا ہو جاتا ہے ۔ یہ سرحد عقل سے باہر ہے ۔ رند بن کر اس میدان میں دوڑنے سے کام بہت جلد بنتا ہے محنت مشقت اور ذاتی سعی کی ضرورت ہے ۔ عقلی دلائل لاحاصل ہیں ۔

خواب جہل از حرم قرب مرا دور فگند
ورنہ نزدیکتر از دوست کسے ہیچ ندید

جہل : بے خبری ، لاعلمیت + حرم : خلوت خانہ ، حرم سرا + قرب : نزدیکی

غفلت کی نیند نے مجھے قرب (نزدیکی) کے خلوت خانہ سے دور ڈالا۔ نہیں تو کسی نے کسی چیز کو دوست سے دور ہے۔ "اقرب من حبل الوریدؐ"۔ اس قدر نزدیک ہونے کے باوجود ہم دور ہیں۔ اس دوری کا سبب ہماری بے خبری اور جہالت ہے۔ اگر ہم اس جہالت کی نیند سے بیدار ہو جائیں تو ہم کو آنکھیں کھولتی ہی دوست ہمارے پاس بیٹھا ہوا دیکھائی دے گا۔

ایک عاشق معشوق کی تلاش میں نکلا اور اس کو نیند نے غلبہ کیا اور وہ سو گیا۔ اس کا معشوق اس کے پاس آکر اس کے سرہانے پر بیٹھ گیا۔ معشوق تو اس کے پاس ہے لیکن وہ اپنے خیال اور نیند کے موجب اس سے دور ہے۔ اگر وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائیگا تو محبوب کو اپنے پاس پائے گا۔

از تجلّیٔ جمالش ہمہ ذرّاتِ جہاں
مستِ عشق اند بہ بادے کہ از آں کوئے وزید

اس کے حسن کے جلوہ سے جہاں (عالم) کے سارے ذرّے اس ہوا سے جو اس کوچہ سے چلی عشق کے مست ہیں۔ مستند ذرّاتِ جہاں ہوشیار کو ہوشیار کو۔

اس کے حسن کی تجلّی سے ایک ہوا چلی اور اس ہوا سے دُنیا کے تمام ذرّے اس کے عشق میں مست ہو گئے۔ تجلّی میں گرمی ہے۔ گرمی سے ہوا حرکت میں آتی ہے۔ اس لئے مستی کا اصلی سبب تجلّی ہے۔ عالم کا ظہور اسی جلوہ سے ہے۔

ہمہ پروردۂ لطفند چہ ہشیار چہ مست
ہمہ در عینِ وصال اند چہ پیر و چہ مُرید

پیر: مرشد + مُرید: ارادہ کرنے والا + پیرو: چیلا، خادم

سب (اس کے) لطف کے پروردہ (پالے ہوئے) ہیں۔ چاہیئے باہوش اور بیدار ہیں۔ یا بے ہوش اور مست ہیں۔ دونوں پر لطف کی نظر برابر ہے۔ سارے عین (بالکل) وصال میں ہیں۔ چاہیئے مرشد ہے یا طالب۔

کون ہے جو پروردۂ لطف نہیں۔ اس کو ماننے والے اور نہ ماننے والے اس کے لطف کے سامنے یکساں ہیں۔ سب کی پرورش کرتا ہے یہ "ربوبیت" ہے۔ سب کو اس کا وصال میسّر ہے۔ کچھ لوگوں کو وصال کی خبر ہے (مرشدوں کو) اور کچھ بے خبر ہیں (طالبوں کو بھی وصال میسر ہے۔ لیکن خبر نہیں اسواسطے تلاش میں ہیں)

زیادہ نزدیکی نہ دیکھا جائے زیادہ نزدیک

فرق اتنا ہے ورنہ وصال سے خالی کوئی نہیں۔

چون تو آن را ہمہ بینی ہمہ دانی بہ یقین
یافتی گنجِ حقیقت کہ بر آں نیست مزید

جب تم اس کو یقین اور ایمان کے ساتھ سارا (وہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں) دیکھو گے اور سارا (وہی ہے) جانو گے۔ (تو) تم نے حقیقت کے خزانے کو پایا۔ اور اس پر اب کچھ مزید (زیادہ) نہیں۔

حقیقت کے خزانے کو پانے کے لئے دو کوششوں کی ضرورت ہے۔ ایک کوشش یقین سے "ہمہ بینی" یعنی یہ دیکھنا کہ وہی سب کچھ ہے اور دوسری کوشش ہمہ دانی ہے۔ ایمان سے جاننا کہ وہی سب کچھ ہے۔ اس کے سوا جو کچھ نظر آتا ہے کچھ بھی نہیں۔ یہ "ہمہ دانی" ہے جب اُسی ہی کو دیکھا اور اسی ہی کو جانا تو حقیقت پائی اب مزید کیا چاہیئے کچھ بھی نہیں۔

تابشِ عکسِ رخش چوں زپسِ پردہ بتافت
شبنمِ جانِ علائی سوئے خورشید کشید

تابش: گرمی۔ چمک

اس کے رخ کے عکس کی گرمی جب پردہ کے پیچھے سے چمکی تو علائی کی جان کی شبنم (اوس) سورج کی طرف کھینچ گئی۔ اس کے رخ کی تابش نہیں رخ کے عکس کی تابش اور وہ بھی براہ راست نہیں بلکہ پردہ کے پیچھے سے چمکی۔ اسی چمک نے علائی کی جان کی شبنم کو سورج کی طرف کھینچا۔

شبنم (اوس) ایک لطیف اور نازک چیز ہے جو نہی سورج کی چمک اس پر پڑتی ہے۔ اڑ جاتی ہے۔ اسی طرح روح شئی لطیف ہے۔ اس کو اس کی چمک اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے، اور یہ چمک اس کے رخ کے عکس سے ہے (دنیا سے ہے۔ دنیا کی مخلوق سے ہے) براہ راست اس سے نہیں۔ براہ راست یہ چمک آجائے تو معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔

غزل نمبر ۳۴

ز عکسِ روئے تو یابند مقبولان ہدا یتہا
ز خاکِ کوئے تو یابند مسعوداں سعادتہا

(تیری درگاہ کے) قبول کئے گئے لوگ تمہارے روئے کے عکس سے (قسم قسم کی) رہنمایاں پاتے ہیں۔

(تیری بارگاہ کے) کوچے کی مٹی سے خوش نصیب نیک بخت لوگ (رنگ رنگ کی) نیکی اور خوش نصیبی (اقبالمندی) پاتے ہیں۔

ہدایت تیرے روئے کے عکس سے ہے اور سعادت تیرے کوچے کی مٹی سے ہے۔ مقبول لوگوں کو چونکہ تیری درگاہ میں راستہ ملتا ہے۔ اس واسطے وہ تیرے دیدار سے قسم قسم کے ہدایتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ مٹی جو ایک حقیر چیز ہے۔ تیرے کوچے میں ہونے سے اس میں یہ اثر ہے کہ خوش نصیب اسی سے سعادت پاتے ہیں۔ یہ مٹی نہیں یہ اکسیر کیمیا ہے۔ (عظمت اور بزرگی کی تعریف)

تو آں انفاس رحمانی کہ جانہا از دمت یابند
تو آں دریائے غفرانی کہ مے شوئی خجالتہا

انفاس: نفس کی جمع، سانس، دم + رحمان: بخشش والا، مہربان + غفراں: گناہوں کا بخشا جانا، پناہ خجالت: شرمندگی، گناہ

تو وہ رحمت سے بھرے ہوئے سانس ہو جس کو تیرے دم (پھونک، سانس) سے جان پاتی ہیں (جان تیرے دم سے جس رحمت کو پاتی ہیں تو وہی رحمت والا سانس ہو)

تو مغفرت (پناہ اور بخشش) کا وہ دریا ہو کہ تمام شرمندگیوں اور رسوائیوں کو دھو ڈالتے ہو (صفت رحمانی اور غفرانی سے درخواست)

قباحتہائے فعل ما کہ سگ زاں عار میدارند
بغیر از پردۂ عفوت کہ پوشد این قباحتہا

قباحت: برائی، خرابی + فعل: کام، کرتوت + عار: نفرت + عفو: بخشش، معافی

ہمارے کاموں کی برائیاں جن سے کتوں کو بھی نفرت ہے۔ تیری بخشائش کے پردہ کے سوا اور کون ہے جو ان برائیوں پر پردہ ڈالے گا۔

ہمارے کاموں کی برائیاں ایسی ہیں کہ ان کو دیکھکر کتوں کو بھی نفرت ہوتی ہے۔ ایسی ناکارہ برائیوں کو تیرے عفو کے پردے کے سوا اور کون ہے جو ان کو ڈھانپے (چھپائے) گا۔

(خطا بخشی اور عفو کی درخواست)

عنایتہائے بے علّت کہ با ہر مفلسے داری
تسلّی میدہد دل را امید آن عنایت ہا

علّت: سبب، وجہ + مفلس: محتاج، حاجت مند +

بے وجہ مہربانیاں جو ہر محتاج کے ساتھ رکھتے ہو (کرتے ہو) ان مہربانیوں کی امید دل کو تسلّی دیتی ہے۔

تمہاری مہربانیاں محتاجوں کے ساتھ بے وجہ اور بے غرضانہ ہیں۔ تم کو ان مہربانیوں کے کرنے میں کوئی غرض، مدعا، مقصد نہیں مُفت میں مہربانی کرتے ہو۔ ان مہربانیوں کو دیکھکر دل کو تسلّی ملتی ہے کہ مجھ پر بھی مہربانیاں ہونگی اور یہی امید دل کی تسلّی اور خاطر جمعی کے سبب ہے۔

(عنایتوں اور مہربانیوں کے لئے درخواست)

حمایتہائے فضل آورد جان را از عدم بیرون
دگر رہ چشم می دارد ز فضلت آں حمایتہا

حمایت: نگہبانی، امداد + فضل + بزرگی، بڑائی، زیادتی + (مہربانی) + عدم: نیستی، نہ ہونا + چشم داشتن: امید رکھنا +

تیری بزرگی (فضل) کی امدادوں، حمائیتوں نے جان کو نیستی سے باہر نکالا۔ (تیرے فضل وکرم سے ہم نابود سے بود ہوگئے)۔ (اور یہ جان) دوبارہ (اس دُنیا سے نکلنے پر) تمہارے فضل سے انہی امدادوں کی امید رکھتی ہے۔

یہ تمہارے فضل کی امداد ہے کہ ہم نیستی اور نابود سے ہست اور بود ہوئے۔ اس لئے دوسرے راستے پر، مرنے کے بعد دوبارہ تیرے فضل سے ان امدادوں کی امید رکھتے ہیں۔

(خیر دارین کے لئے التجا)

ہمائے لطف اگر یکدم نظر بر جانم اندازد،
ہر سر موئے من یابد از آن دولت کرامت ہا

کرامت: بزرگی + خرق عادت، بخشش، اعجاز۔ کام یا بات جو دوسروں کو حیرت میں ڈالے۔

(تیرے) لطف (مہربانی) کا راج ہنس اگر تھوڑی دیر کے لئے میری جان پر نظر ڈالے گا (تو) میرے

ہر موئی (بال) کا سرا اُس دولت سے (اس نظر سے) قسم قسم کے بے شمار اعجاز (معجزے - بخشائشیں) پائے گا۔

(نظر لطف کے لئے التجا)

زحسنت ہر کسے ہر دم حدیثی دیگر آغازد
رخت گر جلوہ میسازد نماند ایں حکایتہا

حدیث: بات + آغازد: شروع کرتا ہے + حکایت: کہانی، عام طور جس کے امر واقعی ہونے میں شک ہو۔

تیرے حسن کے بارے میں ہر دم ہر شخص کوئی نہ کوئی نئی بات شروع کرتا ہے۔ اگر تیرا چہرہ اپنے آپ کو ظاہر کریگا تو یہ کہانیاں ہی نہیں رہیں گی۔

ہر کس بخیال خود گمانے دارد

ہر ایک تمہارے حسن کے بارے میں باتیں بتاتا ہے اور یہ باتیں ان کی من گھڑت ہیں۔ یہ باتیں سب بے بنیاد ثابت ہونگی اگر تو اپنے رخ کا جلوہ دکھائے گا۔

(التجا دیدار کے لئے)

عقولِ قدسیاں گم گشتہ اندر یک خمِ زلفت
زمشتِ خاکیاں آنجا چہ سنجد ایں مقالتہا

عقول: عقل کی جمع، شعور، دانائی + قدسی: فرشتے، کروّبی + سنجیدن: تولنا، وزن کرنا + مقالہ: قول، بات، تحریر، مضمون +

تمہاری زلف کے ایک خم میں (ظلّ مسکوں میں) کروبیوں (بزرگ فرشتوں، مقرب فرشتوں) کی عقلیں گم ہو گئی ہیں، وہاں (ایسا معاملہ ہوتے ہوئے) مٹھی بھر مٹی سے بنے ہوئے لوگوں کی باتوں کا وزن (وقعت) ہی کیا ہے۔

تیری ذات تیری ہستی کے بارے میں کچھ بتانے کی تو بات ہی نہیں۔ یہ تو نہایت مشکل اور دقیق مسئلہ ہے۔ تیری زلف کے ایک خم کے راز کو دریافت کرنے میں ملایک مقرب کی عقلیں کھو گئی ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ قدسی ہیں، مقرب ہیں۔ کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں۔

مجسّم عقل ہیں۔ یہ ہو کر ان کی عقلیں خمِ زلف میں گم ہو گئیں۔ خمِ زلف۔ ظلّ مکون ہے۔ جو کچھ ہے ظل اللہ ہے۔ ظلّ مکون کا تعلق کائنات اور عالمِ موجودات سے ہے جس میں ملائیک بھی شامل ہیں وہ بھی ہماری طرح اس کی ذات کی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ اور حقیقت سے واقف نہیں۔ یہ حال ہے، نور سے بنے ہوئے ملائیکوں اور فرشتوں کا۔ تاریک کثیف اور بے نور مٹی سے بنے ہوئے آدمیوں کی عقل کی رسائی اُس ذات کا مسئلہ حل کرنے میں کہاں تک ہو سکتی ہے۔ ان کی عقل ترازو کے کس پلڑے میں تولی جا سکتی ہے۔ کیا وزن رکھتی ہے کہ تولی جائے۔ قدسی بھی "خمِ زلف" میں ایسے پھنسے ہیں کہ ان کی عقلیں کھو گئی ہیں۔ یہ حال ہے۔ ایک خم کا۔ کل ذات کے بارے میں وہی خود جانتا ہے۔ دوسرا کوئی جانتا نہیں۔

ملائیک لاعلمی کا اعتراف کرتے ہیں۔ لا علم لنا الّا ما علمتنا۔ یہی دلیل ہے خمِ زلف میں ان کی عقل گم ہونے کی۔

اس بزرگ، برتر بالا ہستی کے بارے میں۔ ہمارے خیالات، توہمات، دلیلیں، دجوہات قیاس آرائیاں میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔

اعترافِ عجز "ما عرفناک حق معرفتک" کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں۔

واجب الوجود کے اقرار کے ساتھ اعترافِ عجز کے سوا کیا چارہ ہے۔

(اپنی عاجزی اور اس کی بزرگی کا اعتراف)

علائی دامنِ ہمّت اگر از خود برافشانی
رسی در عالمے کانجا نباشد ایں ملالت ہا

علائی اگر ہمّت کے دامن کو اپنے آپ سے جھاڑ دو گے، تو اُس عالم میں پہنچو گے جہاں یہ رنجیدگیاں نہیں ہیں۔ ہمّت اور جوانمردی کے دامن میں من ہستم کی آلودگی جو لگی ہے۔ اس کو عالمِ بالا میں جانے کے لئے جھاڑنا ضروری ہے۔ جب تک ہمّت کے دامن میں خود بینی اور خودی کی آلائش ہے۔ اسوقت تک اُس عالم میں پہنچنا جہاں غم اور ملال نہیں بہت مشکل ہے۔

غزل نمبر ۳۵

در محیطے فگندہ ام ذورق !
کہ دو عالم در وست مستغرق

محیط: بڑا سمندر + ذورق: کشتی، جہاز، شکارہ

میں نے ایک ایسے سمندر میں جہاز ڈالا ہے کہ جس میں دو عالم ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ محیط وحدت کا سمندر ہے جس میں دو دُنیا غرق ہیں۔

نے ز ذورق تواں شناخت محیط
نے محیط از وجود آں ذورق

نہ تو کشتی سے دریائے محیط " پہچان سکتے ہیں۔ نہ محیط کو اس کشتی کے وجود سے کچھ پتا نہیں چلتا ہے کہ کشتی کہاں ہے اور پانی کہاں۔ حیرانی ہے کشتی سمندر نظر آتا ہے اور سمندر کشتی۔ دونوں میں فرق کرنا نہایت مشکل ہے۔ (کشتی سمندر ہے اور سمندر کشتی)

آب شد ذورق ز سیر آسود
اینست معنی مشکل و مغلق

مغلق: بند کیا ہوا دروازہ۔ مشکل کلام۔ بات جس کو سمجھانا آسان نہیں۔

کشتی پانی بنی اور چلنے سے رُک گئی۔ یہ ایک بات ہے، جس کو سمجھنا مشکل اور مغلق ہے انسان وحدت میں فنا ہو کر الوہیت کا درجہ کس طرح پاتا ہے اس کو سمجھنا دشوار ہے۔

بتفاوت مبین کہ اصل وجود
نشود مختلف بہ ہیچ نسق

تفاوت: فرق + اصل: جڑ + وجود: ہستی + نسق: انتظام - ترتیب +

تم تفاوت سے مت دیکھ، کیونکہ ہستی کی اصل (جڑ - بیج) کسی انتظام، کسی ترتیب اور طریقہ سے مختلف نہ ہو گی۔

ہستی کی بنیاد ایک ہی ہے۔ چاہیئے پتھر ہے، حیوان ہے، تارہ ہے، زمین ہے، کچھ ہے۔

ہستی ایک ہی مادہ سے ہے۔ اسی ایک ہی مادہ سے مختلف قسم کی مخلوق بنی ہے۔ اب سائنس بھی اس بات پر پہنچا ہے۔

کفر و اسلام و بدعت و سنت
اختلافی است درمیان فرق

کفر: خدا کی ہستی اور اس کے احکام سے انکار + اسلام: خدا کی ہستی اور اس کے احکام کی تعمیل
بدعت: مذہب میں نئی رسم جاری کرنا + سنت: مذہب کی تسلیم شدہ روش، وہ کام جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب قریب ہمیشہ کیا + فرق: فرقے، آدمیوں کے مختلف گروہ +

کفر و اسلام بدعت اور سنت فرقوں کے درمیان ایک اختلاف ہیں۔ حقیقت اور اصلیت کچھ اور ہے۔ اس میں اختلاف نہیں، وہاں سب متفق ہیں۔

حق پرستی و ما و من گفتن!
راہ گم کردہ نہے احمق

دعویٰ خدا پرستی کا اور اسی کے ساتھ "ہم اور میں" کہنا اے بے وقوف تم نے راستہ کھو ڈالا ہے۔

خدا پرستی کے ساتھ خودی گمراہی ہے۔ "میں ہوں، ہم ہیں" سے گذر جاؤ پھر کہو حق پرست ہوں۔

اے علی لفظ ماو من حمق است
چوں ز ما بگذری چہ ماند؟ حق

اے علی ماو من کے لفظ بے وقوفی ہیں۔ جب ما سے گذرو گے تو کیا رہیگا؟ حق رہے گا۔*

غزل نمبر ۳۶

آن دل کہ یافت یکدم از کوئے تو نشانے
سازد نثارِ راہت در ہر نفس جہانے

وہ دل جس نے تیرے کوچے کا ایک دفعہ کوئی نشان پایا۔ ہر سانس میں (وہ دل) تیرے راستے میں ایک دنیا کو تصدق (قربان۔ نچھاور) کرتا ہے۔

---

* حمق کے بیچ میں م ہے جس کا ملفظ "ما" ہے جس کے معنی ہیں "ہم" م کو حمق سے نکالو تو باقی رہا "حق"۔ اپنے آپکو بیچ میں نہ لاؤ تو "حق" بنو گے۔

جس نے تیرے راستے کا کوئی نشان پایا جس کو صراط المستقیم کا پتہ لگا۔ وہ دنیا کو اس راستے پر قربان کرتا ہے۔

حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات کو دیکھئے۔ یہی حال تمام بزرگان کبار، اولیاء اللہ اور صاحبدلوں کا ہے۔

روحانیان علوی در رشک و غیرت افتند
چوں بیدلے نشیند با یاد تو زمانے

اعلیٰ علیین کے روحانی اور فرشتے رشک اور غیرت میں پڑتے ہیں۔ جب کوئی بیدل (عاشق، دوست خدا) تیری یاد میں ایک لمحہ کے لئے بیٹھتا ہے۔

جب عاشقاں خدا یاد الٰہی میں دل و جان سے مصروف اور مشغول ہو جاتے ہیں۔ تو عالم بالا کے ارواح مقدسہ اور کرّوبیوں کو غیرت اور رشک پیدا ہوتا ہے کہ یہ خاکی کس خلوص، عشق اور محبت سے اس کی یاد میں ہیں۔

با لذّت خیالت خلد بریں سرائے
با نام تو دو عالم ناں ریزۂ زخوانے

خلدِ بریں: بہشت + ناں ریزہ: روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو کھانے وقت دستر خوان پر گرتے ہیں + خوان: دستر خوان + ضیافت کھانا۔

تیرے خیال کی لذّت کے مقابلے میں (نعمتوں سے بھری ہوئی) جنّت ایک مسافر خانہ ہے اور تیرے نام کے ساتھ دونوں عالم دستر خوان پر گرے ہوئے ریزہ کے برابر ہیں۔

جب ہم کھانا کھاتے ہیں تو کھانے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے (ریزے) دستر خوان پر گرتے ہیں۔ ہم ان ریزوں کو اٹھاتے نہیں۔ باہر پھینک دیتے ہیں۔ نام خدا اور یاد الٰہی صاحبدلوں کی غذا ہے۔ اس یاد الٰہی کے دستر خوان پر دو عالم روٹی کے گرے ہوئے ریزوں سے بڑھ کر نہیں اور ان دونوں عالموں کو باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

برق شعاع رویت ہر دیدہ بر نتابد
وصفِ عظمت نگردد مقدور ہر زبانے

برق: بجلی + شعاع: کرن + تابیدن: چمکانا + مقدور: طاقت + حوصلہ: جرأت

تیرے روئے کی بجلی کی کرن ہر آنکھ کو نہیں چمکاتی ہے۔ (اور) ہر زبان میں تیرے عشق کی صفت (بیان کرنے) کا مقدور نہیں۔ تیرے چہرے کا نور ہر آنکھ کو روشن اور بینا نہیں کرتا ہے۔ "یضل بہ من یشاء و یھدی بہ من یشا" وہ خاص ہی خوش نصیب ہیں جن کی آنکھوں پر یہ بجلی چمکتی ہے۔

تیرے عشق کی تعریف کرنا، ہر زبان کی طاقت نہیں۔ خاص کوئی زبان ہے جو تیرے عشق کے صفت کو بیان کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔

بوئے ز خاکِ کویت مطلوب ہر ضمیرے
عکسے ز نورِ رویت محبوب ہر رُوانے

مطلوب: طلب کیا گیا۔ آرزو کیا گیا + تلاش کیا گیا + ضمیر: دل، دل کا راز، روح کی اندرونی حالت + محبوب: معشوق، پیارا + رُوان: رُوح، جان +

تیرے کوچے کی مٹی کی بُو، ہر دل کی آرزو ہے (اور) تیرے چہرے کے نُور کا عکس ہر رُوح کا محبوب ہے۔

سودائے بیدلاں را سودے ز وصل فرما
چوں نیست حضرت را از سودِ ما زیانے

سودا: تجارت۔ خرید و فروخت + جنون: دیوانگی، عشق کی بیماری + سُود: نفع، فائدہ، بالائی + زیان: نقصان +

عاشقوں کی تجارت کو وصل (ملاقات) سے فائدہ پہنچاؤ۔ جب ہمارے فائدہ سے آپ کو کوئی نقصان نہیں۔

عاشقوں کی تجارت عشق بازی ہے۔ عشق بازی کے لئے جان و دل کا سرمایہ لگاتے ہیں۔ تجاروں کا سرمایہ روپے ہیں۔ روپے دیکر ان کے بدلے مال لیتے ہیں۔ اس مال کو منافع پر فروخت کرتے ہیں۔ ایک تو اپنا لگایا ہوا روپے واپس حاصل کرتے ہیں اور پھر نفع یا روپے دیتے ہیں۔ روپے واپس لیتے ہیں اور ساتھ ہی کچھ مزید روپے "سود" کے طور پر لیتے ہیں۔

عاشق دل دیتے ہیں۔ رضائے الہٰی اور خوشنودی کو خریدتے ہیں۔ یہ رضائے الہٰی کو بیچتے خریدار اس کے بغیر کوئی نہیں۔ اس لین دین کا کوئی فائدہ ملنا چاہیئے۔ اب یہ اسی کو یہ سوغات پیش کرتے ہیں۔ یہ التجا کرتے ہوئے کہ ہم کو اصل زر (دل) واپس دیجیئے اور "وصل" منافع کے طور پر یہ سودا ہے جس میں اس کو کوئی نقصان نہیں۔ بلکہ ہماری رضامندی اور خوشنودی سے اس کی دولت فضل میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ کمی نہیں ہوتی ہے۔

"بیماری عشق کا علاج وصل سے فرمایئے۔ جب آپ کی بزرگی کو ہمیں فائدہ پہنچنے سے (شفایاب ہونے سے) کوئی نقصان نہیں۔"

از سوزِ داغِ ہجرت در حضرتت چہ گویم
چون در حریم علمت پیداست ہر نہفتے

تیرے ہجر کے داغ کی سوزش (جلن) کے بارے میں تیری بارگاہ میں (آکر) کیا کہوں (کیا فریاد کروں)۔

جب تیرے علم (خبر) کے گھر میں ہر پوشیدہ (بات، کام) ظاہر ہے تو علامۃ الغیوب ہے۔ تجھ سے کوئی بات چھپی نہیں۔ دل کے بھید تجھ پر عیاں ہیں۔ اسواسطے اگر میں حاضر دربار ہو کر عرض کروں تو کیا کروں۔ میرے دل کے حال سے واقف ہو، یہی کافی ہے۔

مہ در نقاب غیرت پنہان و خلق عالم
ہر کس ز سرّ حسنش در پردہ گمانے

نقاب: برقعہ + چہرے پر ڈالنے کا پردہ + غیرت: ایک وصف ہے کہ جب تک کام پورا نہ ہو جائے، کام کو نہ چھوڑا جائے۔ ڈٹے رہ کر مقصد حاصل کرنے کے لیئے کوشش کرتے رہنا۔ غیرت ہمّت اور بڑائی کا نشان ہے۔

چاند غیرت (بزرگی اور عظمت) کے برقعہ کے نیچے چھپا ہے۔ اور دنیا کے لوگوں میں سے ہر ایک اس کے حسن کے راز سے ایک گمان (خیال، وہم) کے پردہ میں ہے۔

ذاتِ باری کو بڑائی اور عظمت کے حجاب نے چھپا رکھا ہے۔ یہ وہ عظمت، بڑائی اور شان ہے کہ کسی کو پردہ میں سے جھانک کر دیکھنے کی جرأت نہیں۔ یہ رعب و داب سلطانی ہے

کہ کوئی بلاوے کے بغیر پردہ نہ اٹھاوے۔ اس لئے کوئی اس کے حسن کے سرّ سے واقف نہوا اب جو دنیا کے لوگ کہتے ہیں اور سناتے ہیں۔ یہ صرف گمان ہے، شبہ ہے، خیال ہے۔ حقیقت نہیں۔

سرّے کہ صد ہزاراں سر در غمش فروشد
کے گر دوا ے علائی حاصل بہ نیم نانے

وہ راز (جس کے معلوم کرنے) کے غم میں لاکھوں سر نیچے ہو گئے (اتر گئے، قربان ہو گئے) علائی (وہ راز) آدھی روٹی سے کب حاصل (معلوم) ہو گا۔

جس کا دل آدھا دنیا کے دھندوں میں پھنسا ہو۔ اور آدھا خدا کا راز معلوم کرنے میں لگا ہو۔ کب راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گا۔ اور ایسا راز جس کے معلوم کرنے میں لاکھوں نے سر دیئے۔ اور ہم وثوق سے کہہ نہیں سکتے ہیں کہ وہ یہ قربانی دینے کے بعد بھی کامیاب ہوئے۔ یا نہیں۔ ہم خدا کے راہ میں آدھی روٹی دے کر خوشنودی خدا کی امید رکھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ خدا ہم کو اپنے سرّ سے واقف کرے۔ کیا بھونڈا خیال ہے۔

غزل نمبر ۳

دردِ عشقش کہ دوائے دلِ شوریدہ ماست
یکسرِ موئے از آں ہر دو جہاں نیم بہاست

شوریدہ: آوارہ و سرگرداں۔ حیران و پریشان + بہا: مول، قیمت

اس کے عشق کی بیماری جو ہمارے حیران و پریشان دل کی دوا ہے۔

دونوں دنیا اس کے ایک سر مو (بہت چھوٹے حصے) کی آدھی قیمت ہیں۔ بیماری کے لئے دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوا قیمت میں ملتی ہے۔ عشق کی بیماری دل کی دوا ہے۔ اس کی قیمت کیا ہے؟

دو دنیا (یہ دنیا اور آخرت) اس کے چھوٹے سے چھوٹے حصے کی "نیم بہا" آدھی قیمت ہیں۔ کل دوائی کی قیمت کیا ہو گی۔ دوائی فروش (خدا) ہی جانتا ہے، اور یہ ہے بھی بے بہا اور بیش قیمت

دوائی کیونکہ امراض روحانی کی واحد دوا یہی ہے۔ بلکہ امراض جسمانی کی بھی عشق الہٰی سے نہ تو دل کی کوئی بیماری رہتی ہے نہ جسم کی۔ یہاں تک کہ موت (مرنے سے) بھی بچاتی ہے۔

از صفائے غم او ہجراں راچہ خبر!
قدر این تحفہ کسے یافت کہ از اہل صفا ست

اس کے غم (عشق) کی پاکیزگی اور صفائی کی خبر، ہجروں کو کیا ہے۔ اس تحفہ (انوکھی چیز جو محبت یا عزت کا نشانہ سمجھ کر پیش کی جاتی ہے) کی قدر اس کو معلوم ہوئی جو صاف دل لوگوں میں سے ہے۔

اس کے عشق کی صفائی اور پاکیزگی کی واقفیت ان کو کہاں ہیں جو عاشق نہیں۔ اس تحفہ (عشق) کی قدر (عزت، پسندیدگی) اس کو ہے، جو صاحب دل ہے جس کا دل صاف ہے۔

مردہ است آنکہ نمرد است ز دردت روزے
کشتۂ تیغ جفاہائے ترا ملک بقاست

وہ مُردہ ہے جو تیرے درد سے کسی روز نہیں مرا ہے۔ تیری بے وفائی اور جور و ستم کی تلوار کے مارے ہوئے کو دائمی زندگی کا ملک (بادشاہت) ملا ہے۔

عاشق عشق کی بیماری سے رات دن مرتے رہتے ہیں۔ سختیوں کو برداشت کرتے ہیں۔ مصیبتوں کو اٹھاتے ہیں اور بقا (دائمی زندگی) کی سلطنت پاتے ہیں۔ پھر مرتے نہیں۔ حیات کو ممات نہیں۔ موتو قبل ان تموتو۔

گر ہمہ خلق جہاں از سرِ زر برخیزند
دولتِ وصلِ تو آں یافت کہ از سر برخاست

اگر دُنیا کے سارے لوگ سونے (مال و دولت) کے سر پر سے اُٹھ جائیں گے۔ (مال دولت کا خیال چھوڑ دیں گے) (تو بھی تیرے وصل کو حاصل نہ کر سکیں گے)

وصل کی دولت اس نے پائی جو اپنے سر سے اُٹھ گیا (جس نے اپنے سر کو تجھ پر نثار کر دیا)۔

راہ خدا میں مال و دولت کو خرچ کرنا نہایت اچھی بات ہے، لیکن اس کو خرچ کرنے سے یہ خیال رکھنا کہ اسی سے مجھے خدا ملے گا۔ عبث خیال ہے۔ اپنے آپ سے اُٹھ جانا۔ خودی کو سر سے نکالنا سر کو اس کے آگے جھکانا۔ سر کو اس کے پاؤں پر قربان کرنا چاہیئے۔ پھر دولتِ وصل حاصل ہوگی۔ خدا ملے گا۔

لذّتِ عمر دل از ضرب بلاہائے تو دید
زانکہ از دوست جفا خلعتِ اربابِ وفاست

ضرب: چوٹ، مارنا، قتل کرنا + خلعت: بادشاہ عزّت افزائی کے لئے جو پوشاک کسی کو بخشتے ہیں + ارباب: جمع رب، مالک، صاحب، بڑے لوگ

تیری بلاؤں مصیبتوں اور تکلیفوں کی چوٹ سے دل نے عمر کی لذّت دیکھی (چکھی) کیونکہ دوست (کی طرف) سے بے وفائی ظلم وستم (ہی) وفادار لوگوں کا خلعت (انعامی لباس) ہے۔ جو ظلم وستم جور وجفا وفادار عاشقوں پر ہوتا ہے۔ وہ اس کو انعام اور بخشش خیال کرتے ہیں۔ اور خوش ہیں کہ کیا ہمارا معشوق ہم سے یہ سلوک بھی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ سلوک کرنے سے ان کو پتہ چلتا ہے کہ وہ ہمارے عشق سے بیخبر نہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہ جانتا ہے اور جان کر ہمارے ساتھ جفا کا سلوک کرتا ہے، بے خبر ہوتا، تو ہم کو پوچھتا بھی نہیں۔ ہم اپنے حال پر مست ہوتے۔ اور وہ اپنے حال پر مست ہوتا۔

جملہ جانہا سپرِ تیرِ غمت ساختہ اند!
تا کرا میرسد این دولت و این بخت کراست

سب جانوں نے (اپنے آپ کو) تیرے غم کے تیر کے لئے سپر بنایا ہے۔ تاکہ (دیکھیں) یہ دولت (تیر غم کی) کس کو ملتی ہے اور یہ بخت (خوش نصیب) کس کو ہے۔ (سپر وہ آلہ ہے جس پر تلوار، تیر وغیرہ کی چوٹ لیتے ہیں)

تیرے عشق کے تیر کا نشانہ بننا ایک بڑی دولت کو پانا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہے وہ دل جس کو یہ تیر لگے اور شک نہیں کہ جس کو یہ تیر لگے وہ اقبال مند، سعادتمند اور بلند آدمی ہے۔

ہر یکے از درِ لطفِ تو مرادے طلبد
نامرادی چو مُراد تو بود مطلب ماست

ہر کوئی تیرے لطف (مہربانی، عنایت) کے دروازے سے کوئی نہ کوئی مقصد (مراد - مدعا) ڈھونڈتا ہے (حاصل کرنا چاہتا ہے)

اگر تمہاری مراد (ہماری) نامرادی (ناکامی) ہے تو پھر یہی (نامرادی) ہمارا مطلب ہے (ہماری مراد ہے۔ ہماری آرزو ہے) رضا کا مکمل پرچار ہے۔ جو تم چاہو وہی ہم بھی چاہتے ہیں۔ چاہیئے ظاہری صورت میں کامیابی ہو یا ناکامی۔ ہم ہر صورت میں راضی ہیں۔ ہماری رضا اسی میں ہے جس میں تمہاری رضا ہو۔

جز غمت نیست مراد دو جہاں ہیچ مراد
زانکہ زین غم دلِ مجروح مرا مرہم ہاست

تیرے غم (عشق) کے بغیر دو دُنیاؤں میں میری مُراد اور کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اس غم سے میرے زخمی (مجروح) دل کو رنگ رنگ کے مرہم (زخم پر لگانے کی دوا) ہیں۔

روحانی بیماریاں دل کی بیماریاں ہیں ان سے دل زخمی ہوتا ہے اور ان بیماریوں کے زخموں کا مرہم عشق الٰہی ہے۔ اسی سے یہ زخمی دل شفا پاتے ہیں۔ مندمل ہو جاتے ہیں۔

ہر کس اندر طلب سود بود سودائی
حاصل سُود علائی ز خیالت سودا ست

ہر کوئی فائدہ کی تلاش میں (آرزو میں) دیوانہ ہوتا ہے۔ علائی کے فائدہ (حاصل) کا فائدہ (منافع) تمہارے خیال سے (میں) دیوانہ ہوتا ہے۔

میں کسی فائدہ کے پیچھے دیوانہ نہیں ہوں۔ جس طرح دوسرے لوگ اپنے اپنے فائدہ کے پیچھے دیوانہ ہوتے ہیں۔ میں (اپنا فائدہ اسی میں دیکھتا ہوں کہ میں تیرے عشق (خیال) میں دیوانہ اور

مجنوں بنوں۔

غزل نمبر ۳۸

درین رہ ہر کہ او ثابت قدم نیست
رہ جانش بہ اسرار قِدم نیست

اس راستے میں جو کوئی ثابت قدم نہیں ہے۔ ازل (خدا) کے سرّوں (کی طرف) اس کی جان کو راستہ نہیں۔ جو کوئی عشق کے راستے میں محکم قدم نہیں۔ مستقل مزاج نہیں۔ سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے والا نہیں۔ اس کو اسرار (بھید، راز، حقیقت) قِدم (قدیمی، ازلی، پرانے) کی طرف راستہ نہیں ملتا ہے، وہ اسرار سے واقف نہیں ہوتا ہے۔ اس پر یہ دروازہ بند رہتا ہے۔ عشق میں استقلال اور ثابت قدمی کی حد درجہ ضرورت ہے۔

دلے کز ملکِ معنی با خبر شد
درو اندیشۂ شادی و غم نیست

جو دل حقیقت کے ملک سے واقف ہو۔ اس (دل) میں خوشی اور غم کا اندیشہ (سوچ بچار) نہیں۔

بیا در عشق محرم باش! زیرا
رہِ نامحرماں اندر حرم نیست

آؤ اور عشق کا محرم (رازدار) بن جاؤ۔ (کیونکہ) ناواقفوں کا راستہ خلوت خانہ میں نہیں۔ حرم (خلوت کدہ) میں وہ آتے جاتے ہیں جو شناسا ہوں۔ واقف ہوں۔ ناواقف اور ناآشنا اگر جرأت کر کے بلا اجازت اندر جائے گا۔ تو وہ مجرم ہوگا۔ اس واسطے پہلے واقفیت اور دوستی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ عشق پاسبان ہے اس مقدس حرم کا۔ اس کے واقفیت اور دوستی ضروری ہے جب اس سے آشنائی ہو جائے گی تو یہ اہل حرم سے خود روشناسی کرےگا۔

تو ہمچوں قطرہ از دریا جدائی
ازآنت دُرِّ عرفاں در شکم نیست

تم قطرہ (بوند) کی طرح دریا (سمندر) سے جُدا ہو۔ اسی سبب سے (جُدا ہونے کے باعث) عرفان (خدا شناسائی) کا موتی تیرے پیٹ میں نہیں۔

موتی قطرہ سے بنتا ہے۔ اس قطرہ سے جو سمندر میں گرے۔ جو قطرہ سمندر سے الگ ہو۔ اس کو کیا بنے گا۔ وحدت کے سمندر میں جب تک نہ ملوگے۔ دُرِّ عرفان تمہارے وجود میں تیار نہ ہوگا۔

نمے آری بہ بحر انداخت خود را
ترا دریاب گوہر لاجرم نیست

تم اپنے آپ کو سمندر میں ڈالنے کی ہمّت پیدا نہیں کر سکتے ہو۔ اسی لئے تم موتی (گوہر) کو نہیں پا سکتے ہو۔

موتی سمندر میں غوطہ لگا کر نکالتے ہیں۔ جس کو سمندر میں اپنے آپ کو ڈالنے کی طاقت نہیں (نہ کے آدمی) وہ موتی کہاں پائے گا۔

وحدت کے سمندر میں اپنے آپکو ڈالو۔ پھر موتی ڈھونڈو امید ہے کہ تم کو ہاتھ لگے گا۔ کنارے پر بیٹھ کر موتی سمندر سے حاصل کرنے کا خیال فضول ہے۔

بدریائے فنا انداز خود را
کہ انجا صورت لا و نعم نیست

لا: نہیں + نعم: ہاں، جب عالم بحث ومباحثہ کرتے ہیں تو جو بات موافق نہیں ہوتی ہے۔ اس کے لئے "لا" بولتے ہیں۔ ہم یہ بات مانتے ہیں اور جو وجہ موزوں اور مناسب موافق ہوتی ہے، تو "نعم" بولتے ہیں۔ ہاں ہاں ایسا ہی ہے۔

تم اپنے آپ کو فنا (نابودی، گمنامی) کے سمندر میں ڈالدے۔ (کس سمندر میں) جہاں نہیں اور ہاں کی صورت (گنجائش) نہیں۔ فنا کے دریا میں "ہاں اور نہیں" کی باتیں نہیں۔ وہاں یا تو "ہاں" ہے یا "نہیں" ہے۔ اپنے لئے نہیں ہے۔ وحدت کے لئے ہاں ہے۔ اور بس باقی کوئی بحث و مباحثہ نہیں۔

چو قطرہ غرق دریا شد بہ کلّی
ہمہ دریاست اینجا کیف و کم نیست

کلّی: پورے طور سے، اچھی طرح سے + کیف: کیسا + کم: کتنا + کیف و کم: کیسا اور کتنا، پوچھ پاچھ (سوال و جواب)

جب قطرہ پورے طور سے سمندر میں ڈوب گیا۔ یہ بھی سمندر ہی بنا۔ (اب اس سوال کی گنجائش ہی نہیں) کیسا سمندر بنا؟ کتنا سمندر بنا؟

قطرہ سمندر میں گرا، سمندر بنا، اس کی ذات کسی صورت میں سمندر سے جدا نہیں۔ گرنے کے بعد اب وہ سمندر ہے، قطرہ نہیں۔

ولی نابود تو شرط است اینجا
کہ ہرگز آفتاب و شب بہم نیست

مگر یہاں تمہاری فنا (نابودی) شرط ہے (قول و قرار ہے) کیونکہ سورج (دن) اور رات ہرگز اکٹھے نہیں ہیں۔

اس مقام پر (وحدت کے مقام پر) تمہاری نیستی اور نابودی کی شرط ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو فنا کرکے شرط پوری کروگے تو جیت جاؤگے، سمندر بنوگے، دن ہی بنوگے۔ دیکھو رات اپنے آپ کو جب فنا کرتی ہے تو دن میں بدل جاتی ہے۔ رات بھی موجود رہے اور دن بھی ہو یہ ناممکن بات ہے۔

علیؔ ہم نام را بنگر! کہ جز او
بہ اللہ و محمدؐ رہبرم نیست

علیؔ اپنے ہم نام کو دیکھو کہ اس کے سوا۔ اللہ اور محمدؐ کی طرف میرا کوئی رہنما نہیں ہے۔

حضرت علیؔ ہمدانی قدس اللہ سرہٗ کا ہم نام حضرت علیؔ علیہ السلام کرم اللہ وجہہ ہیں، فرماتے ہیں اے علی تو اپنے ہمنام علی کے حالات کا غور سے مطالعہ کرو اور ان کی پیروی کرو، کیونکہ اللہ اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کے سوا تیرا کوئی راستہ دکھانے والا نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شاہ ولایت کا خطاب ہے۔ ولایت، سلوک اور عرفان کی تعلیم کے منبع و مصدر ہیں۔ جس طریقہ پر وہ چلتے تھے، اس طریقہ کو اختیار کرنے سے "ولایت" حاصل ہوتی ہے۔

غزل نمبر ۳۹

اے شدہ نورِ خدا از مہِ روئے تو پدید
خرم آں کس کہ دریں عید مہِ روئے تو دید

اے: (ندا ہے، منادیٰ محمد صلے اللہ علیہ وسلم محذوف ہے)

اے محمدؐ تمہارے چاند جیسے مکھڑے سے خدا کا نور ظاہر ہوا۔ (کتنا) خوش ہے وہ شخص جس نے اس عید (مبارک دن، خوشی کے دن) میں تمہارے نازنین چہرے کو دیکھا۔

بخرابات فنا محو شود در لمعات
انکہ مئے عشق تو یک جرعہ ہر آنکس کہ چشید

خرابات: خراب کی جمع، ویران، خرابات، مئی خانہ، شراب خانہ + محو شدن: مٹ جانا، فنا ہونا +
لمعات: لمعہ کی جمع، نور، کرن، کرنیں + جرعہ: گھونٹ + چشیدن: چکھنا، پینا +

جس کسی نے تیرے عشق کی شراب کا ایک گھونٹ پیا (وہ) نور کی کرنوں میں فنا کے مئی خانے میں مٹ جائیگا۔

عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم عشق الہٰی کا زینہ (سیڑھی) ہے۔ عشق محمد پہلے ہے پھر عشق الہٰی سلوک کے راستے میں فنا فی الرسول فنا فی اللہ سے مقدم ہے۔ عشقِ رسولؐ اور متابعتِ رسولؐ کے بغیر عالمِ نور کی سیر کی اجازت نہیں ملتی ہے۔ نور کی کرنیں (راہ ہدایت) اُسی سے نکلی ہیں اور نکلتی ہیں۔ انہیں کرنوں کی روشنی سے (قرآن اور اقوال محمدؐ سے) فنا کے مئی خانے کا راستہ روشن ہے۔ عشق محمدؐ کی شراب کے گھونٹ پیو تو تم پر سب کچھ خود بخود روشن ہو جائے گا۔

توتیا خاک شود در نظرِ ہمت او
آنکہ در دیدہ ز خاک درِ تو سرمہ کشید

توتیا: سرمہ، دوائی جو آنکھ کی بیماریوں کے لئے علاج ہے۔

جس کسی نے آپ کے دروازہ کی مٹی سے اپنی آنکھ میں سرمہ لگایا، اس کی ہمت کی نظر میں سرمہ خاک (مٹی) ہو جائیگا۔ آپ کے دروازے کی مٹی میں وہ بینائی بخش اثر ہے کہ جس کسی نے

اس مٹی کو سُرمہ کے بدلے لگایا - تو دنیا کی قدر اس کی نظر میں مٹی کے برابر ہو گئی - تو دنیا بے قدر ہو گیا۔ عقیدتمندی سے جس نے آپکی طرف رجوع کیا اس کی بینائی کھُل گئی -

چوں مہِ نو شدہ انگشت نما در ہمہ جا
پشت آن کس کہ بہ بوسیدن پائے تو خمید

مہ نو: نیا چاند + انگشت نما: مشہور + بوسیدن: چومنا + خمیدن: جھکنا +

نئے چاند (ہلالِ نو) کیطرح اس کی پیٹھ ہر جگہ مشہور ہو گئی، جو کوئی تیرے پائے مبارک کو چومنے کے لئے جھُکا۔

نیا چاند جب نکلتا ہے، تو سارے انگلی سے دکھاتے ہیں، وہ چاند ہے، وہ چاند ہے اس انگلی سے دکھانے کو "انگشت نما" کرنا کہتے ہیں۔ لوگ اسی طرح کسی بڑے آدمی کو، خوبصورت کو یا نیک آدمی کو انگلی کے اشارہ سے دکھاتے ہیں۔ جس کو دکھاتے ہیں وہ مشہور ہستی ہوتا ہے قدر والا ہوتا ہے۔

پائے محمدؐ کو چومنے کے لئے جو جھکے وہ صاحب قدر ہو جاتا ہے۔ پاؤں کے چومنے سے مراد فرمانبرداری رسولؐ ہے جو محمدؐ کی فرمانبرداری کریگا، اس نے جو فرمایا اس پر عمل کریگا وہ صاحب قدر اور مشہور ہو گا۔

شدہ از طالعِ فرخندہ سرافرازِ جہاں
آنکہ از صدق و ارادت برکابِ تو دوید

طالع: قسمت، نصیب + فرخندہ: مبارک، نیک شگون + صدق: سچائی + ارادت: اعتقاد، خواہشمندی + رکاب: گھوڑے کے زین کے ساتھ لٹکتا ہوا لوہے کا حلقہ، جس پر پاؤں رکھ کر سوار ہوتے ہیں +

خوش قسمتی اور مبارک بختی سے وہ دُنیا کا سربلند (بڑا آدمی) بنا، جو سچائی اور عقیدتمندی سے تمہاری رکاب کو پکڑنے کے لئے دوڑا۔ بزرگ لوگ جب سوار ہوتے ہیں تو عقیدتمندان کے گھوڑے کی زین کی رکاب کو پکڑنے کے لئے دوڑتے ہیں تاکہ سوار ہونے میں آسانی ہو۔ کچھ خوش اعتقاد رکاب پکڑ کر سواری کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں۔ رکاب پکڑ کر ان کا یہ دوڑنا عزّت کا سبب ہوتا ہے